پھول سے بچوں کیلئے
ماہنامہ پھول لاہور

ریمبو "پھول" کے دفتر اور عدالت میں

دلچسپ روئیداد اندرونی صفحات میں

نوائے وقت

پھولوں نے مزار اقبالؒ پر پھول چڑھائے

پھول سے بچوں کیلئے

ماہنامہ پھول لاہور

چیف ایڈیٹر ——— مجید نظامی

ایڈیٹر ——— اختر عباس

سب ایڈیٹر ——— نعیم بلوچ

آرٹسٹ ——— رمان منہاس

لے آؤٹ ——— محمد اویس محمد رفیق قریشی

میرا نام ..... ہے

اور یہ پیارا پیارا پھول مجھے بیحد پسند ہے

قیمت ——— 8 روپے

زرسالانہ (پاکستان میں) ——— 100 روپے (عام ڈاک سے)

185 روپے (رجسٹرڈ ڈاک سے)

مشرق وسطیٰ افریقہ ——— 250 روپے

یورپ ——— 300 روپے امریکہ، مشرق وسطیٰ ——— 350 روپے

پتہ: ماہنامہ پھول

4 شارع فاطمہ جناح لاہور

فون: 54 - 367551

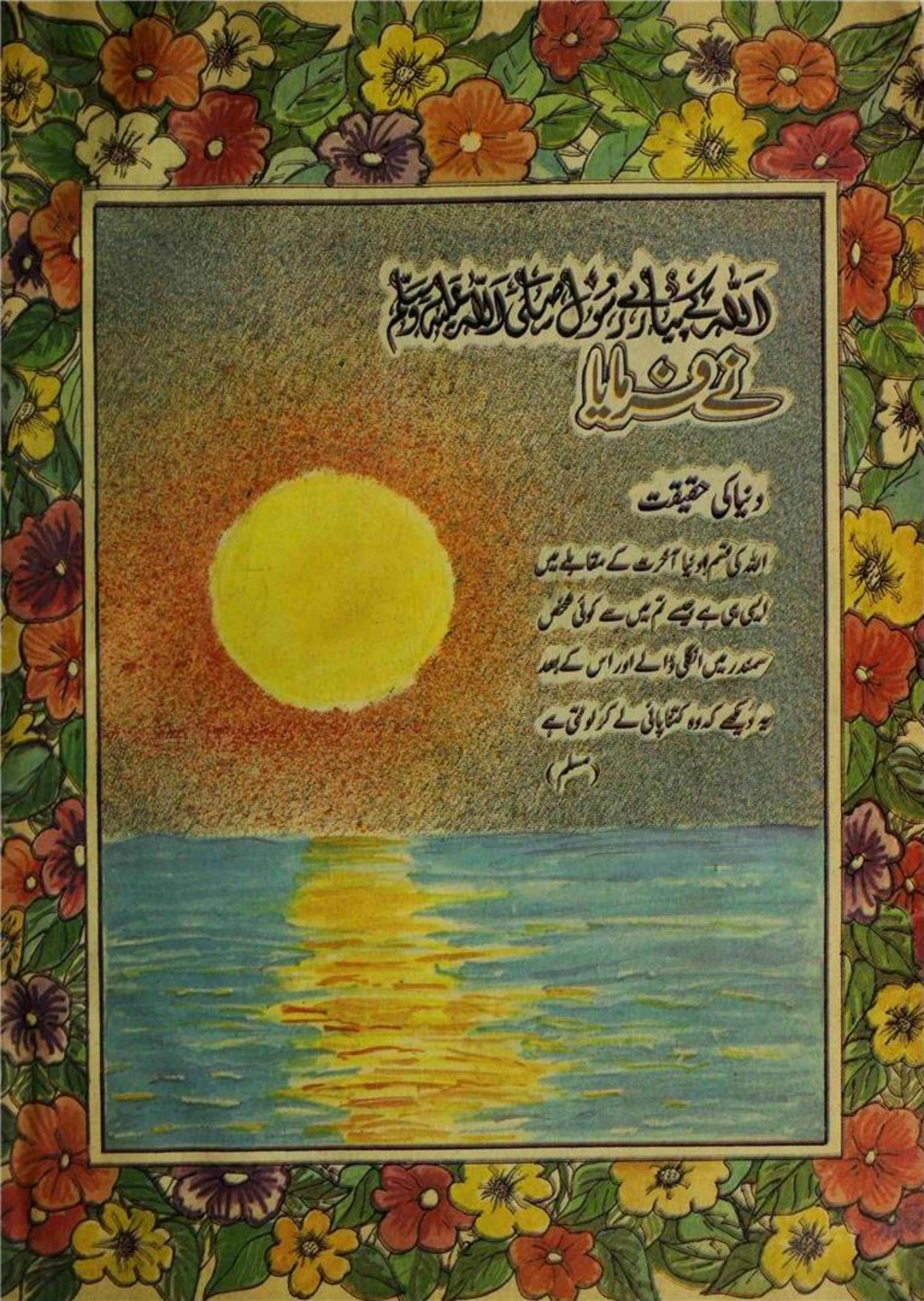
اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا
دنیا کی حقیقت
اللہ کی قسم! دنیا آخرت کے مقابلے میں
ایسی ہی ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص
سمندر میں انگلی ڈالے اور اس کے بعد
یہ دیکھے کہ وہ کتنا پانی لے کر لوٹتی ہے
(مسلم)

فہرست

مغرور — علی اکمل — 4

ایک صبح — س۔ م دانش — 6

ریمبو ریمبو — احسن لطیف — 7

قائد کی کہانیاں — سید نظر زیدی — 13

ایڈیٹری ایک دن کی — عائشہ میر — 18

بدگمانی — اعجاز احمد — 20

منزل کی تلاش — نعیم بلوچ — 24

چمک — سفیان ناصر — 17

ہر نونا شہر میں — بیڈ ٹائم سٹوری — 61

علی سفیان آفاقی — 29

پھول کھلنے — 37

آخری آدمی — 41

مراد اقبال — 50

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بچے نے گلاس توڑ دیا ڈانٹ پڑی تو ناراض ہو گیا شاگرد نے سبق یاد نہیں کیا استاد نے گھورا تو ناراض ڈرائیور نے اشارہ توڑا سپاہی نے چالان کیا تو ناراض۔ سیاست دانوں نے ملک توڑا لوگوں نے دکھ کا اظہار کیا تو ناراض

کبھی آپ نے سوچا ہم اور ہمارے بڑے چھوٹے سبھی ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہونے کو کیوں تیار بیٹھے رہتے ہیں۔ گلاس سے لیکر ملک توڑ دیتے ہیں مگر ڈانٹ کھانے، سزا بھگتنے اور اپنی غلطی کو سمجھ کر دوبارہ ایسا نہ کرنے کا وعدہ کرنے سے یوں ڈرتے ہیں جیسے کوا غلیل سے ڈرتا ہے۔ حالانکہ سیدھی سی بات ہے کہ کبھی ان جانے میں یا جان بوجھ کر غلطی ہو جائے تو آئندہ کوشش کر کے ویسے حالات پیدا نہ ہونے دیئے جائیں۔

دسمبر جب بھی آتا ہے۔ مشرقی پاکستان کی یاد دلاتا ہے۔ اسی ماہ پاکستان کے خوبصورت اور بڑے نقشے سے اس کی علیحدگی کا زخم لگا تھا۔ قدرت نے تو یہاں وہاں ہر جگہ میں پاک وطن کو توڑنے والوں کو کسی نہ کسی حوالے سے سزا ضرور دی ہے۔ اتنا بڑا حادثہ ہو گیا تھا مگر اب تک نہ تو کوئی غلطی تسلیم کرنے کو تیار ہے اور نہ اسے محسوس کر کے آئندہ ایسی سوچوں اور باتوں کو چھوڑنے کو کہ جن کے باعث وہاں کے لوگوں کے دل دکھے اور دین و ملت کے سارے حوالے بھی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

پھول ساتھیو! ہمارا خیال ہے کہ دوستیاں، محبتیں، رشتے اور ملکوں کی سرحدیں ٹوٹنے سے پہلے دل ٹوٹتے ہیں۔ کیوں نا آج ہم آپ طے کر لیں کہ ہم وطن چاہے اپنے شہر کا ہو یا دوسرے صوبے کا۔ اپنی زبان کا ہو یا دوسری ثقافت کا۔ تعصب سے بچنا ہے۔ نفرت کی باتوں سے بچنا ہے۔ تاکہ کسی حوالے سے بھی دلوں کی ٹوٹ پھوٹ نہ ہو۔ ورنہ ان کے دوبارہ جڑنے کی امید میں بہت سے دسمبروں کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔

اختر عباس

آپ کے ایڈیٹر بھیا

مغرور

علی اکمل تصور

"لوچی..... لوچی جلدی آؤ۔ دیکھو تو کتنا خوبصورت گلاب ہے" ماکو نے دور سے آواز لگائی۔

"آتی ہوں ماکو..... اتنا شور مت مچایا کرو۔ میں تمہاری طرح جلد باز نہیں ہوں" لوچی نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

"تم یہاں نہیں آنا چاہتی تو نہ آؤ لیکن جلد باز تو مت کہو" ماکو ناراض ہو گیا۔ لوچی نے اپنے خوبصورت پروں کو سمیٹا اور اڑتی ہوئی ماکو کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"ماکو تم ناراض بھی بہت جلد ہو جاتے ہو۔ اچھے بچے جلدی ناراض نہیں ہوتے" لوچی نے ماکو کو چھیڑتے ہوئے کہا اور گلاب کے پھول کا رس چوسنے لگی۔

"میں اچھا بچہ نہیں اور جلدی ناراض ہو جاتا ہوں لیکن تم کون سی دادی امی ہو" ماکو بدستور ناراض تھا۔ اس کی بات سن کر لوچی کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

"اب ہنس کیوں رہی ہو" ماکو چڑ گیا۔

"ماکو تم جلد باز بھی ہو، ناراض بھی جلد ہوتے ہو اور تھوڑے سے بے وقوف بھی ہو" اتنا کہہ کر لوچی پھر ہنسنے لگی اور ماکو اسے غصے سے گھورنے لگا۔ لوچی نے ماکو کو جو غصے میں دیکھا تو کہنے لگی۔

"ماکو میں نے تمہیں جلد باز اس لئے کہا تھا کہ تم ایک پھول کا رس ٹھیک طرح چوستے نہیں اور دوسرے پھول پر جا کر بیٹھ جاتے ہو۔ اس طرح پھول کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ پھول میں نمی زیادہ ہو جاتی ہے اور وہ بے چارہ زرد پڑ جاتا ہے۔ جلدی ناراض ہو جانے میں یہ خرابی ہے کہ ہمارے دوست ہمیں ناپسند کرنے لگتے ہیں۔ ہم دوسروں کو اس وقت خوش رکھ سکتے ہیں جب ہم میں برداشت کرنے کی طاقت ہو اور بے وقوف اس لئے ہو کہ میں نے تمہیں اتنی مرتبہ یہ سب باتیں بتائی ہیں، پھر بھی تم بھول جاتے ہو۔"

لوچی کی باتیں سن کر ماکو کا سر شرمندگی کے احساس سے جھک گیا پھر وہ کہنے لگا:

"لوچی، مجھے معاف کر دو آئندہ میں خیال رکھوں گا"

"تم بہت اچھے ہو۔ اپنی غلطی تسلیم کر لینا بہت ہمت کی بات ہے" لوچی نے خوش ہو کر کہا اور ماکو خوشی سے پھول کے گرد چکر لگانے لگا پھر وہ لوچی کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا

"لوچی تم نے مجھے پھر ہمت والا کہا ہے"

"ہاں میرے بھائی تمہاری یہ عادت بہت اچھی ہے" لوچی مسکرائی اور پھر پھول کا رس چوسنے لگی۔ ماکو دوبارہ اڑتا ہوا پھولوں کے اوپر منڈلانے لگا۔ پھر اچانک اس کی آواز لوچی کے کانوں سے ٹکرائی۔

"لوچی ادھر آؤ دیکھو تو ایک عجیب بات.....

"ہر وقت بولتے رہتے ہو۔ اب کون سی عجیب بات نظر آئی ہے" لوچی نے سنجیدگی سے کہا اور اڑتے ہوئے ماکو کے پاس ایک گلاب کے پھول پر آ بیٹھی۔

"نہیں تو..... لیکن تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" لوچی پریشان ہو گئی۔
"باجی ہم جس پھول پر بیٹھے ہوئے ہیں اسے ذرا سونگھ کر بتاؤ" ماکو مسکرایا۔
لوچی نے ایک لمبا سانس لیا اور پھر وہ اچھل پڑی
"ہاں بات تو عجیب ہے" لوچی نے بڑبڑا کر کہا
"میں نہ کہتا تھا" ماکو فخر سے بولا
"تم ٹھیک کہتے ہو اس پھول میں سے خوشبو نہیں آ رہی۔ عجیب بات ہے میری عمر دس دن کی ہو گئی ہے لیکن آج تک مجھے کوئی ایسا پھول نظر نہیں آیا جس میں سے خوشبو نہ آتی ہو"
"پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے" ماکو کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ لوچی نے پریشان نظروں سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر کہنے لگی
"ماکو میرے ساتھ آؤ ہم اس سرخ پھول کو یہ بات بتاتے ہیں۔"
اتنا کہہ کر لوچی نے اپنے پر سمیٹے اور گلاب کے سرخ پھول پر جا بیٹھی۔ پھول میں سے بھینی بھینی سی خوشبو نکل رہی تھی۔ ایک لمحے کے لئے تو لوچی کے ذہن سے ساری بات نکل گئی۔ لیکن جب ماکو اس کے پاس آ کر بیٹھا تو اسے سب کچھ یاد آ گیا۔ ابھی لوچی بولنے ہی لگی تھی کہ ماکو نے خمار آلودہ آواز میں کہا۔
لوچی مجھے نیند آ رہی ہے۔ اس پھول کی خوشبو بہت پیاری ہے"
ماکو ہوش میں آؤ ہم اس پھول کو وہ بات بتائیں گے" اتنا کہہ کر وہ گلاب کے پھول کی طرف متوجہ ہو گئی۔
"گلابو..... گلابو ہمیں ایک بات تو بتاؤ" لوچی نے اسے مخاطب کیا۔
"ہاں پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے" گلابو نے ایک طویل جمائی لیتے ہوئے کہا۔
"گلابو ہم شہد بنانے کے لئے پھولوں کا رس جمع کر رہے ہیں لیکن آج ایک عجیب بات ہوئی۔
"کیا بات ہوئی" گلاب کا پھول حیرت سے بولا۔
"گلابو بھائی جب کوئی دوسرا بات کر رہا ہو تو بیچ میں نہیں بولتے"۔
"ہاں..... تم نے بہت اچھی بات کہی" وہ شرمندہ ہو گیا۔
"ہاں تو گلابو بھائی وہ عجیب بات یہ ہے کہ پھولوں کا رس چوستے ہوئے میرا بھائی ایک پھول کی وجہ سے پریشان ہو گیا۔
"پریشان ہو گیا..... لیکن کیوں؟ گلابو نے پھر سوال داغ دیا۔
"اس پھول میں سے خوشبو نہیں آ رہی تھی" لوچی نے بات مکمل کی۔
"تم کہیں گلابی پھول کے بارے میں تو بات نہیں کر رہی؟ گلابو نے چونکتے ہوئے کہا۔
"ہاں بھائی گلابو! لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" لوچی نے حیرت سے کہا
"لوچی بہن وہ پھول ویسے تو ہمارا بھائی ہے لیکن ہم اسے پسند نہیں کرتے" گلابو کا لہجہ رنجیدہ ہو گیا
"خیر تو ہے؟ تم پریشان ہو گئے ہو" لوچی نے ماکو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو آنکھوں میں غنودگی لئے گلابو کی طرف دیکھ رہا تھا۔
"بات یہ ہے کہ اسے اس کی حرکتوں کی وجہ سے سزا مل رہی ہے۔ شاید اسی لئے اس میں خوشبو پیدا نہیں ہوتی۔ میں تمہیں تفصیل سے بتاتا ہوں۔ پہلے اس کا نام سن لو۔ ہم اس اسے بلاچو کہتے ہیں۔ جب وہ پیدا ہوا تھا تو ہم سب بہت خوش ہوئے تھے کیونکہ پورے باغ میں وہی ایک پھول تھا جس کا رنگ گلابی تھا اسی بات نے اسے مغرور کر دیا۔ جب شہد کی مکھیاں اور تتلیاں اس کے پاس آ کر اس سے کھیلتی تھیں تو وہ اپنی پتیاں سمیٹ لیا کرتا تھا۔ وہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی تتلی اس کے آس پاس منڈلائے وہ ہم سے بھی بدتمیزی کے ساتھ پیش آتا مگر ہم برداشت کرتے لیکن اس کی ایک غلطی کی وجہ سے اس میں خوشبو پیدا ہونا بند ہو گئی۔
وہ غلطی کیا تھی گلابو بھائی....." لوچی بے صبری سے بولی
"تمہیں معلوم ہو گا کہ ہر صبح سورج نکلنے سے پہلے بہن شبنم ہم سے ملنے آتی ہے۔ گرمی کی وجہ سے ہم سب رات بھر میں کملا جاتے ہیں لیکن صبح ہوتے ہی شبنم کے قطروں سے ہمیں تازگی ملتی ہے اور ہم خوشی سے جھومنے لگتے ہیں لیکن بلاچو اتنا ہٹ دھرم اور بے وقوف ہے کہ بہن شبنم کی آمد پر وہ اپنی پتیاں سمیٹ لیتا ہے۔ اب بہن شبنم اس سے ناراض ہو گئی ہے اسی وجہ سے وہ بیمار رہنے لگا ہے اور اس میں سے خوشبو نکلنا بند ہو گئی ہے" گلابو نے افسردہ لہجے میں اپنی بات مکمل کی اور سر جھکا لیا۔ لوچی نے حسرت سے بلاچو کی طرف دیکھا۔ اچانک ہی ہوا کا تیز جھونکا آیا اور بلاچو شاخ سے ٹوٹ کر زمین پر گرا اور اس کی پتیاں بکھر گئیں۔
"یہ کیا ہوا" ماکو نے آنکھیں ملتے ہوئے لوچی کو مخاطب کیا۔
"غرور کرنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے بھائی ماکو" لوچی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ماکو نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا لیکن وہ لوچی کی آنکھوں میں موجود آنسوؤں کو نہیں دیکھ سکا تھا۔

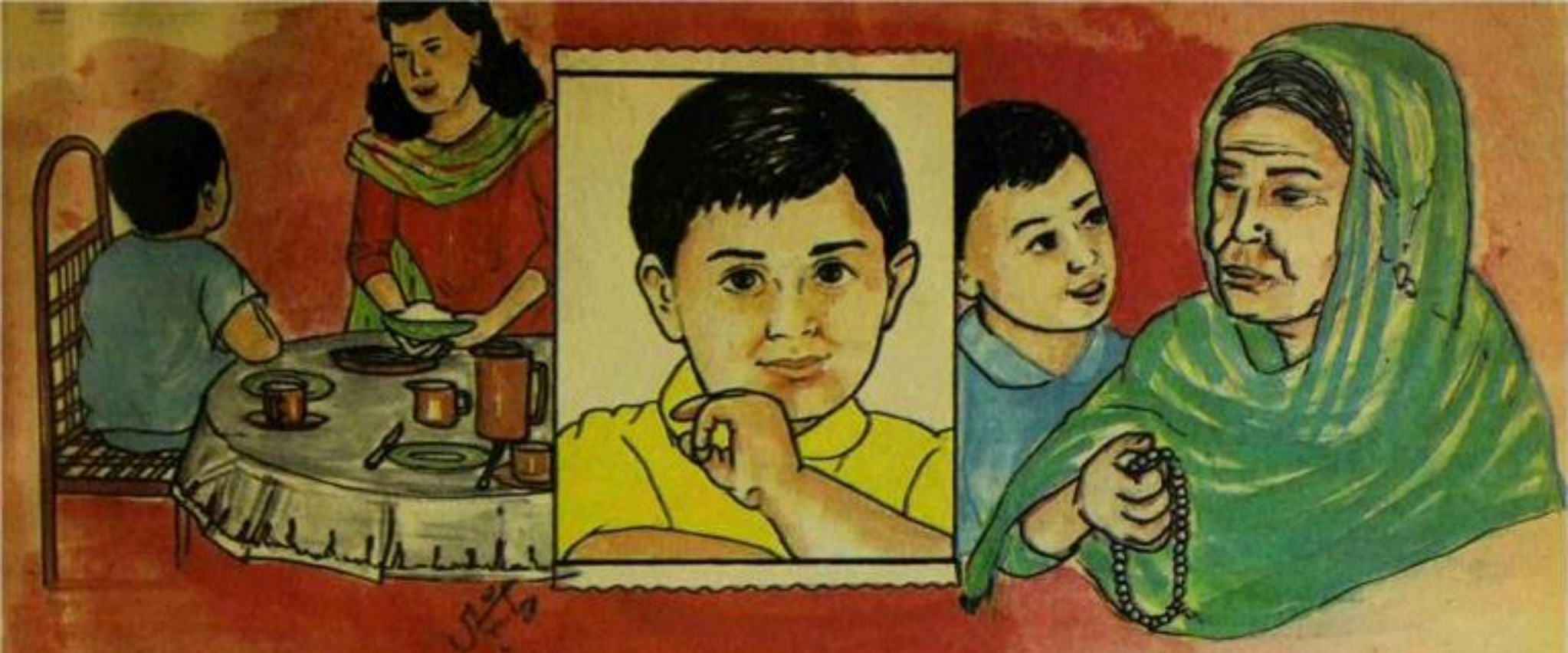

ایک صبح

س۔ م۔ دانش

عمر کے اس حصے سے سبھی گزرتے ہیں جب منہ سے نکلنے والی ہر بات سوال بن کر نکلتی ہے.....۔
ایک بچے کی کہانی۔ ایک صبح وہ بہت جلدی بیدار ہو گیا تھا۔

وہ اپنے بستر سے باہر نکلا' اس کے ابو ٹریک سوٹ پہنے جاگنگ کے لئے جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ بالے نے انہیں سلام کیا تو وہ حیرت کے ساتھ جیتے رہو' خوش رہو کی دعائیں دیتے ہوئے بولے ارے بیٹے اتنی صبح سویرے اٹھ گئے! ابو آپ کہاں جا رہے ہیں؟ اقبال نے انہیں ٹریک سوٹ پہنے دیکھ کر پوچھا "بیٹے جاگنگ پر"۔

"یہ جاگنگ کیا ہوتی ہے"۔ وہ فوراً بولا۔

"بیٹے واپس آکر بتلاؤں گا"۔ ابو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

پھر وہ دادا جان کے کمرے کی طرف بڑھا اندر پہنچا تو دیکھا وہ تلاوت قرآن میں مصروف ہیں' دھیمی مگر گنگناتی ہوئی سی آواز میں ان کی تلاوت صبح کے سناٹے میں عجیب سا سرور پیدا کر رہی تھی۔ وہ خاموشی سے واپس لوٹ آیا..... امی کچن میں ناشتہ تیار کرنے میں مصروف ہو چکی تھیں۔ اقبال کو اپنے پاس کچن میں دیکھ کر وہ بھی حیران رہ گئیں اور ان کی حیرانی اپنی جگہ درست بھی تھی کیونکہ گھر میں اقبال ہی وہ بچہ تھا جو دیر تک سویا رہتا تھا اور اس کے دیر تک سوئے رہنے پر کسی کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا کیونکہ وہ ابھی بہت چھوٹا جو تھا۔ امی! امی آپ اتنی صبح صبح کیا کر رہی ہیں۔ اس نے پوچھا "بیٹے سب لوگوں کیلئے ناشتہ تیار کر رہی ہوں"۔ امی نے پیار سے جواب دیا۔

امی..... امی..... دادی جاں کہاں ہیں' اس نے ماں سے پھر سوال کیا..... بیٹے' آپ کی دادی نماز پڑھ رہی ہوں گی..... یا پھر وظیفہ..... اس کی ماں نے جواب دیا..... نماز کا مطلب تو اقبال خوب سمجھتا تھا بلکہ اسے تو پوری آذان بھی یاد ہو گئی تھی..... قریب کی مسجد سے جب آذان کی آواز بلند ہوتی تو وہ موذن کے ساتھ ساتھ آذان کے الفاظ خود بھی دہراتا' پھر گھر میں دادا' دادی کو نماز پڑھتے بھی دیکھتا تھا..... مگر وظیفہ کیا ہوتا ہے۔ یہ اس کیلئے بالکل نیا لفظ تھا..... اس نے اپنی بڑی' بڑی آنکھوں کو حیرت سے مزید پھیلاتے ہوئے پوچھا "امی..... امی..... یہ وظیفہ کیا ہوتا ہے؟"۔ ماں نے اسے بتایا "اللہ میاں کے ناموں میں سے کوئی بھی نام مسلسل پڑھنے کو وظیفہ کہتے ہیں۔ وظیفہ پڑھ کر دعا مانگی جائے تو جلد قبول ہوتی ہے۔ آج کل تمہاری دادی وظیفہ پڑھ کر تمام دنیا' خصوصاً اپنے ملک میں امن اور امان کی دعائیں مانگتی ہیں۔ وہ یہ بھی دعا مانگتی ہیں کہ سکولوں کو جانے والے تمام بچے اور نوکریوں پر جانے والے لوگ خیر' خیریت سے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آیا کریں دہشت گرد اپنے ہی جیسے انسانوں کو اغواء کرنا اور ہلاک کرنا چھوڑ دیں۔ لوگوں کے دل محبت اور اخلاق سے بھر جائیں' سب لوگ مل جل کر میل و محبت سے رہیں.....۔" پھر وہ کچن سے نکل کر دادی کی طرف چلا گیا۔ سفید بالوں کا ہلتا ہوا سر سفید لباس میں اور بھی بھلا لگ رہا تھا جھریوں بھرے چہرے پر آنسو لڑھک رہے تھے اور وہ دونوں ہاتھوں سے دوپٹے کا آنچل پھیلائے رب کائنات سے دنیا والوں کے لئے امن کی بھیک مانگ رہی تھیں۔ اقبال نے ان سے کچھ کہنا چاہا تو انہوں نے انگلی سے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ اقبال نے فوراً کہا اچھا میں ایک شرط پر بات نہیں کروں گا کہ آپ رات کو مجھے حضرت موسیٰ اور فرعون کی کہانی سنائیں۔ دادی اماں نے اشارے سے ہی اس کا اقرار کر لیا۔

اب وہ پھر اپنے کمرے میں تھا۔ باہر کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے لوگوں کے چلنے' پھرنے کی آوازیں آنے لگی تھیں صحن میں لگے ہوئے درخت پر چہچہاتی چڑیوں کا شور کم ہو گیا تھا' مشرق میں پھیلی ہوئی سرخی سمٹ کر ختم ہو چلی تھی اور اب اس کی جگہ روپہلی کرنیں پھیل رہی تھیں..... بالے سامنے رکھے ڈبے میں جمع اپنے کینچے گننے لگا..... ایک' دو' تین..... اس کے پاس پورے دو درجن یعنی 24 کینچے جمع ہو گئے تھے۔ کینچے گنتے ہوئے اسے یاد آیا کہ یہ گنتی کرنا اس کے دادا نے سکھائی تھی۔ کینچوں کی مدد سے اقبال نے سو تک گنتی بڑی آسانی سے یاد کر لی تھی۔ اس کے دادا میں یہی تو بڑی خوبی تھی وہ جو کچھ بھی اسے سکھانا چاہتے بڑی آسانی سے سکھا دیتے' نیکی اور برائی کی پہچان بھی انہوں نے اقبال کو خوب کرا دی تھی' اس کیلئے وہ اکثر دلچسپ انداز میں اسے قرآنی کہانیاں سناتے رہتے تھے' حضرت ایوب کی کہانی سے صبر کی اہمیت معلوم ہوئی تھی تو حضرت ابراہیم اور غرور کے کرداروں سے بالے کو حق و صداقت' توحید اور باطل کے فرق کا پتہ معلوم ہوا تھا۔

اقبال اپنے کمرے میں سے باہر نکلا اور دروازے پر آکر کھڑا ہو گیا' باہر چہل پہل بڑھ گئی تھی' اس کی گلی میں رہنے والے بڑے بچے اپنے اپنے بستے اور کندھے پر پانی کی بوتلیں لٹکائے سکولوں کی طرف جا رہے تھے۔ اخبار والا اپنے مستقل گاہکوں کے گھروں میں اخبار پھینکتا اور آج کا تازہ اخبار کی صدا لگاتا تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ سڑک پر گاڑیوں کی آمد و رفت دن نکلنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ بالے نے سکول جانے والے بچوں کو ہاتھ ہلا ہلا کر ٹاٹا اور اللہ حافظ بھی کہا..... تھوڑی دیر تک دروازے پر کھڑے رہنے کے بعد وہ پھر گھر کے اندر واپس آ گیا' امی ابھی تک کچن میں ہی تھیں۔ دادا جان تلاوت ختم کر کے اب احادیث کی کوئی موٹی سی جلد دیکھ رہے تھے۔ دادی اپنے مصلے پر ابھی تک ہاتھ پھیلائے دعا مانگ رہی تھیں۔

بقیہ صفحہ 40 پر

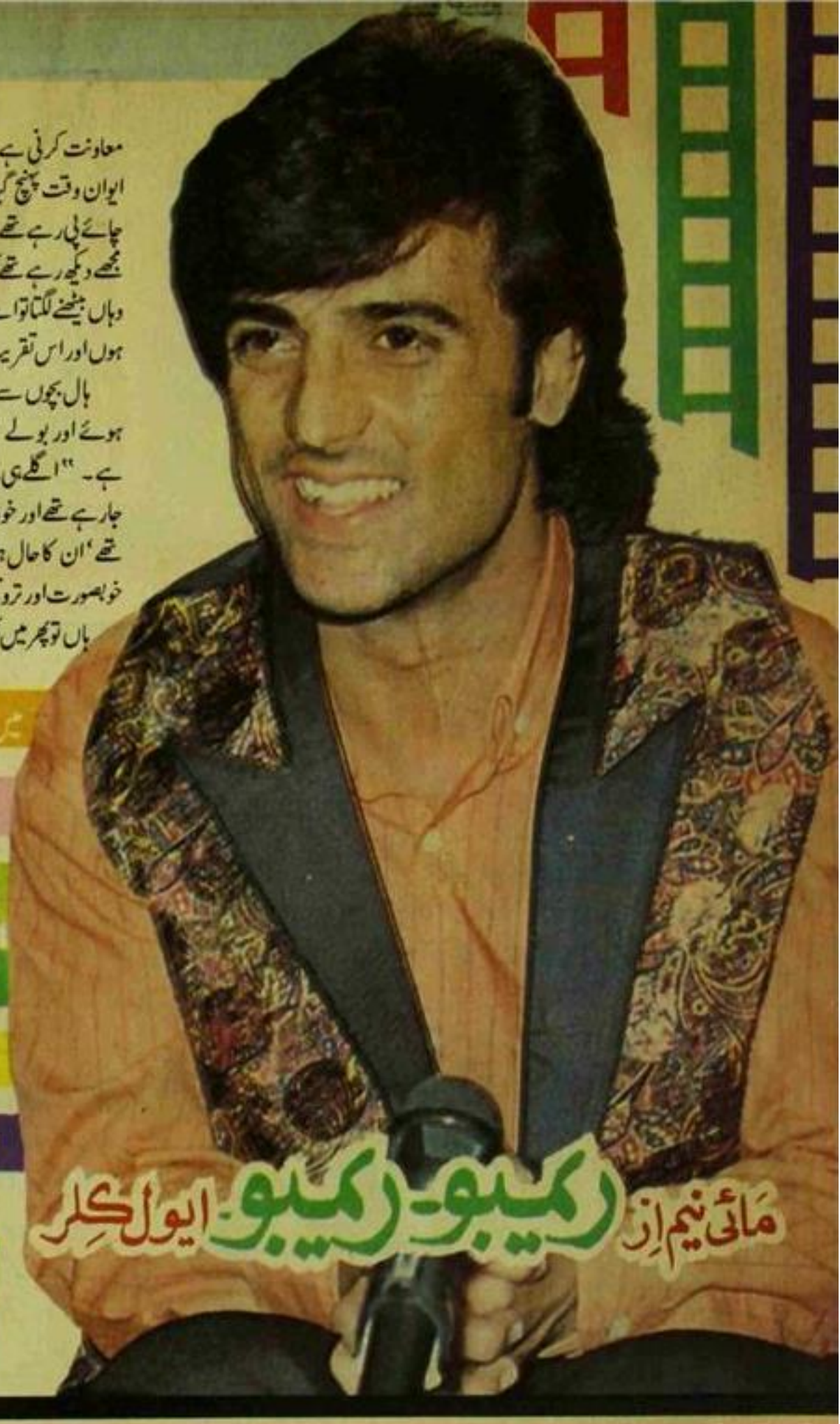

مائی نیم اِز رکیبو۔ رکیبو۔ ایول کِلر

اہتمام: سلیم پاشا
رپورٹ: احسن لطیف
تصاویر: محمد یامین صدیقی

میں کتاب پڑھنے میں مصروف تھا۔ اچانک میرے ذہن میں خیال آیا اور فون اٹھا کر ماہنامہ پھول کے نمبر ملائے۔ "ہیلو....." دوسری طرف اختر انکل تھے۔ میں نے سلام کیا۔ "وعلیکم اسلام" انہوں نے جواب دیا۔ "انکل آج ریمبو بھائی نے آنا ہے نا؟" میں نے تجسس سے پوچھا۔ "جی آپ فوراً آجائیں" انکل اختر نے کہا۔ "خدا حافظ" کہتے ہوئے میں نے فون بند کیا اور اٹھ بیٹھا۔ اسی لباس میں ہاتھ منہ دھو کر شوز پہنے اور سائیکل اٹھا کر بھاگ نکلا۔ ادھے گھنٹے بعد میں پھول کے دفتر بیٹھا تھا۔ اس وقت میری حالت قابل رحم تھی..... راستے میں دو بار حادثے سے بچا اور اب پسینے سے شرابور تھا..... باتھ روم جا کر منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر واپس آیا تو اختر انکل نے یہ بتا کر جی خوش کر دیا کہ مجھے اس عدالت میں ان کی معاونت کرنی ہے..... میں نے فائل کور، خالی کاغذ اور چند بال پوائنٹس لئے اور ان کے ساتھ ایوان وقت پہنچ گیا۔ جس کے ساتھ والے کمرے میں افضل خان اور نثار بٹ صاحب بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ میں نے افضل بھائی کو سلام کیا اور واپس ہال میں آکر بیٹھ گیا۔ اکثر بچے مجھے دیکھ رہے تھے کہ ایڈیٹر بھیا نے مجھے سب سے آگے کیوں بٹھایا ہے۔ جب بھی دوسرا کوئی وہاں بیٹھنے لگتا تو اسے ہٹا دیتے۔ اب انہیں کون بتاتا کہ میں پھول کی اس عدالت کا نو عمر رپورٹر ہوں اور اس تقریب کی رپورٹ میں نے ہی تیار کرنی ہے۔

ہال بچوں سے پر ہو چکا تھا اور میں لکھنے کے لئے بالکل تیار تھا۔ اچانک ایڈیٹر بھیا اندر داخل ہوئے اور بولے "ریمبو میاں آچکے ہیں، ان کا گرم جوشی اور تالیوں سے استقبال کرنا ہے۔" اگلے ہی لمحے افضل خان اور نثار بٹ اندر داخل ہوئے۔ بچے خوشی سے بے قابو ہونے جا رہے تھے اور خود ہمارا بھی یہی حال تھا۔ اس وقت بچوں کے دل جس طرح بلیوں اچھل رہے تھے، ان کا حال ہمارا قلم بیان نہیں کر سکتا..... نے ریمبو بھائی کو پھول کی طرف سے خوبصورت اور تر و تازہ پھولوں کا بقے پیش کیا۔

ہاں تو پھر میں بھی اپنی جگہ تیار ہو کر بیٹھ گیا۔ میرے ساتھ زاہد بیٹھا تھا جو بار بار آٹوگراف

میں ڈاکوؤں کو بھی جیسے تیسے کر کے بھگا دوں گا

مجھے ہوم ورک نہ کرنے پہ مار پڑتی تھی

بچوں کے والدین دروازے جھانک رہے تھے

میں ہمیشہ خدا کا شکر ادا کرتا ہوں

میرا وائپر ٹی وی والوں نے قومی تحویل میں لے لیا

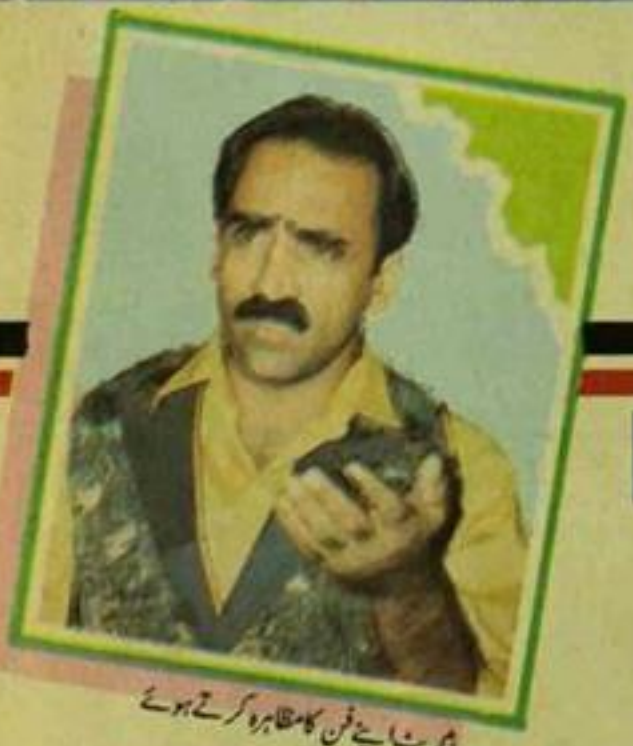

نثار بٹ اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے

لے کر دینے پر اصرار کر رہا تھا۔ میں نے سمجھایا کہ ایسا کام ہمیشہ تقریب کے آخر میں کرتے ہیں۔ ریمبو جس طرح گیسٹ ہاؤس میں شرارتی نظر آتا تھا آج بھی اسی طرح بچوں کے ساتھ بچہ نظر آرہا تھا۔ شاید یہ بچوں کی محبت کا اثر تھا۔ سامنے اور دائیں بائیں جو بچے بیٹھے ہوئے تھے وہ نہایت جوش و خروش سے تالیاں بجا رہے تھے۔ خیر جیسے ہی شور تھما ریمبو بھیا بلند آواز سے

ثاربٹ - افضل خان اور اختر عباس

بولے۔

"پیارے پیارے چیچو چیچو بچو! اسلام علیکم..... آپ کے ایڈیٹر بھیا نے بہت پیار سے مجھے یاد کیا اور میں حاضر ہو گیا....."

بچوں کی اس عدالت کا آغاز عمیر عباس کی تلاوت سے ہوا۔ پھر اختر بھائی نے چند تعارفی جملے کہے اور مہمان کو دعوت دی کہ بچوں کے سوالات سے پہلے کچھ جملے وہ خود بھی کہیں۔

افضل خان ہلکا سا مسکرائے اور پھر کہنے لگے

"میں ایبٹ آباد میں پیدا ہوا اور وہیں سے

میری زندگی کا مقصد لوگوں سے محبت

کرنا اور ان کے دکھ دور کرنا ہے

میں وعدہ کرتا ہوں

کبھی شراب اور نشے کے قریب

نہیں جاؤں گا

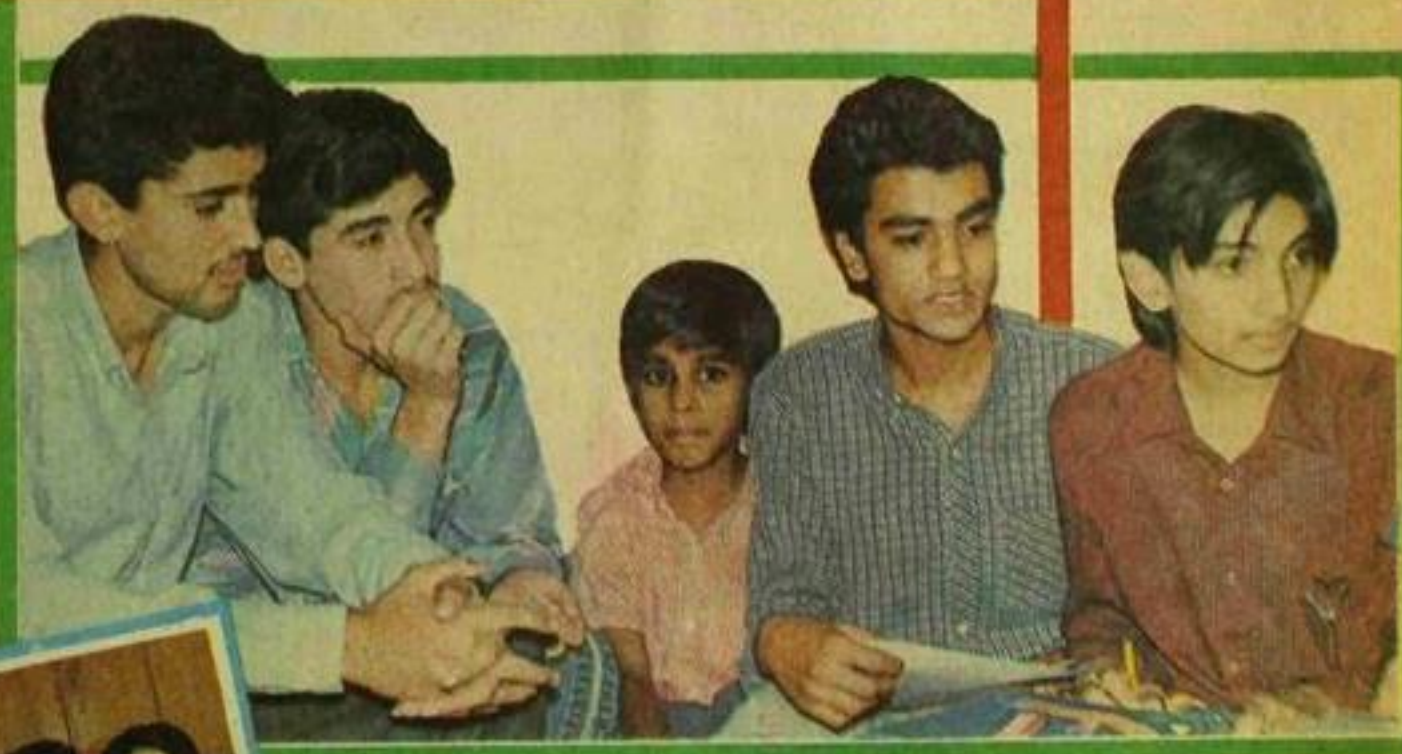

احسن لطیف - زاہد، انور خان اور محمد علی

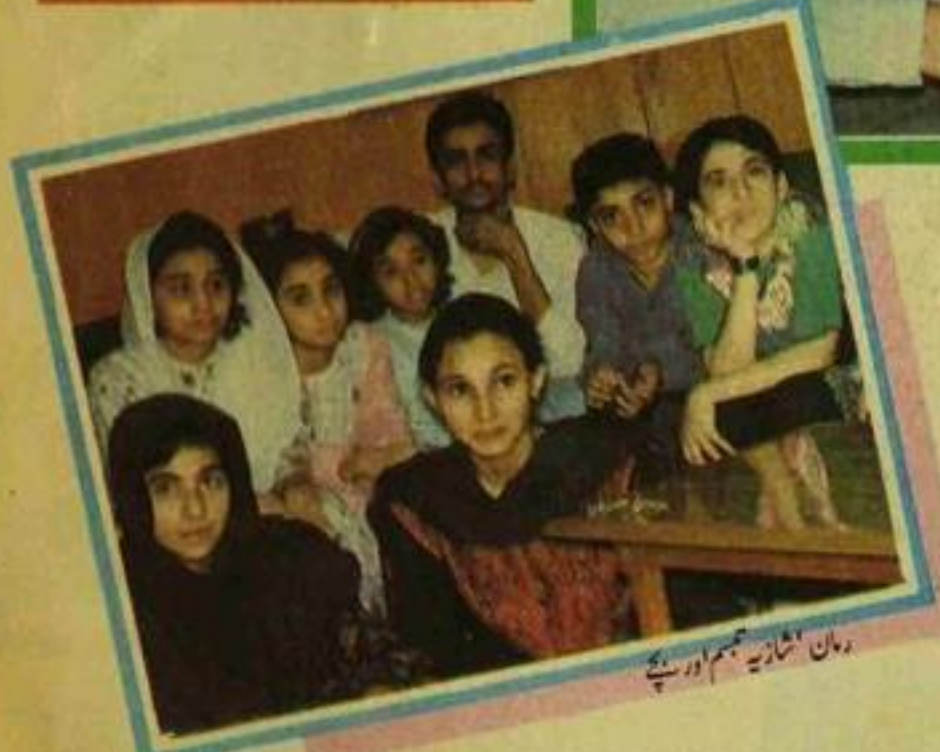

رمان، شازیہ، تبسم اور بچے

ابتدائی تعلیم حاصل کی اور بچپن ہی سے بہت شرارتی ہوا کرتا تھا اور مجھے اداکاری کا بہت شوق ہوا کرتا تھا۔ بی اے کیا، بی اے سے پہلے میٹرک اور ایف اے بھی کیا اور پھر میں پنڈی آ گیا اور ڈرامہ سیریل گیسٹ ہاؤس میں کام کیا اور پھر یہیں کا ہو کر رہ گیا..... اس کے بعد میں لاہور میں اور اب آپ کے سامنے ہوں۔"

ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

ایڈیٹر بھیا کے دائیں طرف ثاربٹ اور ان کے ساتھ افضل خان اور بائیں طرف میں بیٹھا تھا۔ آپ کو بتاتا چلوں کہ جب ایڈیٹر بھیا نشست پر نہیں تھے تو افضل خان بالکل میرے ساتھ بیٹھے اور میں نے ان سے مصافحہ کیا اور حال چال پوچھا۔ تقریب کی تفصیلات اور گفتگو جلدی جلدی نوٹ کرنا خاصا مشکل کام ثابت ہوا، ہم جلدی جلدی یہ کام کر رہے تھے ساتھ پریشانی بھی

یہ توبہ "یہ ابہام" اس کے پروگرام ہی مزے دار تھا

سلمان مقصود نے استقبالیہ پھول پیش کئے

تھی کہ مجھ سے جلدی میں کہیں کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ اچانک مجھے کہاوت یاد آئی کہ "گرتے ہیں شہ سوار ہی میدان جنگ میں" مگر پھر جلد ہی یہ احساس ہوا کہ میں اس وقت شہ سوار نہیں صوفہ سوار تھا۔

جب بچوں نے تالیاں بند کیں تو ایڈیٹر بھیا نے نثار بٹ صاحب کو کہا کہ اب آپ پہلے اپنا تعارف کرائیں اور پھر کچھ پیش کریں۔

نثار بٹ صاحب سیدھے ہوئے اور پھر بولے۔ "میرا تعلق سٹیج سے ہے۔ پاکستان میں بلکہ ہندوستان میں میرے فن کو جو سمجھتے ہیں وہ میرے متعلق جانتے ہوں گے۔ میرا اصل کام نقل کرنا ہے۔ مثلاً جیدی یعنی اطہر شاہ خان ایک بہت اچھے کامیڈین ہیں۔ اب میں ان کے انداز کی نقل کرتا ہوں۔"

انہوں نے اطہر شاہ خان کی اس خوبصورتی سے نقل کی کہ اگر ہم آنکھیں بند کرتے تو ہمیں ایسا محسوس ہوتا کہ واقعی اطہر شاہ خان بول رہے ہیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ محمود بھی انڈیا کے بہت اچھے کامیڈین ہیں۔ پھر انہوں نے محمود کی نقل کی جس پر بچے کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ ہم بھی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ وہ اس فن کے واقعی بہت ماہر تھے۔ پھر انہوں نے کہا کہ بانسری کو جادو کہتے ہیں اور میں یہاں پر بغیر ہاتھوں کے بانسری بجاؤں گا۔ پھر انہوں نے سب کو اپنے خالی ہاتھ دکھائے اور پھر بانسری کی آواز نکالنا شروع کی۔ ہم دنگ رہ گئے اور بچوں نے خوب جوش و خروش سے تالیاں بجائیں۔

سب بچے بہت خوش ہو رہے مگر ان کی زیادہ تر توجہ افضل خان کی طرف تھی اور سچ پوچھیں تو آپ کو راز کی بات بتاؤں ذرا کان ادھر لائیں۔ ہم خود افضل بھائی کو دیکھ کر اتنے خوش تھے کہ ہمارا بھی اچھلنے کو جی چاہ رہا تھا۔ مگر بہت مشکل سے خود پر صبر کئے ہوئے تھے۔ ایڈیٹر بھیا ایک ماہر کمپیئر کی طرح کمپیئرنگ کر رہے تھے اور میں ان کا معاون تھا۔ یہ ایک اور اعزاز کی بات تھی۔

پھر نثار بٹ صاحب نے کہا کہ جب مسلمانوں کی شادی ہوتی ہے تو اتنے اچھے رسم و رواج ہوتے ہیں مگر جب ہندوؤں کی شادی ہوتی ہے تو عجیب سے منتر پڑھتے ہیں جن کی سمجھ کچھ نہیں آتی۔ ذرا ملاحظہ فرمایئے منتروں کی آواز۔

انہوں نے ایک ماہر پنڈت کی طرح ہندوؤں کی آوازیں نکالیں۔ ہمارا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔ پھر انہوں نے اپنا ایک اور مظاہرہ پیش کیا۔ ایک شخص نے رات کے تقریباً 2 بجے ریڈیو چلایا تو اس وقت دنیا بھر کے ریڈیوز کی آوازیں مکس ہو رہی ہوتی ہیں۔ انہوں نے بڑی خوبی سے یہ کام بھی کر دکھایا۔ پھر انہوں نے اپنے متعلق بتایا کہ میں پرائمری تک پڑھا ہوا ہوں۔ اس وقت ماسٹر صاحب عجیب طریقے سے پڑھاتے تھے۔ مثلاً جیسا کہ یہ:

ماسٹر صاحب: م 'ر' مر

میں: م 'ر' مر

ماسٹر صاحب: غ 'ا' غا

میں: غ 'ا' غا

ماسٹر صاحب: م 'ر' مر 'غ 'ا' غا' پڑھ کر لکھ۔

اس پر ہم سب ہنس پڑے۔ پھر انہوں نے بچوں کو نصیحت کی کہ یہ تعلیم بہت اعلیٰ چیز ہے اور سب کچھ تعلیم ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ فرض کریں کہ یہ نواز شریف جو وزیر اعظم ہے یہ تعلیم کی بدولت ہے۔ جسمانی طاقت کی بدولت نہیں۔ اگر جسمانی طاقت ہی سب کچھ ہوتی تو جھارا یا بھولو پہلوان یہاں کا وزیر اعظم ہوتا۔ لہٰذا آپ بھی دل لگا کر تعلیم حاصل کریں۔

اب عدالت کی باقاعدہ کارروائی شروع ہوئی۔ بچوں نے بڑی محبت سے سوالات سے افضل خان کو گھیرنا شروع کیا۔

○ ..... سوال - - محمد انیس نے سوال کیا کہ آپ کا وائپر کہاں ہے؟

☆ ..... ریمبو - - پہلے مسکرائے اور پھر جواب دیا کہ اسلام آباد ٹی وی والوں نے اسے قومی تحویل میں لے لیا ہے۔

○ ..... سوال - - سدرہ آصف یہ چاہ میراں سے آئی تھیں نے پوچھا آپ کو اتنی عزت اور شہرت ملی، اس کا شکریہ کس طرح ادا کرتے ہیں؟

☆ ..... افضل - - میں روزباقاعدگی سے 5 وقت نماز پڑھتا ہوں اور نماز کے بعد دعا کرتا ہوں اور خدا کا شکر بھی ادا کرتا ہوں کہ اس نے اتنی عزت دی ..... میرا یقین ہے کہ یہ سب مجھے

آٹوگراف ریمبو نے پھول بچوں کے لئے دیئے۔

اللہ کے فضل اور نماز کی باقاعدگی کے باعث ہی ملی ہے۔

○ ..... سوال - - سدرہ عاصمہ نے سوال کیا آپ کی جیراں کہاں ہے؟

☆ ..... افضل - - ہائے ہائے ..... ڈھونڈنی پڑے گی ..... (قہقہے)

○ ..... سوال - - مریم جہانگیر یہ ماڈل ٹاؤن میں رہتی ہیں انہوں نے سوال کیا کہ آپ نے صفائی والا کردار کیوں کیا اور کوئی ڈھنگ کا کام نہیں تھا؟

☆ ..... افضل - - آپ کو معلوم ہے کہ صفائی نصف ایمان ہے۔ اس لئے شوق سے کیا۔

ان کے جواب پر سب نے تالیاں بجائیں۔

○ ..... سوال - - عمیر عباس نے سوال کیا (یہ سمن آباد میں رہتے ہیں) انہوں نے پوچھا کہ آپ کو اپنا نام ریمبو پسند ہے یا افضل؟

☆ ..... افضل - - ماں باپ نے افضل رکھا تھا اور لوگوں نے محبت سے ریمبو بنا دیا۔ اب یہی پہچان بن گیا ہے، یہی مجھے پسند ہے۔

○ ..... سوال - - عرفان نے سوال کی بجائے فرمائش کی۔ ریمبو کا ایکشن کریں۔

☆ ..... افضل - - (مسکراتے ہوئے) یہ سوال ہے، پھر انہوں نے ایکشن کیا کہ "مائی نیم از ریمبو ریمبو۔ سر جی آپ مجھے نہیں جانتے؟" ساتھ ہی نثار بٹ صاحب بولے "نہیں" اور سب مسکرانے لگے۔ پھر انہوں نے بالوں کو پھونک ماری "کاکروچ کلر + ایول کلر" .....

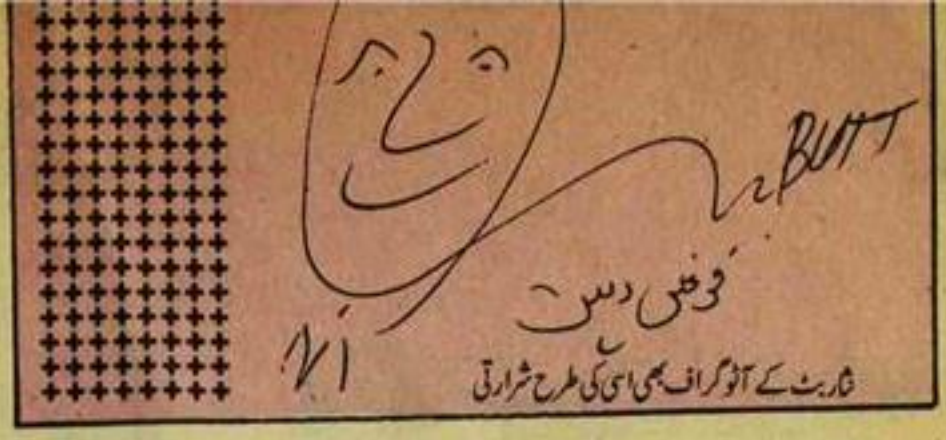

○ ..... سوال - - حمیرا جو لاہور سکول سے آئیں تھیں انہوں نے سوال کیا کہ انکل فرض کریں کہ آپ اکیلے جا رہے ہیں اور ڈاکو آ گئے تو آپ کیا کہیں گے چیچو چیچو ؟

☆ ..... افضل بھائی پہلے ہنسے پھر بولے۔ آج سے پہلے تو ایسا نہیں ہوا۔ اگر کبھی ہو گا تو پھونک مار دوں گا۔

پھونک مارنے سے یاد آیا کہ میرا ایک دوست بالکل ریمبو بننے کی کوشش کرتا تھا۔ ایک دن اس نے شیشے کے سامنے بیٹھ کر اپنے بال ریمبو کے انداز میں بنانے کی کوشش کی اور جب پھونک ماری تو کٹے ہوئے بال اس کی آنکھوں میں پڑے اور پھر ظاہر ہے کہ وہ چیخا تو ہو گا ہی..... ویسے آپ ایسی کوشش نہ کیجئے گا۔

○ ..... سوال - - عادل ذیشان جو ریواز گارڈن سے تشریف لائے تھے انہوں نے پوچھا۔ آپ نے اداکاری میں اصلی ریمبو کی نقل کی تھی۔ نقل کرنا کیا یہ اچھی بات ہے؟

☆ ..... افضل - - اس اصلی والے ریمبو نے معاشرے میں قتل و غارت پھیلائی اور میں نے اچھائی پھیلائی۔ دیکھیں کتنا فرق ہے۔ پھر صورت حال یہ ہے کہ تین چار قسطوں تک تو مجھے اس ریمبو کے نام کا فائدہ ہوا۔ پھر میری اپنی شناخت اور سٹائل بن گیا۔

اس جواب پر ہال ایک دفعہ پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔

○ ..... سوال - - محمد انور خان جو گلشن علی کالونی میں رہتے ہیں اور گلگت سے آئے تھے۔ انہوں نے سوال کیا۔ آپ کو گھر میں سب سے زیادہ پیار کون کرتا ہے؟

☆ ..... افضل - - میری ماں!

○ ..... سوال - - فرخ مختار جو لاہور کینٹ سے آئے تھے۔ انہوں نے سوال کیا کہ آپ بڑے ہو کر کیا بنیں گے؟ اس پر سارا ہال مسکرا اٹھا۔

☆ ..... افضل - - (مسکراتے ہوئے) اس سے بڑا کیا ہوؤں گا۔

○ ..... سوال - - محمد علی خان جو گاؤں تھٹر بیدیاں سے آئے تھے۔ انہوں نے سوال کیا کہ آپ کو بچپن میں سب سے زیادہ مار کس بات پر پڑتی تھی؟

☆ ..... افضل - - ہوم ورک نہ کرنے سے۔

○ ..... سوال - - ایک لڑکے شیراز نے سوال کیا کہ انکل آپ کو کھیل کون سا پسند ہے؟

☆ ..... افضل - - ڈرامہ گیسٹ ہاؤس اور اس کے بعد ہاکی (وہ مسکرائے)

○ ..... سوال - - شازیہ جو پھول کی آرٹسٹ ہیں انہوں نے بتایا کہ ایک بچی غالباً نوید یا ناہید نے فیصل آباد سے فون پر سوال پوچھا ہے کہ آپ نے اصل ریمبو کی شکل کا کتنا فائدہ اٹھایا؟

☆ ..... افضل - - شروع میں پچاس فیصد۔ پھر میں نے اتنی اچھی اداکاری کی کہ مجھے نمبر 1 اور اصل کو نمبر 2 ریمبو کہا جانے لگا۔ مجھے بیرون ملک سے بھی خط آئے تھے کہ آپ پاکستانی ریمبو ہیں۔

میرا لکھتے لکھتے ہاتھ شل ہو چکا تھا مگر میں اپنا ہاتھ روک بھی نہیں سکتا تھا۔ سب صوفے بچوں سے بھرے ہوئے تھے۔ کچھ تو فرش پر بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ بچوں کے والدین ایک دوسرے کمرے میں تھے اور باری باری دروازے سے جھانک رہے تھے۔ چند لمحوں کے لئے خاموشی چھائی تو میں نے اپنا ہاتھ روک دیا مگر فوراً ایک بچہ اٹھا۔

○ ..... سوال - - اس کا نام عدنان تھا اس نے سوال کیا کہ ہر انسان کی زندگی کا مقصد ہوتا ہے..... آپ کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟

☆ ..... افضل - - وہ مسکرائے اور پھر بولے کہ میری زندگی کا مقصد لوگوں سے محبت کرنا ہے اور لوگوں کے دکھ دور کرنا ہے تاکہ ناانصافی اور ظلم ختم ہو۔

○ ..... سوال - - ایک بچے نے جو بالکل ننھا منا سا معلوم ہوتا تھا فوراً اٹھا اور بولا کہ انکل آپ بچوں کو نصیحت کریں؟

☆ ..... افضل - - جو کام کریں محنت اور لگن سے کریں۔ آپ جو کام بھی محنت اور لگن سے کریں گے وہ ضرور پورا ہو گا۔ یہ میرا ایمان ہے۔

○ ..... سوال - - حمیرا جو لاہور سکول سے اپنی فرینڈز کے ساتھ آئی تھیں۔ انہوں نے سوال کیا کہ جنگ اخبار میں جب آپ کا انٹرویو آیا تھا تو اس میں آپ نے کہا تھا کہ آخری قسط میں آپ کی شادی ہو جائے گی مگر نہیں ہوئی۔ آپ نے ہم سے جھوٹ کیوں بولا؟

سب بچے تالیاں بجانے لگے۔

☆ ..... افضل - - یہ پروڈیوسر سے پوچھیں انہوں نے جیراں کو میرے خیالات میں ہی

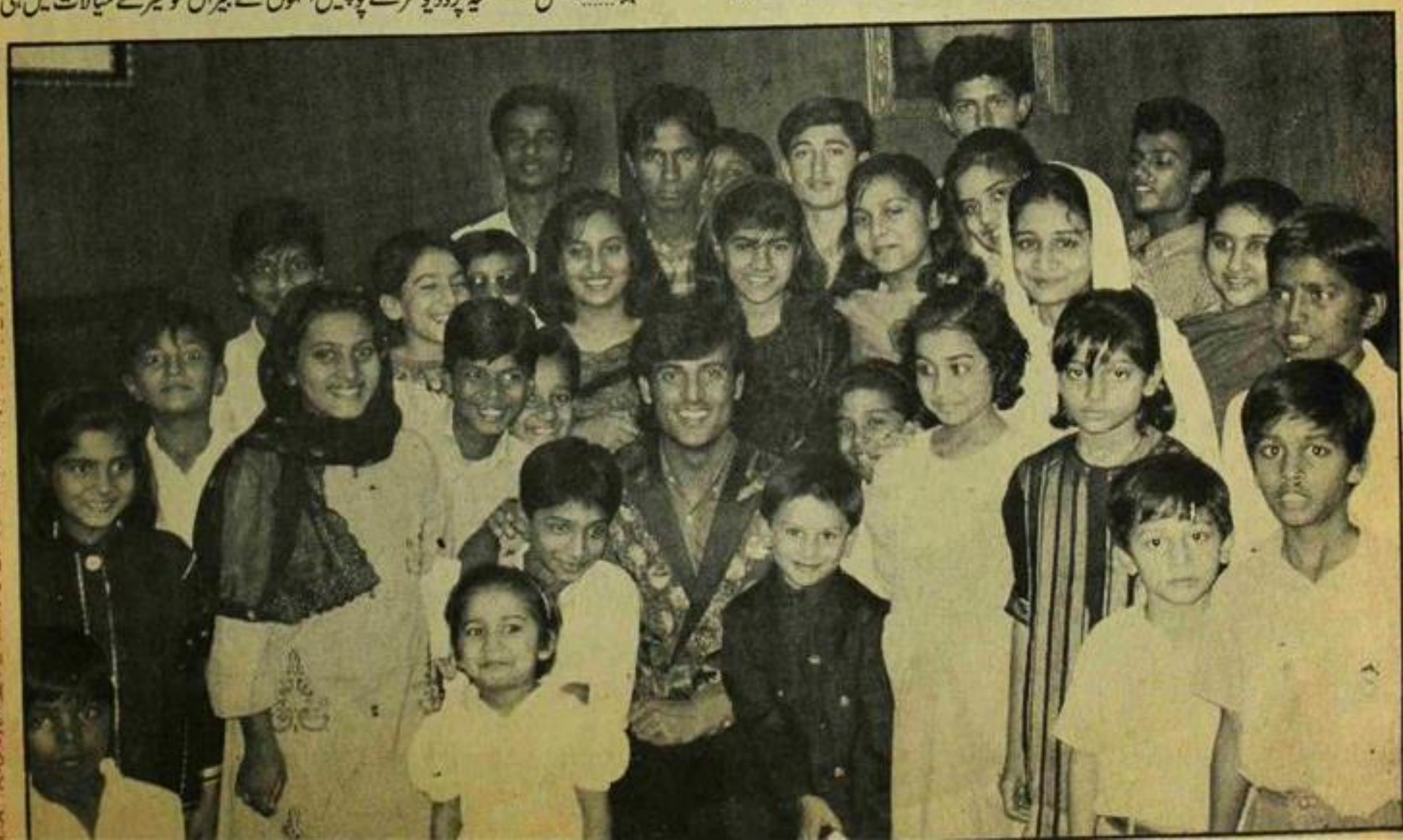

دکھایا تھا۔ یہ میرے ساتھ بھی دھوکا ہوا ہے۔

○ ..... سوال - - عفیفہ رانا نے پوچھا کہ آپ کو یہ لفظ (چیچو چیچو) کسی نے بتایا تھا؟

☆ ..... افضل - - یہ چند قسطوں کے بعد مجھے حامد رانا صاحب نے بتایا تھا۔

○ ..... سوال - - محمد جبران نے فوراً اٹھ کر سوال کیا کہ آپ کس فلم ایکٹریس کے ساتھ کام کیا کریں گے۔

اس سوال پر سارا ہال ہی ہنسنے لگا۔ ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑ رہا تھا۔ ایڈیٹر بھیا فوراً بولے۔ "جبران میاں! یہ بچوں والا سوال نہیں ہے۔ پھر انہوں نے بچے سے پوچھا بھئی آپ کو اس میں کیا دلچسپی ہے؟

سب بچے سوالات پہ سوالات کر رہے تھے اور میرے ذہن میں بھی ایک سوال تھا اور اور وہ کافی دیر سے دماغ میں کھٹک رہا تھا۔ میں نے ایڈیٹر بھیا کو اشارہ کیا تو انہوں نے بلند آواز سے کہا کہ احسن بھی ایک سوال کرنا چاہ رہے ہیں۔ میں نے کہا انکل ہوتا یہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے اچھی اداکاری کی اور بہت نام کمایا اور وہ پھر بڑے برے کاموں میں پڑ گئے۔ یعنی شراب اور نشہ وغیرہ۔ ہم آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ میں قوم کے سب پھول بچوں کی طرف سے آپ سے التجا کرتا ہوں کہ کہیں آپ ایسا کام نہ کیجئے گا کہ جس کے باعث آپ کو پسند کرنے والوں کو دکھ ہو۔ آپ ہم سے وعدہ کریں۔

سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا اور ایڈیٹر بھیا بولے "بہت اچھے، گڈ! بہت عمدہ بات ہے۔"

پھول کا دفتر تو بڑا پر رونق ہے

☆ ..... افضل - - (افضل صاحب چند لمحوں تک مسکرائے اور پھر بولے) انشاء اللہ میری طرف سے اس طرح کی کوئی بات نہیں ہوگی اور میں وعدہ کرتا ہوں اللہ نے مجھے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ آئندہ بھی محفوظ رکھے گا۔

نثار بٹ صاحب جو چپ بیٹھے تھے بولے کہ پاکستان فلم انڈسٹری میں بہت سے ایسے اداکار آئے کہ انہوں نے بہت نام کمایا۔ مثلاً منور ظریف صاحب، اکمل صاحب، شاہد اور کئی لوگ جوان کاموں میں پڑ گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نماز ہی نہیں پڑھتے تھے۔ ان سے یہ وعدہ لینا چاہئے کہ یہ کبھی نماز نہیں چھوڑیں گے کیونکہ جو نماز چھوڑ دیتا ہے برے کاموں میں پڑ جاتا ہے۔

ایک دفعہ پھر تالیاں بجیں۔ اس کے بعد ایک بچی نے سوال کیا۔ جس کا نام مدیحہ طارق تھا اور وہ جیل روڈ سے آئی تھیں۔

○ ..... سوال - - اگر آپ کو ایک دن کے لئے وزیر اعظم بنا دیا جائے تو آپ کیا اداکاری چھوڑ دیں گے؟ ایڈیٹر بھیا بولے "چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ بذات خود ایک اداکاری کا کام ہے۔

☆ ..... افضل - - بالکل ..... بالکل میرا جواب بھی یہی سمجھیں۔

○ ..... سوال - - ایک بچی جس کا نام ندا تھا اور وہ اقبال ٹاؤن سے آئی تھی۔ اس نے سوال کیا کہ بچپن میں کبھی بہت مار پڑی؟

☆ ..... افضل - - اتنی زیادہ مار ہی نہیں پڑی۔

○ ..... سوال - - اذن سمیع (نسبت روڈ) نے سوال کیا کہ انکل میں فوج میں جاؤں گا۔ آپ کیوں نہیں فوج میں گئے۔ اس پر بھی خوب قہقہہ پڑا اور افضل خان جواب سوچتے ہی رہ گئے۔

○ ..... سوال - - (ایک بچی) اگر آپ کی شادی ہو جائے تو بیوی اداکارہ ہوگی؟

سارا ہال قہقہے لگانے لگا۔

☆ ..... افضل - - (مسکراتے ہوئے) ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ جب آئے گا تو سوچیں گے۔ ویسے یہ طے ہے کہ وہ اداکارہ نہیں ہوگی۔

ایڈیٹر بھیا بولے بھئی بہت سوال ہو گئے اب ذرا نثار بٹ صاحب کے کچھ آئٹمز بھی سن لیتے ہیں۔

نثار بٹ صاحب نے پرانے زمانے کے گانوں، سازوں اور طرزوں کی نقلیں اتاریں۔ انہوں نے گانے کی نقل اتاری اور ہم بھی بچوں کے ساتھ مسکرانے لگے۔ وہ گاتے جاتے تھے، منہ سے ساز بجاتے جاتے تھے۔

اس ساز و آواز کے بعد مہمانوں میں جوس اور بسکٹ تقسیم کئے گئے۔ بھیا نے جب ایک جوس مجھے دیا تو میں اس وقت لکھنے میں مصروف تھا۔ میں نے کہا کہ انکل اس وقت مجھے کھانے سے زیادہ اپنے کام کی فکر ہے۔ انہوں نے افضل خان کو جوس دے دیا ..... پھر انہوں نے بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ عام طور پر ایسے شوز میں بچوں کو دور رکھا جاتا ہے اور بے چارے دور دور سے تالیاں بجاتے رہتے ہیں۔ لیکن ہم نے آپ کو ایسے دوستانہ ماحول میں ریمبو سے ملایا ہے جیسے وہ گھر کا فرد ہو۔ اس پر ریمبو اور بچوں نے شکریہ ادا کیا۔

اس کے بعد تو بچوں کا سیلاب امڈ آیا۔ افضل خان سے آٹوگراف لئے۔ ایڈیٹر بھیا اٹھ گئے اور میں نیچے دب گیا۔ جگہ تنگ پڑ گئی، لڑکیاں اپنی نوکدار ایڑھی کے نیچے میرا پیر کچلتے ہوئے گزر رہی تھیں اور میں خود پر قابو کئے رہا۔

پھر تصاویر اتاری گئیں اور میں نے ریمبو سے سوال کیا کہ آپ کو بچوں میں کیسا لگتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں بچوں میں بہت خوش رہتا ہوں۔ بچے افضل خان کے ساتھ تصویریں کھنچوا کر بہت خوش تھے۔ ایڈیٹر بھیا نے افضل خان کو تحفے پیش کئے۔ جنہیں انہوں نے خوشی سے قبول کیا۔ تحائف میں سید قطب کی تفسیر فی ظلال القرآن، ام کلثوم کی کتاب ہو سیدنا اور جیلانی بی اے کے افسانوں کی کتاب آذان شامل تھے۔ ان تحائف کے لئے البدر پبلی کیشنز کے جناب عبدالحفیظ احمد نے تعاون کیا تھا ..... اس کے بعد ریمبو کو دفتر "پھول" لے جایا گیا اور کئی تصاویر بنیں ..... ریمبو نے وہاں پھول کے شمارے بھی دیکھے اور ان کی بہت تعریف کی۔

ریمبو نے کہا "پھول" بچوں کی تفریح اور تربیت میں بہت اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اس لئے اسے دن دگنی اور رات چوگنی ترقی نصیب ہو رہی ہے۔ ریمبو کو جب رخصت کیا گیا تو میں نے بھی بڑے زور سے ہاتھ ملایا ..... گھر آتے ہوئے مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ریمبو واقعی سکرین سے نکل کر ہمارے پاس آیا تھا ..... مگر اس کے ہاتھوں اور باتوں کا لمس مجھے اس کے آنے کا یقین دلا رہا تھا اور یہ کمال "پھول" نے کر دکھایا تھا۔

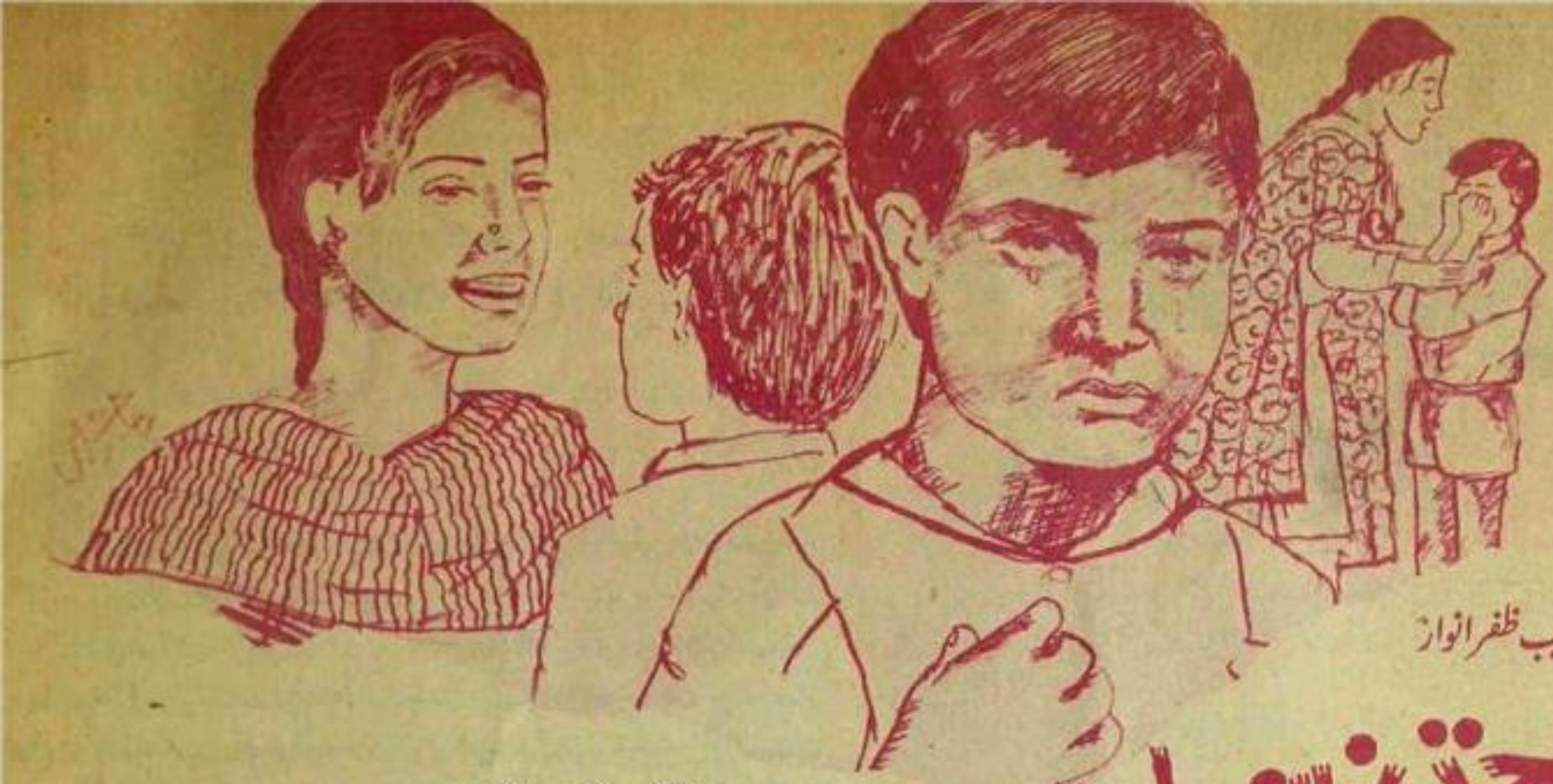

مجیب ظفر انوار

آج تو نہیں مارا؟

ننھا احمر سکول سے آیا تو چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ گالوں پر آنسو سوکھ جانے کے بعد لکیریں سی بن گئی تھیں۔ امی نے دیکھا تو بلبلا کر آگے بڑھیں! "میں قربان..... میرا لال میرا بچہ ..... کیا ہوا؟ کس نے مارا ہے میرے بچے کو؟"

ممتا کی بھرپور محبت ملی تو احمر بلک بلک کر رونے لگا!

"امی جی..... امی جی....."

"بولو..... بولو..... میرے چاند!"

"امی مجھے ذیشان نے مارا ہے..... بہت مارا ہے....." احمر نے روتے ہوئے بتایا اور اپنی ننھی منی مٹھی سے آنکھیں رگڑنے مسلنے لگا۔

"ارے کیوں؟ کیوں مارا ہے؟ اس نے کیوں مارا ہے تمہیں؟" امی کو غصہ آگیا۔

"امی اس نے مجھ سے بینھ کی کاپی مانگی کہ ہوم ورک نقل کرنا ہے مگر میں نے منع کر دیا کہ مس ڈانٹیں گی۔"

"وہ کل سکول نہیں آیا تھا؟"

"جی نہیں امی جی!" احمر ہچکی لے کر بولا۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی' دوسری کلاس کا بچہ اور اتنا بدمعاش اور ایسا ہاتھ چھوٹ..... ایسے ہتھ چھوٹ بچے کیا خاک پڑھیں گے؟ پڑھ ہی نہیں سکتے!"

احمر بسورتا رہا۔ روتا رہا۔ ٹھنکتا رہا۔ امی نے بڑی مشکل سے اسے چپ کرایا۔ کھانا کھلایا۔ خیر پھر اگلے دن ابو جی نے جا کر پرنسپل صاحبہ سے بات کی اور ذیشان کو خوب ڈانٹ پڑی۔

بات آئی گئی ہو گئی۔ لیکن ایک ہفتے بعد احمر پھر بری طرح روتا ہوا گھر آیا کہ فرخ نے مارا ہے' میں اس کی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ ابو جی نے اگلے دن جا کر میڈم سے پھر بات کی۔

نتیجتہً فرخ میاں کو ڈانٹ پڑی اور ریڈ سٹار بھی واپس لے لیا گیا۔ میڈم نے کہا کہ جو بچہ بھی پہلے آئے گا وہ آگے ہی بیٹھے گا۔ فرخ ذرا سا منہ زور بھی تھا۔ میڈم نے پھر اس کے ابو کو بلوا لیا۔ یوں یہ بات بھی ختم ہو گئی۔ فرخ اور احمر میں دوستی بھی ہو گئی۔

کچھ دنوں بعد پھر احمر میاں منہ لٹکائے آنسو بہاتے سکول سے آئے کہ انٹرویل میں حنا نے میرا بن کباب چھین کر کھا لیا۔ اب تو امی کو غصہ آگیا احمر پر۔

بولیں! "کیوں کیا تمہارے ہاتھ پیر ٹوٹ گئے ہیں؟ معذور ہو گئے ہو جو روز مار کھا کر آجاتے ہو۔ ارے تمہاری کلاس کے بچے بھی سوچتے ہوں گے کہ یہ تو اللہ میاں کی گائے ہے اس کا کوئی پوچھنے گچھنے والا نہیں ہے' اسی لئے مارتے ہیں۔ تم کیوں پٹ لیتے ہو؟ کیوں خاموشی سے مار کھا لیتے ہو؟ اسی طرح ڈرتے رہے بیٹے تو ساری عمر بزدل ہی رہو گئے۔ سبھی تمہیں ڈرا ڈرا کر حق چھینتے رہیں گے۔ حوصلہ پیدا کرو بہادر بنو۔ ان لوگوں کا ہمت اور جرات سے مقابلہ کیا کرو کوئی زیادتی کرے تو ڈٹ جایا کرو۔ بس خود کبھی زیادتی نہ کرنا اگر تم امن چاہتے ہو سکون چاہتے ہو تو طاقت ور بھی بنو اور حوصلہ مند بھی۔ امی کی باتوں نے ننھے احمر میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی۔ پھر چار پانچ مہینے گذر گئے۔ سکول سے آتے ہی احمر امی کے گلے لگ جاتا۔ امی پوچھتیں! "آج میرے بیٹے کو کسی نے مارا تو نہیں؟" وہ معصومیت سے جواب دیتا! "نہیں امی جی..... آج تو نہیں مارا....." یہ سن کر امی کو ہنسی آجاتی!

قائد اعظم کی کہانیاں

قائداعظم محمد علی جناح 25 دسمبر 1876ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ جس مکان کو یہ عزت حاصل ہوئی اس کا نام وزیر مینشن ہے اور اب اسے قومی یادگار کے طور پر محفوظ کر دیا گیا ہے۔

قائداعظم کے والد صاحب محترم جناح پونجا چمڑے کی تجارت کرتے تھے۔ آپ کے بزرگ اپنے اصل وطن کاٹھیاواڑ سے ہجرت کر کے کراچی میں آباد ہو گئے تھے اور اپنے اچھے اخلاق اور تجارتی سوجھ بوجھ کی وجہ سے بہت عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

قائداعظم نے ابتدائی تعلیم کراچی میں بمبئی کے مدرسوں میں حاصل کی۔ اس سلسلے میں جن سکولوں کے نام سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں!

(1) ایم سی ایس سکول کراچی (2) سندھ مدرسہ (3) مدرسہ انجمن اسلام بمبئی

سندھ مدرسہ کے ریکارڈ نمبر 18851ء تا 1892ء کے مطابق آپ 14 جولائی 1887ء کو درجہ اول میں داخل ہوئے۔ آپ کی ذات خوجہ مسلمان اور پچھلی تعلیم درجہ چہارم گجراتی درجہ ہے اور اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے والدین نے آپ کو پہلے گجراتی زبان کی تعلیم دلوائی۔

اس سکول میں داخلہ لینے کے کچھ عرصہ بعد آپ بمبئی چلے گئے اور وہاں مدرسہ انجمن اسلام میں داخلہ لیا۔ اس مدرسے کے ریکارڈ میں آپ کی عمر 12 سال دو مہینے چار دن اور تاریخ پیدائش 20 اکتوبر 1875ء درج ہے۔ یہاں آپ نے درجہ اول میں داخلہ لیا اور درجہ پنجم تک تعلیم حاصل کی۔

8 مئی 1892ء کو پھر ایم سی ایس سکول نمبر 1 کراچی میں داخل ہوئے۔ ایک اور خاص بات یہ ہے کہ اس زمانے میں آپ نے اپنا نام محمد علی جناح بھائی لکھا ہے۔ اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ بچپن میں اس نام سے پکارے جاتے تھے۔

قائداعظمؒ نے میٹرک کا امتحان بمبئی یونیورسٹی سے پاس کیا اور پھر اپنے والد کے ایک انگریز دوست مسٹر فریڈرک کے مشورے کے مطابق اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے لندن چلے گئے۔

لندن میں آپ نے لنکن ان نامی درس گاہ میں داخلہ لیا۔ لندن کی اس درس گاہ کو آپ نے اس لئے پسند کیا۔ کہ اس کے دروازے پر دنیا کے بڑے آدمیوں کے نام لکھے تھے اور سب سے اوپر ہمارے آقا اور اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مبارک نام درج تھا۔ اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ بچپن سے ہی آپ کے دل میں اپنے مذہب اسلام کی بہت زیادہ عزت تھی۔

کھیل تماشوں کا شوق رکھنے والوں کے لئے لندن بہت دلکش جگہ ہے۔ ایسے لوگ وہاں جاتے ہیں۔

نمبر 1 یہ مدرسہ کراچی کے ایک انگریز کلکٹر کرنل پریڈی نے 1846ء میں قائم کیا تھا اور کچھ عرصہ بعد اس کا انتظام چرچ مشن سوسائٹی کے سپرد کر دیا تھا۔

تو اپنا زیادہ وقت ایسے ہی کاموں میں گزارتے تھے۔ اس زمانے میں بھی یہ شہر ایسا ہی تھا۔ لیکن قائداعظم اس قسم کے نوجوان نہ تھے۔ وہاں جا کر آپ نے پورے شوق اور توجہ سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے علاوہ ایک اور بہت ہی شاندار کام یہ کیا کہ اپنے وطن اور اپنی قوم کو آزادی دلانے کی کوششوں میں شریک ہو گئے۔

ان دنوں ایک بہت معزز ہندوستانی لیڈر دادا بھائی نوروجی لندن میں رہتے تھے اور اپنے وطن کو غلامی سے نجات دلانے کے لئے کوشش کر رہے تھے۔ قائداعظم ان سے ملے اور جی جان سے ان کے کاموں میں حصہ لینے لگے۔

1897ء میں آپ بیرسٹری کی ڈگری لے کر وطن لوٹے۔ پہلے کراچی اور پھر بمبئی میں وکالت شروع کی۔ بہترین قابلیت کی وجہ سے آپ کو اس پیشے میں بہت کامیابی حاصل ہوئی۔ آپ تین مہینے بمبئی کے پریذیڈنسی مجسٹریٹ بھی رہے۔ یہ عہدہ آپ کو مستقل طور پر قبول کر لینے کے لئے کہا گیا لیکن آپ نے منظور نہ کیا آزاد رہ کر وطن کی آزادی کی کوششوں میں شامل رہنا چاہتے تھے۔

1905ء میں آپ دادا بھائی نوروجی کے پرائیویٹ سیکرٹری مقرر ہوئے اور وطن کی آزادی کی جنگ میں اور بھی جوش و خروش سے حصہ لینے لگے۔

1909ء میں بمبئی میں شہر کے باشندوں نے آپ کو امپیریل کونسل کا ممبر چنا۔ اس کونسل میں جا کر آپ نے انگریز ممبروں سے کئی بار ٹکر لی اور اپنے ہم وطنوں کے لئے اچھے اچھے قانون منظور کرائے۔

بمبئی کے انگریز گورنر لارڈ ولنگٹن سے آپ کی جھڑپ تو ہماری تاریخ کا ایک شاندار واقعہ ہے۔ یہ صاحب ہندوستانیوں کو عزت کی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے آزادی کی جنگ لڑنے والوں کے تو بہت ہی خلاف تھے۔ قائداعظم لارڈ صاحب کی ان عادتوں سے خوب واقف تھے۔ اور چاہتے تھے کہ ان صاحب بہادر کو سبق سکھائیں۔

ولنگٹن صاحب ریٹائرڈ ہو کر ولایت جانے لگے تو ان کے خوشامدیوں نے بمبئی ٹاؤن ہال میں ان کی عزت بڑھانے کے لئے جلسہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ قائداعظم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ ٹاؤن ہال پہنچ گئے اور اس جلسے کو ناکام بنا دیا۔ اس کوشش میں آپ کی بیگم بھی شامل تھیں۔

بمبئی کے شہریوں نے اس شاندار کامیابی کی یادگار کے طور پر ایک بہت بڑا ہال تعمیر کرایا جس کا نام جناح ہال رکھا گیا۔ یہ ہال آج بھی اس نام سے پکارا جاتا ہے۔

شروع میں قائداعظم کانگرس میں شامل تھے اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے مل جل کر رہنے کو پسند کرتے تھے لیکن جب انہیں یقین ہو گیا کہ تنگ دل ہندو مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق دینے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں تو آپ 1913ء میں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور پھر ساری زندگی مسلم لیگ کو مضبوط بنانے کے لئے کوشش کرتے رہے۔ ویسے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ملانے کے لئے آپ کی کوششیں پھر بھی جاری رہیں۔

اس سلسلے میں آپ نے کچھ خاص باتیں ہندو لیڈروں کے سامنے رکھیں اور ان سے کہا کہ مسلمانوں کے یہ خاص حق مان لو تو دونوں قومیں عزت کی زندگی بسر کریں گی۔ ان باتوں کو آپ کے چودہ نکات کہا جاتا ہے۔ اگر ہندو لیڈران کو مان لیتے تو دونوں قومیں ان نقصانوں سے بچ جاتیں جو بعد میں لڑائی جھگڑوں کی صورت میں اٹھانے پڑے لیکن بدقسمتی سے ہندوؤں نے

ان باتوں کہ نہ مانا۔

1936ء میں آپ نے پورے ملک کا دورہ کیا اور مسلمانوں سے کہا کہ صوبوں کی قانون بنانے والی اسمبلیوں کے ممبروں کے چناؤ میں وہ مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنائیں۔ یہ دورہ بہت کامیاب رہا۔

1940ء میں آپ نے کل ہند مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کی۔ یہ اجلاس مارچ کے مہینے میں لاہور کے منٹو پارک میں ہوا تھا جسے اب اقبال پارک کہا جاتا ہے۔ اور جس میں اب مینار پاکستان تعمیر کیا گیا ہے۔ اس اجلاس میں قرارداد پاکستان منظور کی گئی۔ اس قرارداد میں یہ کہا گیا تھا کہ ہندوستان کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے انہیں مسلمانوں کو دے دیا جائے کہ وہ ان میں اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزاریں۔ ہندو اور انگریز یہ بات نہ مانتے تھے، لیکن قائداعظم نے آخر یہ بات منوالی۔ 1947ء میں پاکستان بن گیا قائداعظم اس کے پہلے گورنر جنرل بنے۔

اس زمانے کے انگریز وائسرائے ہند لارڈ مونٹ بیٹن کی خواہش تھی کہ انہیں بھارت اور پاکستان دونوں ملکوں کا گورنر جنرل بنایا جائے۔ یہ بات کانگرس کے ہندو لیڈروں نے تو مان لی لیکن قائداعظم نے اسے انکار کر دیا۔ فرمایا یہ بات ایک آزاد ملک کی شان کے خلاف ہے کہ کسی غیر ملک کا باشندہ اس کا گورنر جنرل ہو۔

پاکستان قائم ہو جانے کے بعد قائداعظم نے اس ملک کی ترقی اور حفاظت کے لئے دن رات کام کیا۔ سخت محنت کرنے کی وجہ سے آپ کی صحت خراب ہو گئی۔ ڈاکٹروں نے آپ کو مکمل آرام کا مشورہ دیا لیکن آپ نے اپنے ملک کو اپنی جان سے زیادہ قیمتی جانا۔ وہ بیماری کی حالت میں بھی برابر کام کرتے رہے۔

آخر 11 ستمبر 1948ء کو کراچی میں آپ اناللہ وانا علیہ 11 جون قائداعظم کو کراچی میں دفن کیا گیا۔ آپ کا مقبرہ بہت شاندار ہے۔ وہ اب ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں لیکن ان کا بنایا ہوا ملک پاکستان انشاءاللہ قیامت تک باقی رہے گا۔ اور ترقی کی راہوں میں برابر آگے بڑھتا جائے گا۔ یوں قائداعظم کا نام بھی قیامت تک زندہ رہے گا۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ اپنے پیارے وطن کی حفاظت اور ترقی کے لئے خوب محنت کریں اور سچے مسلمان بنیں!

شاہ فاروق اور قائداعظمؒ

خوشامد کرنا یا کسی کو بڑا جان کر خواہ مخواہ اس کے رعب میں آجانا بہت بڑی اخلاقی برائیاں ہیں۔ بہادر اور شریف لوگ ان لوگوں کا ادب ضرور کرتے ہیں جو ادب کرنے کے لائق ہوں۔ اس سلسلے میں وہ اس بات پر بھی غور نہیں کرتے کہ کوئی شخص امیر ہے یا غریب، اگر کسی کمزور اور غریب آدمی میں بھی کوئی خوبی ہوتی ہے تو اس کے ساتھ نہایت ادب سے بات کرتے ہیں لیکن وہ نہ کسی کی خوشامد کرتے ہیں اور نہ رعب میں آتے ہیں۔

ہمارے قائداعظمؒ شروع زندگی سے ان خوبیوں کے مالک تھے۔ خواہ کوئی شخص کتنا ہی امیر اور کتنے ہی بڑے عہدے کا کیوں نہ ہوتا آپ اس کے ساتھ اس طرح بات کرتے تھے کہ وہ آپ کو کم درجے کا خیال نہ کر سکے۔ اس سلسلے میں آپ کی زندگی کا یہ واقعہ بہت ہی شاندار ہے۔

1926ء کا ذکر ہے حضرت قائداعظم لندن سے وطن واپس آتے ہوئے مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں ایک دو دن کے لئے رکے۔ اس زمانے میں شاہ فاروق مصر کے بادشاہ تھے۔ شاہ نے حضرت قائداعظم کے مصر آنے کی بات سنی تو ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ یہ بات یقیناً بہت عزت کی سمجھی جاتی ہے کہ کوئی شخص کسی ملک کے بادشاہ سے ملاقات کرے، لیکن جب قائداعظم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے بالکل خوشی ظاہر نہ کی۔ نہ شاہ مصر سے ملاقات کے لئے جانے کی تیاری شروع کی۔

بات دراصل یہ تھی کہ شاہ فاروق نے آپ سے ملنے کی ویسے خواہش ظاہر کی تھی۔ باقاعدہ دعوت نامہ نہ بھیجا تھا اور قائداعظم اس بات کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے کہ باقاعدہ دعوت نامہ ملے بغیر بادشاہ سے ملاقات کرنے کے لئے شاہی محل پہنچ جائیں۔

مصر کی حکومت کے افسروں کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کے بادشاہ قائداعظم سے ملاقات کرنا چاہتا ہے اور قائداعظم باقاعدہ شاہی دعوت نامہ ملے بغیر بادشاہ سے ملنے کے لئے تیار نہیں تو انہوں نے اپنے طور پر قائداعظم کو اس بات پر آمدہ کرنا چاہا کہ وہ بادشاہ سے ملاقات کر لیں لیکن قائداعظم نے ان کی بات نہ ملی۔

بادشاہوں کی ضد اور غرور ساری دنیا میں مشہور ہے۔ وہ جو ارادہ کر لیں اسے پورا کر کے چھوڑتے ہیں اور ان کی خواہش ہوتی ہے ان کی بات ہر حالت میں اونچی رہے لیکن اس معاملے میں شاہ فاروق کو ہار ماننی پڑی۔ جب اسے یقین ہو گیا مسٹر جناح دعوت نامہ ملے بغیر ملنے نہ آئیں گے تو اس نے آپ کے نام باقاعدہ دعوت نامہ بھیجا اور اس کے بعد آپ نے اس سے ملاقات کی۔ یہ تھی ہمارے قائداعظم کی خودداری!

آزادی سے محبت

قوموں کے لئے سب سے بڑی گالی اور سب سے زیادہ بدنصیبی کی بات یہ ہے کہ وہ غلام بن جائیں، یعنی کوئی اور قوم ان پر حکومت کرنے لگے۔ اس لئے دنیا کی تمام شریف قومیں اپنی آزادی کو سب سے زیادہ قیمتی چیز خیال کرتی ہیں۔ وہ اپنے ہزاروں جوانوں کو لڑائی کے میدان میں کٹوا دیتی ہیں۔ اپنی بستیوں کو فوراً اجاڑ دیتی ہیں لیکن یہ پسند نہیں کرتیں کہ کوئی اور قوم ان کے ملک پر قبضہ کر کے انہیں غلام بنالے۔

ہمارے قائداعظم کو آزادی سے بہت پیار تھا۔ جب وہ پیدا ہوئے تھے ہمارے وطن پر جو اس زمانے میں ہندوستان کہلاتا تھا انگریزوں کی حکومت تھی اور اس بات سے سب غیرت مند ہندوستانی شرم محسوس کرتے تھے۔ یہ ایک آزادی پسند اور شریف ہندوستانی یہ چاہتا تھا کہ انگریزوں کو جلدی سے جلدی نکال دیا جائے اور ہمارے پیارا وطن آزاد ہو جائے۔

حضرت قائداعظم اس زمانے سے ہی آزادی کی فوج کے سپاہی بن گئے تھے جب وہ لندن میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ان دنوں بمبئی کے رہنے والے ایک پارسی جناب دادا بھائی نوروجی لندن میں رہتے تھے اور اپنے وطن کو آزاد کرانے کے لئے کوششیں کرتے رہتے تھے۔ قائداعظم بالکل نوجوانی کی عمر میں دادا بھائی کی کوششوں میں شریک ہو گئے تھے اور پھر آزادی تک اس جنگ میں شامل رہے تھے۔

اس کے بعد جب ہماری آزادی کی فوج کے بہادر سپاہیوں نے یہ جنگ جیت لی اور انگریزوں نے یہ ارادہ کر لیا کہ وہ اس ملک سے چلے جائیں گے تو حضرت قائداعظم کا کام کچھ اور بڑھ گیا کیونکہ انگریزوں کے علاوہ اب انہیں ان ہندو لیڈروں سے بھی جنگ لڑنی پڑ رہی تھی جو اس کوشش میں لگ گئے تھے کہ جب ملک آزاد ہو تو سارے اختیارات انہیں مل جائیں اور وہ اپنی مذہبی حکومت رام راج قائم کر لیں۔ اس حکومت کو وہ رام راج کہتے تھے۔

ان حضرت سے بچنے کے لئے قائداعظم اور آپ کے ساتھیوں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ملک کے جن صوبوں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے انہیں الگ کر کے ایک نیا ملک بنا دیا جائے جس کا نام پاکستان ہو۔

تنگ خیال ہندو اور انگریز چاہتے تھے قائداعظم پاکستان بنانے کا خیال چھوڑ دیں اور اپنا یہ مطلب حاصل کرنے کے لئے وہ مسلمانوں کو یہ کہہ کر ڈرا رہے تھے کہ اگر پاکستان بن بھی گیا تو

یہ نیا ملک زیادہ دن قائم نہ رہ سکے گا کیونکہ اس کی مالی حالت بہت کمزور ہوگی۔

بیان کیا جاتا ہے برطانیہ کا ایک مشہور اور بہت قابل اخبار نویس جس کا نام ہیورلی نکلس تھا قائداعظم سے ملنے کے لئے خاص طور پر ہندوستان آیا اور یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ پاکستان بنانے پر ضد کرنا مناسب بات نہیں کیونکہ اس نئے ملک میں نہ کوئلے کی کانیں ہونگی نہ لوہے کی اور نہ کوئی اور ایسی چیز جس سے اتنی آمدنی ہو سکے کہ حکومت کا کاروبار آسانی سے چلایا جاسکے۔ آپ کا ملک بہت غریب ہو گا۔

اس ملک کے محب وطن لوگ چاہتے تھے تعلیم کا ایسا اچھا انتظام کیا جائے کہ ہمارے بچے سائنس، ڈاکٹری، انجینئری اور دوسرے علم بھی پڑھ سکیں۔ اس مقصد کے لئے 1912ء میں مشہور آزادی پسند اور محب وطن ہندوستانی لیڈر مسٹر گوکھلے نے قانون بنانے والی مرکزی اسمبلی میں یہ تجویز پیش کی کہ ہندوستانی بچوں کے لئے اعلیٰ تعلیم کا جلد بندوبست کیا جائے۔

اس زمانے میں بڑے بڑے جاگیردار اور راجے نواب بھی انگریزوں کی طرح اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ اگر ملک میں تعلیم عام ہو گئی اور غریبوں کے بچے بھی بی اے ایم اے بن گئے تو وہ باغی بن جائیں گے۔

چنانچہ اسی خیال کی بنا پر ایک مسلمان رئیس نواب عبدالمجید نے مسٹر گوکھلے کی تجویز کی مخالفت کی۔ انہوں نے کہا "اگر تعلیم کو عام کر دیا گیا تو لوگوں کے دلوں میں بغاوت کے خیالات پیدا ہونگے اور وہ اپنے مذہب سے بھی پھر جائیں گے۔

خضرت قائداعظم بھی قانون بنانے والی اس اسمبلی کے ممبر تھے۔ انہوں نے نواب صاحب کی یہ بات سنی تو فرمایا۔

"جناب والا میں پوچھتا ہوں کیا تعلیم کا مطلب بغاوت پر اکسانا ہے۔ میں کہوں گا حکومت کے بنائے ہوئے قانون کو اچھا سمجھنا یا اچھا نہ سمجھنا اور اس کے بارے میں رائے دینا ہر شہری کا حق ہے۔ مجھے کہنے دیجئے کہ اس ملک میں پڑھے لکھے لوگوں سے زیادہ حکومت کا دوست کوئی نہیں۔ نوابوں اور جاگیرداروں کو چاہئے وہ مطلب پرست نہ بنیں اور نہ یہ کوشش کریں کہ غریب ہمیشہ ان سے دب کر رہیں، انہیں لوگوں کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو انہیں اپنے عہدوں سے الگ ہو جانا چاہئے"۔

یہ حضرت قائداعظم کی اس تقریر کے چند جملے ہیں اور انہی سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ ملک میں بسنے والے غریبوں کے کتنے دوست اور کیسے سچے خیر خواہ تھے۔ خدا ان پر رحمتیں نازل کرے۔ آمین۔ یقیناً یہ انہی کی تمنا کا پھل ہے کہ ہمارے پیارے وطن پاکستان میں تعلیمی اداروں کی تعداد انگریزوں کے زمانے کے مقابلے میں کئی سو گنا زیادہ ہے۔

حجام کی غلطی

زندگی گزارنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ صبح سے لیکر شام تک کے تمام کاموں کا وقت مقرر کر لیا جائے۔ یعنی یہ پروگرام بنا لیا جائے کہ کونسا کام کس وقت کرنا چاہئے۔ اور پھر اسی پروگرام پر پوری طرح عمل کیا جائے۔ ایسا کرنے والے کبھی ناکام نہیں ہوتے۔ بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

ہمارے قائداعظم اس طریقے پر پوری طرح عمل کرتے تھے۔ انہوں نے ہر کام کے لئے وقت مقرر کر رکھا تھا۔ اگر اس سلسلے میں ذرا سی گڑبڑ بھی ہو جاتی تھی تو آپ سخت ناراض ہوتے تھے۔ پھر یہی نہیں کہ خاص خاص کاموں کے لئے وقت مقرر تھا اور اس کی پابندی کرتے تھے بلکہ بالکل معمولی کاموں میں بھی وقت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ سنئے:

قائداعظم جس نائی سے حجامت بنوایا کرتے تھے اسے حکم دیا تھا۔ فلاں وقت ضرور کوٹھی پہنچ جاؤ، چنانچہ وہ اس حکم پر پوری طرح عمل کرتا تھا۔ جو وقت مقرر کیا تھا اس پر حاضر ہو جاتا تھا اور قائداعظم اس سے شیو بنوا لیتے تھے۔

یہ سلسلہ کافی عرصے سے اس طرح چل رہا تھا لیکن کرنا خدا کا کیا ہوا ایک دن نائی کسی قدر دیر سے قائداعظم کی کوٹھی پہنچا۔ آپ بے چینی سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی۔

نائی نے نہایت ادب سے بتایا۔ اس کام کی وجہ سے مجھے دیر ہو گئی۔ قائداعظم نے یہ بات تو مان لی کہ اس کام کے لئے نائی کا جانا ضروری تھا لیکن جب اس نے حجامت بنانے کے لئے کہا تو صاف انکار کر دیا۔ فرمایا:

"چونکہ تم دیر سے آئے ہو، وہ وقت گزر چکا ہے کہ واپس جاؤ۔ کل ٹھیک وقت پر آنا چنانچہ حجام حجامت بنائے بغیر لوٹ گیا اور پھر آپ نے دوسرے دن حجامت بنوائی۔

وطن کے لئے قربانی

یوں تو ہمارے قائداعظم کو اللہ پاک نے ہزاروں خوبیاں دی تھیں لیکن آپ کی اس خوبی کا اقرار تو آپ کے کٹر دشمن بھی کرتے تھے کہ آپ کو خریدا نہ جاسکتا تھا۔ یعنی یہ کسی صورت میں بھی ممکن نہ تھا کہ قائداعظم کسی بات کو ٹھیک نہ سمجھتے ہوں اور کوئی شخص آپ کو کسی طرح کا لالچ دے کر یا ڈرا دھمکا کر غلط کو ٹھیک کہلوا لے۔ آپ ہمیشہ وہی بات کہنے اور وہی کام کرتے تھے جسے انصاف کے مطابق سمجھتے تھے۔

ہندوؤں کے سب سے بڑے رہنما گاندھی جی اور کئی بڑے بڑے انگریزوں نے یہ بات لکھی ہے کہ جناح کو کسی قیمت پر بھی خریدا نہیں جاسکتا۔ اس سلسلے میں قائداعظم کی زندگی کا ایک واقعہ بہت ہی شاندار ہے:

یہ اس زمانے کی بات ہے جب ہندوستان کے لیڈروں اور حکومت برطانیہ کے درمیان اس ملک کی آزادی کے لئے بات چیت ہو رہی تھی۔ ہمارے قائداعظم اپنی طالب علمی کے زمانے سے اپنے وطن کو آزاد کرانے کی کوششوں میں شامل تھے اور اس سلسلے میں ایسی قابلیت اور ایسی بہادری سے کام کر رہے تھے کہ دشمن کی تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

یہ بات سب کو معلوم ہے قائداعظم نے انگریزوں کے ملک برطانیہ میں تعلیم حاصل کی تھی اور آپ کے رہنے سہنے کے طور طریقے انگریزوں جیسے ہی تھے۔ شاید اسی وجہ سے برطانیہ کے اس وقت کے وزیراعظم مسٹر ریمزے میکلڈانلڈ کے دل میں ہی خیال آیا کہ جناح کو آزادی کی جنگ لڑنے والوں سے الگ کر کے اپنا وفادار ساتھی بنایا جاسکتا ہے۔ اس زمانے میں ایک دو نہیں لاکھوں کروڑوں ہندوستانی انگریزوں کی نوکریاں کر رہے تھے اور وہ اس بات کو کسی قسم کی برائی خیال نہ کرتے تھے، چنانچہ ایک موقع پر وزیراعظم برطانیہ اور قائداعظم کی ملاقات ہوئی تو وزیراعظم نے کہا:

"مسٹر جناح! ہم تو خود اس بات کے لئے کوشش کر رہے ہیں کہ ہندوستان کے باشندوں کو حکومت کے زیادہ سے زیادہ اختیارات دے دیئے جائیں۔ اور ہمیں ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جنہیں گورنر بنایا جاسکے"۔ اس بات سے وزیراعظم برطانیہ کا مطلب قائداعظم کو گورنر بنانے کا لالچ دینا تھا۔

قائداعظم نے وزیراعظم برطانیہ کی یہ بات سنی تو فرمایا "معلوم ہوتا ہے جناب مجھے رشوت دینا چاہتے ہیں۔ لیکن میں آپ کے جال میں ہرگز نہ پھنسوں گا"۔

اس سلسلے میں یہ بات خاص طور پر بیان کرنے کے قابل ہے کہ مسٹر ریمزے میکلڈانلڈ نے کوئی ایسی بات ہرگز نہ کہی تھی جسے پورا نہ کیا جاسکتا اگر قائداعظم حکومت کا ساتھی بننا پسند کرتے تو وہ واقعی ہندوستان کے کسی صوبے کے گورنر بنا دیئے جاتے۔ خود قائداعظم اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے لیکن اتنا بڑا عہدہ ملنے کی امید کے باوجود آپ نے اپنے وطن کی خدمت کو سب باتوں سے زیادہ ضروری خیال کیا اور پہلے کی طرح آزادی حاصل کرنے کے لئے لڑتے رہے۔

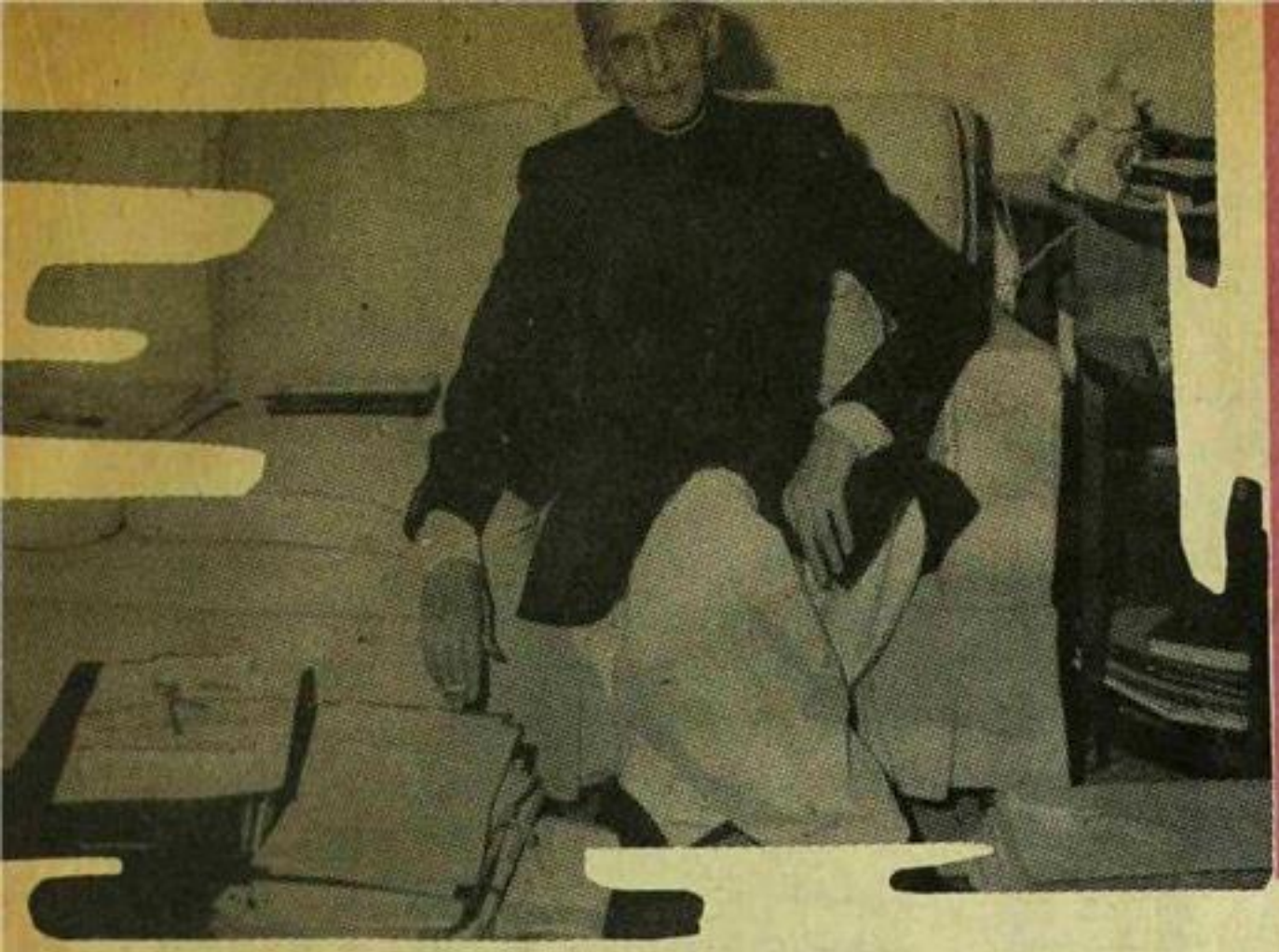

نیا وعدہ

محمد عارف انیس

میں نے شدید حیرانگی کے عالم میں پلکیں جھپکیں' ماتھے کو دونوں ہاتھوں سے مسلا' حتی کہ پھر بھی خواب ٹوٹتا دکھائی نہ دیا تو بازو پر ایک چٹکی بھری اور اس مرتبہ درد کی تیز لہر نے مجھے دیا کہ میں واقعی خواب نہیں دیکھ رہا تھا یہ نہ خواب تھا اور نہ سراب۔ سامنے دیوار پر لگی تصویر اب زندہ جاوید قائد میں بدل چکی تھی وہی بارعب انداز' شیروانی میں ملبوس اور ہاتھ میں ایک پتلی سی چھڑی جس کا وہ سہارا لئے ہوئے تھے' آنکھوں میں وہی عقابی چمک جو بڑے بڑے دشمنوں کو لرزا دیتی تھی۔ وہ واقعی قائداعظم ہی تھے۔ ہم سب کے بابائے قوم!

میں نے چور نگاہوں سے میز پر پڑی ان کی تصویر کو دیکھا اور تصویر کے سامنے جلتی ہوئی موم بتیوں کو بھی۔ وہاں 25 دسمبر کی تاریخ تھی' قائد کی سالگرہ تھی اور میرے محبوب قائد میرے سامنے تھے' لیکن میں' میں بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔ حالانکہ میں نے ہی کئی بار خلوص دل سے دعائیں مانگی تھیں کہ کاش میں قائداعظم کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی سعادت حاصل کر سکتا' اور اب جبکہ وہ سچ مچ میرے سامنے تھے میں نظریں چرا رہا تھا' میرے کندھے کسی انجانے بوجھ تلے دبے جا رہے تھے جبکہ پاؤں لڑکھڑا رہے تھے'

"اوپر میری طرف دیکھو" ایک تحکم آمیز بارعب آواز سنائی دی جس سے میرے کان اچھی طرح شناسا تھے۔

لیکن۔ لیکن میں اپنی قوم کے عظیم محسن سے کیسے آنکھیں ملا سکتا ہوں' میرے ذہن نے فوراً ایک بہانہ تراشا۔

"جھوٹ مت بولو وجہ کوئی اور ہے کہ تم کسی مجرم کی طرح آنکھیں جھکائے بیٹھے ہو' شاید مجھے یہاں دیکھ کر تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟ قائداعظم میز کی ایک طرف رکھی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"نن۔ نہیں۔ یہ بات تو نہیں ہے" میں نے سچ کی تلخی سے گھبرا کر ان کی جانب نگاہ اٹھائی لیکن قائد کی تیز نظروں کو خود میں پیوست پا کر دوبارہ جھکا لی میں۔

"خیر۔ ادھر آ کر بیٹھ جاؤ۔" ان کے چہرے پر شفقت بھری مسکراہٹ دوڑ گئی "آج میں اللہ تعالیٰ سے خصوصی اجازت لے کر پاکستان آیا ہوں' اپنے پاکستان میں' ان کے لہجے میں عاجزی کے ساتھ ساتھ فخر کا احساس بھی تھا۔ "میں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں کہ اسلام کے نظریئے کی بنیاد پر قائم ہونے والا ملک کس حال میں ہے۔ میرے جانشینوں نے میرا پیغام کہاں تک پہنچا دیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میرے ملک کا' میرے پاکستان کا ہر باشندہ کس طرح اپنا اپنا فرض سرانجام دے کر دھرتی کو سنوار رہا ہے۔ طالب علموں کو چونکہ میں اپنی سب سے قیمتی دولت سمجھتا ہوں اس لئے سب سے پہلے تمہارے پاس آیا ہوں تاکہ تم مجھے ہر شعبہ زندگی کے متعلق بتا سکو"

"لل۔ لیکن' میں کیا بتا سکتا ہوں بھلا؟" میرے سر پر جیسے کسی نے چٹان اٹھا کر پھینک دی تھی۔

"کیوں؟ کیوں نہیں بتلا سکتے؟" لہجے کی سختی نے مجھے لرزا دیا۔ دوسرے ہی لمحے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں روح کی صورت میں جسم سے باہر نکل آیا ہوں' ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے سارے گناہ دھل گئے ہوں اور میں ہلکا پھلکا ہو کر فضا میں تیرنے لگا ہوں۔

"میں جو کچھ پوچھوں گا تم بالکل سچ سچ بتاؤ گے" قائد کی آواز دوبارہ سنائی دی اور میں نے مودبانہ انداز میں سر جھکا دیا۔

"تم ایک طالب علم ہو' مجھے اپنی تعلیمی سرگرمیوں کے متعلق بتاؤ" قائد نے مجھے نرم آواز میں حکم دیا تو میں بے ساختہ بوکھلا اٹھا۔

"تت۔ تعلیمی سرگرمیاں۔ جی وہ آج کل دراصل ہم سٹرائیک پر ہیں" میں نہ چاہتے ہوئے بھی سچ بول گیا۔

"سٹرائیک' یعنی تم اپنے ہی ملک میں تعلیم کے خلاف بغاوت کر رہے ہو" قائد کی آواز غصے سے بھرا سی گئی "کیا تم مجھے وہ وجوہات بتانا پسند کرو گے جن کی وجہ سے تم سٹرائیک پر مجبور ہوئے"؟

"ظاہری وجوہات تو کچھ اور ہیں لیکن آپ نے سچ بولنے کیلئے حکم دیا ہے اس لئے اصل وجوہات بتائیے دیتا ہوں' اول تو یہ کہ ہم امتحانات ملتوی کرانا چاہتے ہیں اور دوئم اپنے ساتھی طالب علم کے قاتلوں کی گرفتاری ہمارا مقصد ہے" میں بولتا چلا گیا "اور سوئم یہ کہ آج کل ہم پڑھائی سے بڑے تنگ آئے ہوئے ہیں"

"امتحانات کا التواء قاتل کی گرفتاری' یعنی آج درسگاہیں قتل گاہیں بن چکی ہیں اور تم امتحانات محض اس لئے نہیں دینا چاہتے کہ تمہارا موڈ نہیں ہے جی نہیں چاہ رہا" قائد غصے سے پھٹ پڑے' "کیا تم میرا وہ خطاب بھول گئے ہو جس میں میں نے طلباء کو سیاست اور دیگر غیر صحت مندانہ سرگرمیوں سے قطع نظر خود کو صرف اور صرف حصول علم کیلئے وقف کر دینے کیلئے کہا تھا۔ مجھے تم لوگوں سے ہرگز یہ توقع نہیں تھی' جس قوم کے معمار تخریب کار بن جائیں' وہ قوم کبھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ افسوس۔ صد افسوس"

"لیکن۔ اس میں ہماری غلطی کے ساتھ ساتھ اساتذہ کا بھی تو قصور ہے" میں نے دلیل پیش کی اور دوسرے ہی لمحے ہم ایک درسگاہ میں ایک کمرے میں موجود تھے جس کے درمیان

میں رکھی کرسی پر ایک صاحب عینک پہنے فضا میں انگلیاں چلا رہے تھے۔

"ہیلو مائی ڈیئر ٹیچر تم کن سوچوں میں گم ہو" قائد نے سوال کیا

"جی! انہوں نے حیرت سے چونک کر ہماری طرف دیکھا۔ وہ سر میں حساب لگا رہا تھا کہ آج کے چالیس طالب علموں کو ملا کر ٹیوشن میں کل تعداد دو سو ہو گئی ہے"

ٹیوشن؟ قائد حیران کھڑے رہ گئے۔ "تو کیا تم نے تعلیم کو بیچنا شروع کر دیا ہے؟ سکول میں بچے پڑھنے نہیں آتے؟"

نہیں سر! آتے ہیں، لیکن اول تو سرکاری سکولوں کا معیار انتہائی گرا ہوا ہے دوم چھوٹی سی تنخواہ میں گزر ہی نہیں ہو پاتا۔ سرکاری سکولوں میں تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ خود ہم سب اساتذہ کے بچے اعلیٰ اور بہتر تعلیم کیلئے پرائیویٹ اداروں میں پڑھ رہے ہیں" استاد محترم نے دلیل پیش کی۔

"ہوں۔ تو کیا تم لوگوں نے کبھی سوچا کہ اس کم تر معیار کا سبب کون ہے؟ تم خود۔ اس لئے کہ اگر تم لوگ طلبہ کو ایمانداری سے پڑھاتے اور قناعت پسندی کا رویہ اپناتے تو آج تعلیم کا یہ حشر نہ ہوتا اور نہ ہی دور غلامی کی یادگاروں کو اویکت دی جاتی۔ اسی وجہ سے طلباء کے اندر سے اساتذہ کا احترام اٹھ چکا ہے۔ مجھے تم سے مل کر سخت افسوس ہوا ہے۔ جس قوم کی بنیادیں پانی پر کھڑی ہوں، وہ کب تک سنبھلے گی افسوس" قائد کے لہجے میں اتنی پریشانی تھی کہ میں خود پشیمان ہو گیا۔ چنانچہ ہم جلدی سے مدرسہ سے باہر نکل آئے۔ قائد کا رخ ایک کلینک کی طرف تھا جس میں ایک ڈاکٹر دونوں ہاتھوں سے ماتھا پکڑے بیٹھا تھا۔ "ہاں تو ڈاکٹر، تم اتنے اداس سے کیوں بیٹھے ہو"؟ قائد نے خوشگوار لہجے میں دریافت کیا۔

"سر۔ غضب ہو گیا بس ابھی تعلیم مکمل کی ہی تھی کہ دیہات جانے کے احکامات آ گئے۔ اب یہ سوچ رہا ہوں کہ ان آرڈرز کو کیسے ٹالا جائے" ڈاکٹر نے شدید پریشانی کے عالم میں جواب دیا۔

"لیکن کیوں؟ تم دیہات میں کیوں نہیں جانا چاہتے؟ قائد حیران ہو کر بولے۔

"سر۔ آپ خود غور فرمائیں۔ رات دن کی محنت اور لاکھوں روپے کے خرچ سے جو کچھ حاصل ہوا ہے اسے دیہات کے گرد و غبار اور گوبر ملی فضا میں اڑا دوں" ڈاکٹر تیزی سے بولا۔

"کیا؟ یعنی کہ تم اپنے ہی بھائیوں کو حقیر جان کر ان کے علاج سے گریز کر رہے ہو۔ انہیں غریب کہہ کر جھٹلا رہے ہو کیا تم میرا وہ خطاب بھول گئے ہو جس میں، میں نے کہا تھا کہ قوم کا ہر فرد دوسرے فرد کا خادم ہے۔ اور تم اپنے ہی بھائیوں سے اچھوتوں جیسا سلوک کر رہے ہو۔ کتنی شرمناک بات ہے جس قوم کے مسیحاؤں کا یہ حال ہو وہ کبھی سر اٹھا کر نہیں چل پاتی" قائد کے لہجے میں اتنی اداسی تھی کہ ہم فوراً کلینک سے نکلے اور ایک اعلیٰ آفیسر کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ جو انتہائی بگڑے ہوئے موڈ میں ہاتھوں پر مکے مار رہا تھا!

"مسٹر آفیسر۔ تم اتنے ناراض کیوں ہو؟ قائد کی آواز سنائی دی۔

"سر۔ آپ کی قوم بھی عجیب ہے" آفیسر نے تلملا کر جواب دیا۔ ہم سے یوں سلوک کرتی ہے جیسے ہم ان کے غلام ہوں۔ ہر آزمائش میں لوگ ہماری جانب ہی لپکتے ہیں۔ اب آپ ہی بتائیں اتنا زیادہ پڑھ لکھ کر ہم نے ان جاہل لوگوں سے متھا مارنا تھا؟"

ہوں! مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی ہے کہ تمہارا رویہ ابھی تک تبدیل نہیں ہوا جو دور غلامی میں انگریز نے عطا کیا تھا۔ تمہارا سلوک اب کالے انگریزوں والا ہے آخر کیوں؟ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ قوم کا حاکم قوم کا خادم ہوتا ہے جبکہ تم لوگ قوم سے خدمت کی توقع کرتے ہو۔ کتنی شرمناک بات ہے یہ" قائد نے افسر کو بھرپور جھاڑ پلائی اور ہم اس کے دفتر سے نکل کر ایک سیاست دان کی عظیم الشان کوٹھی میں داخل ہو گئے۔ انتہائی قیمتی کپڑوں میں ملبوس ضرورت سے زیادہ صحت مند ایک صاحب ناخوشگوار سا منہ بنائے تفکرات میں ڈوبے ہوئے تھے۔

"میاں سیاست دان کیا تم بھی قوم کی وجہ سے پریشان تو نہیں ہو"؟ قائد نے بڑے خوشگوار لہجے میں دریافت کیا

بھول بھلکڑ

آپ ساتھیوں نے اپنا مکمل پتا لکھا ہوتا تو اب تک پھول انعام آپ تک پہنچ بھی گیا ہوتا ..... ابھی بھی موقع ہے، فوراً سے پیشتر بھجوا دیں۔

ثمرہ ندیم رائے ونڈ، مجسم فاطمہ، گوجرانوالہ، فوزیہ ناہید ٹوبہ ٹیک سنگھ، جویریہ کوثر، نبیلہ ثقلین خانیوال، رینا بٹ جماعت نہم، سلمان مظہر لاہور، عابد گل ہری پور ہزارہ، افشاں غفور کراچی۔

اوہ۔ ہاں جی۔ ہاں جی، میں دراصل یہی سوچ رہا تھا کہ پچاس ساٹھ مربعہ زمین اور چند فیکٹریاں میرے نام الاٹ ہو جائیں تو پھر آرام سے بیٹھ کر قوم کی خدمت کرتا! سیاست دان نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"قوم کی خدمت میں زمین کا کیا حصہ ہے"؟ قائد نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اسی کا تو سب سے بڑا حصہ ہے جناب۔ آپ خود غور فرمائیں کہ اگر میرا مطالبہ پورا کر دیا جائے تو میں خوشحال ہو جاؤں گا اور فرد کے خوشحال ہونے سے قوم بھی خوشحال ہو جائے گی۔ ویسے بھی جو مزہ جاگیرداری میں ہے وہ صنعت کاری میں کہاں ہے؟"

"لیکن تم یہ سب کچھ کہاں سے حاصل کرو گے؟" قائد نے سوال کیا۔

"وہ جی۔ ہی ہی ہی" سیاست دان نے ہنستے ہوئے کہا۔ بات بتانے کی تو نہیں لیکن آپ کو انکار بھی نہیں کر سکتے ناں۔ میں یہ سب کچھ قوم کے پیسوں سے حاصل کروں گا۔

"خوب۔ بہت خوب۔ قائد اعظم گرجے۔ تو تم لوگوں نے سیاست کو بھی تجارت بنا لیا ہے۔ اپنی قوم کا پیٹ کاٹ کر اپنی دکان چمکا رہے ہو۔ کیا میں اپنی پوری زندگی میں تمہیں راہنما اصول بتا کر نہیں گیا؟ میں تمہیں سیاست کے تقدس سے آگاہ نہیں کرتا رہا۔ لیکن صد افسوس کہ تم لوگ محض میرے مزار پر فاتحہ پڑھ کر اور 25 دسمبر کو تقاریر کر کے سمجھتے ہو کہ تم نے میری جانشینی کا حق ادا کر دیا ہے" قائد کا لہجہ بھرا سا گیا تو مجھے سیاست دان پر سخت غصہ آیا اور ہم جلدی سے قدم اٹھاتے ہوئے کوٹھی سے باہر نکل آئے۔

میرے بچے میں بہت اداس ہوں۔ جن خوشگوار امیدوں کو ذہن میں بسائے میں اس پاک زمین میں آیا تھا وہ سب خاک میں مل گئیں۔ میری قوم کا ہر فرد میرے پیغام کو بھول کر اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اپنے ہی وطن کی جڑیں کاٹ رہا ہے۔ میں تو بڑے فخر سے آیا تھا اب واپس جا کر خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا؟" قائد نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"نہیں قائد۔ نہیں، میں بے ساختہ سسک پڑا۔ آپ ہم سب سے مایوس مت ہوں۔ میں پاکستان کی نوجوان نسل سے تعلق رکھتا ہوں اور ہم میں ابھی احساس زندہ ہے۔ ہم آپ کو وہ استاد، ڈاکٹر، صحافی، وکیل، افسر، سیاست دان، کسان، طالب علم، تاجر بن کر دکھائیں گے جو آپ کے خواب کی تعبیر ہیں۔ ہم صرف حقوق حاصل نہیں کریں گے بلکہ فرائض ادا کر کے دکھائیں گے۔ میرے عظیم قائد میں پاکستان کی نوجوان نسل کی جانب سے اپنے بھائیوں، اپنی بہنوں کی جانب سے عہد کرتا ہوں بلکہ تجدید عہد وفا کرتا ہوں۔ کہ ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے کہہ دیجئے گا کہ آئندہ نسل پاکستان کو اس کے وقار کے مطابق قائم و دائم رکھے گی۔ آپ پچاس برس بعد پھر آئیے گا اس وقت ہم آپ کو شرمندہ نہیں ہونے دیں گے۔ ہم اپنا عہد نبھا کر دم لیں گے۔ ہم آپ کی آنکھوں میں آنسو نہیں آنے دیں گے انشاء اللہ۔ شدت جذبات سے میں بری طرح رو رہا تھا۔ بابا۔ ہماری غلطیوں سے در گزر کر دیں بابا۔ ہماری خطاؤں کو معاف کر دیں بابا۔"

"میرے بچے مجھے کل بھی تم سے امید تھی اور آج بھی میری امیدوں کا مرکز تمہاری ہی ذات ہے۔ انشاء اللہ میں پھر آؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ دوبارہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گے۔ پاکستان کی نئی نسل مجھے مایوس نہیں کرے گی" قائد اعظم اٹھے۔ میری پیشانی پر بوسہ دیا اور دروازے کی جانب چل دیئے۔

خدا حافظ میرے بچے۔ انہوں نے ہاتھ اٹھایا۔ میری آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں نے قائد کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا مگر ان کی تصویر ابھی بھی مجھے زندہ آنکھوں سے پوچھ رہی تھی ۔(کہیں اس عہد کو بھول تو نہیں جاؤ گے!)

ایڈیٹری.....
ایک دن کی
واہ واہ
کیا تجربہ تھا

ایڈیٹری ایک دن کی ۔ جی ہاں یہی نام ہے اس منفرد سلسلے کا۔ جس میں ہم کسی پھول پڑھنے والے ساتھی کو ایک روز کیلئے دفتر آنے اور ایڈیٹر بننے کی دعوت دیا کریں گے۔
دسمبر کے مہمان کا تعلق صوبہ سندھ کے کسی شہر سے ہوگا۔ جو ساتھی خواہش مند ہوں فوراً رابطہ کریں۔ ممکن ہے 11 دسمبر بروز جمعہ کو پھول کے دفتر آنے والے خوش قسمت مہمان وہی ہوں۔

مہمان: عائشہ میر شاد باغ لاہور

میں اور میرے دو عدد بھائی پھول کے دفتر کی طرف جا رہے تھے تو میں سوچ رہی تھی کہ وہاں جا کر مزے ہی مزے ہوں گے۔ جو تحریر پسند آئے گی وہ ایک سائیڈ پر رکھ دوں گی اور جو نہ پسند آئی اس کے لڈو بنا بنا کر "ردی کی نوکری" کا پیٹ بھروں گی اور پھول میں چھپنے والی کہانیاں پہلے ہی پڑھ لوں گی۔ پھر سوچا "نہیں ایسے تو مزہ نہیں آئے گا" ہاں! میں بھائی کو مہمان ایڈیٹر کی سیٹ پر بٹھا کر خود رمان باجی سے گپ شپ کروں گی۔ آہا کتنا مزہ آئے گا۔ ابھی یہ سوچ ہی رہی تھی کہ محسوس ہوا کہ پیٹ میں چوہے سندھی 'بلوچی' پنجابی اور نہ جانے کون کون سے رقص کرنے میں مصروف ہیں۔ جلدی میں خالی پیٹ ہی گھر سے روانہ ہو گئے تھے۔ خیر پھر ایڈیٹر بننے کی خوشی میں سب کچھ بھول گئی۔ اگرچہ صرف چند گھنٹوں کے لئے میں ایڈیٹر بن رہی تھی۔ مگر پھر بھی یہ بات میرے لئے تو باعث مسرت تھی۔ اوپر سے پھول کا آفس دیکھنے کا اشتیاق تھا۔ ابھی میں یہی باتیں سوچ رہی تھی کہ ایک بورڈ پر میری نظر پڑی۔ جس پر "شاہراہ فاطمہ جناح" کے الفاظ درج ہیں۔ میں بے اختیار بآواز بلند کہہ اٹھی "ہرا پہنچ گئے" پھر خود ہی شرمندہ ہو گئی۔ کیونکہ بھائی میری طرف ایسے دیکھ رہے تھے جیسے میرے سر پر دو چار عدد سینگ آگ آئے ہوں۔ جی ہاں! میری حرکت واقعی ایسی تھی کہ اگر میرے بھائیوں کی جگہ آپ ہوتے تو آپ بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکتے۔ خیر اب آپ آگے پڑھیے۔ ہم تینوں پوچھتے پوچھتے پھول کے آفس پہنچ گئے۔ یہ مال روڈ پر چیئرنگ کراس کے قریب ہی واقع ہے۔ دفتر پہنچ کر مجھے عجیب سا ڈھول بجنے کی آواز آئی۔ دھک دھک دھک۔ جب غور کیا تو پتہ چلا کہ یہ تو میرا دل تھا' جو پکار پکار کر کہہ رہا تھا بی بی مرواؤ گی۔ پھر اندر چل کر میں تو رمان باجی کی طرف اور بھائی ایڈیٹر بھیا کی طرف گئے۔ علیک سلیک کیا۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ "بھائی یہ تو زیادتی ہے میرے دو بھائیوں میں سے ایک کو تو نعیم بھائی یعنی سب ایڈیٹر نعیم بلوچ صاحب کی طرف جانا چاہئے تھا۔ تو جناب وہ تو وہاں موجود ہی نہیں تھے۔ پھر مجھے وہ جگہ دکھائی گئی جہاں بیٹھ کر مجھے خطوط' لطائف وغیرہ منتخب کرنے تھے۔ جگہ تو اچھی تھی مگر کرسی..... چلیں چھوڑیں۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہی تھی۔ جی ہاں میں کہہ رہی تھی کہ مجھے وہ جگہ دکھائی گئی جہاں

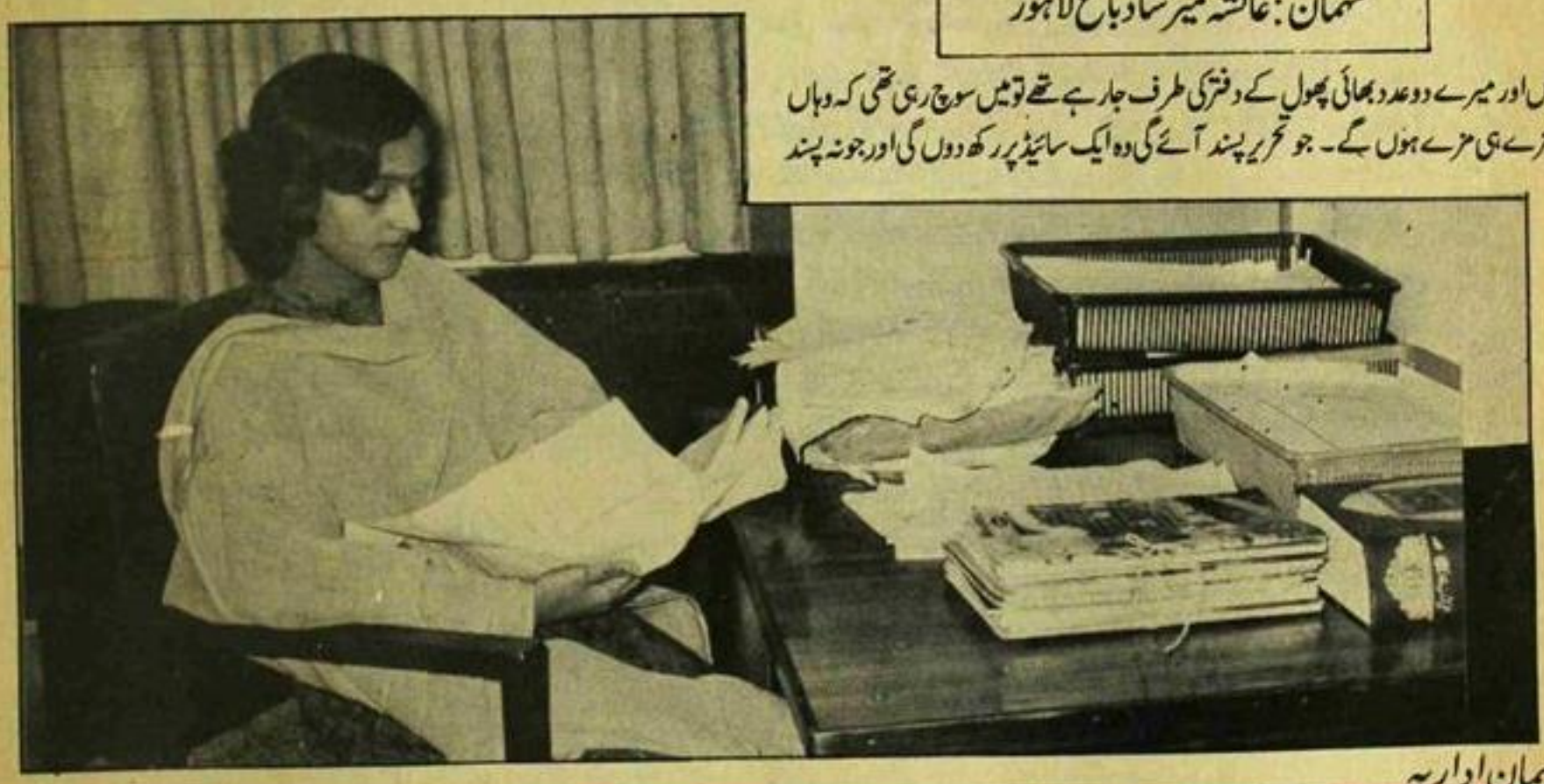

مہمان اداریہ

ایک دن سکول سے واپسی پر میں نے ایک لڑکے کو سگریٹ پیتے دیکھا جس کی عمر دس یا گیارہ برس ہو گی۔ میں اسے اتنی چھوٹی عمر میں سگریٹ پیتے دیکھ کر حیران ہو گئی۔ بھائی نے گاڑی روکی۔ میں اس کے قریب گئی اور سوچنے لگی کہ بات کس طرح شروع کروں پھر میں نے ہمت کی اور اس کا نام پوچھا مگر اس نے الٹا سوال کر دیا کہ آپ ہیں کون۔ میں یہ نوٹ کرتے ہوئے بولی کہ تم اتنی چھوٹی عمر میں سگریٹ کیوں پیتے ہو۔ وہ بولا جائیے بی بی اپنا کام کریں۔ میں نے سوچا کہ کہانیوں میں ایک آدھ لیکچر سے بڑے سے بڑا جرم ٹھیک ہو سکتا ہے۔ یہ تو پھر بچہ ہیں۔ کیوں نہ میں لیکچر دے دوں۔ یہ سوچ کر میں نے کہا تم پڑھتے کیوں نہیں تمہیں نہیں پتہ تعلیم کے بغیر انسان کچھ نہیں..... ابھی میں نے کہا تھا کہ وہ بولا سکول والوں کے چونچلے کون پورے کرے۔ اس پر میں نے حیرت سے پوچھا کیسے چونچلے۔ جواب میں اس نے کہا نئی نئی کاپیاں کتابیں یونیفارم اور پھر ہر ماہ فیس۔ یہ سن کر میں نے اسے مشورہ دیا کہ تم دن کے وقت محنت اور رات کے وقت پڑھائی کیا کرو۔ اس کے جواب میں وہ مسکراتا ہوا بولا لگتا ہے کہ آپ رسالے بہت پڑھتی ہیں۔ ایسا صرف کہانیوں میں ہوتا ہے۔ میں نے بھی پڑھائی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا کہ اگر تم کسی گورنمنٹ کے سکول ہی میں پڑھو تو بھی تعلیم حاصل کر سکتے ہو۔ اس پر وہ منہ بسورتے ہوئے بولا۔ اگر آپ نہیں جاتیں تو میں خود چلا جاتا ہوں۔ میں حیران پریشان اسے جاتے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اسے اس حال میں پہنچانے کا ذمہ دار کون ہے؟

مجھے بیٹھنا تھا۔ لیکن جب میرے سامنے ڈاک لائی گئی تو میرے ہوش بھوک کے ساتھ ہی اڑ گئے، آنکھیں تربوز سے بھی بڑی ہو گئیں۔ سر چکرا گیا اور نجانے کیا کیا ہوا؟ اللہ اللہ کر کے تحریریں پڑھنا شروع کیں۔ میرے سامنے کیا کیا کہانیاں آئیں، واہ واہ واہ۔ دل تو چاہتا تھا کہ لڈو بنا بنا کر پھینک دوں مگر پھر مجھے لکھنے والوں کا خیال آجاتا جو بے چارے بڑی امیدوں سے کہانیاں بھیجتے ہیں۔ ویسے ساتھیو! ایک بات ہے کہ ایڈیٹر بننے کے لئے اپنے دل سے رحم کو مکھن سے بال کی طرح نکال کر پھینک دینا چاہئے کیونکہ اگر جناب عزم ماب ایڈیٹر بھیا اختر عباس صاحب ہر کسی پر ترس کھانے بلکہ ترس پینے بیٹھ جائیں اور ہر کسی کی تحریریں شائع کرنا شروع کر دیں تو خدانخواستہ پھول بڑا مقبول کی بجائے غیر مقبول بن جائے۔ اس لئے میں آسان آسان چیزیں نکال کر پڑھ رہی تھی تاکہ مجھے پھاڑنے کا دکھ بھی نہ ہو اور جس کی تحریر ہو اسے صدمہ بھی نہ پہنچے۔ چند کہانیاں بھی پڑھیں مگر ہمت نہ ہوئی کہ کون سی کہانیوں کا انتخاب کروں اور کون سی کا تیا پانچہ۔ پھر نہایت شرافت سے کہانیاں واپس رکھ دیں۔ ایک خیال میرے ذہن میں بجلی کی طرح سے کوندا کہ کیوں نہ میں نامور لکھاریوں کی کہانیاں منتخب کر لوں اور باقی لوگوں کی کہانیوں کے لڈو اور گلاب جامنوں سے لاڈلی مس ردی کی نوکری کا منہ میٹھا کروادوں۔ لیکن پھر اس خیال کو ترک کر دیا

پھر ایڈیٹر بھیا نے مجھے لطائف والی فائل دے دی۔ جس کو لے کر میں بہت خوش ہوئی کیونکہ لطائف کا انتخاب کرنا اور پھاڑنا دونوں ہی آسان کام ہیں۔ کچھ لطائف منتخب کئے اور کچھ..... ارے یہ مت سمجھئے گا کہ پھاڑ دیئے بلکہ میں نے تو نہایت تمیز سے زمین پر رکھ دیئے۔ پھر نجانے کیا خیال آیا جتنے بھی نیچے پھینکے تھے بلکہ نیچے رکھے تھے بہت احترام سے اٹھائے اور بہت ادب سے پھاڑ کر دوبارہ زمین کے حوالے کر دیئے۔ وہاں مجھے ہلکی ہلکی سردی بھی محسوس ہو رہی تھی۔ مگر جب ایڈیٹر بھیا نے کہا کہ ایک اداریہ بھی لکھنا ہے تو میری اوپر کی سانس اوپر اور باقی کی سانس نیچے رہ گئی۔ پسینے چھوٹ گئے۔ کانوں میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔ ذہن میں کھچڑی سی پک گئی۔ مجھے بھوک لگی تھی لہٰذا کھچڑی کھالی۔ پھر تھوڑی دیر بعد میں سب بھول بھال گئی اور پریشانی ختم ہو گئی۔ بچوں کی بھیجی ہوئی تحریریں دیکھ کر احساس ہوا کہ سٹیشنری واقعی کافی مہنگی ہو گئی ہے۔ توبہ توبہ! اتنی کفایت شعاری سے کاغذ استعمال کیا تھا کہ کچھ نہ پوچھیں۔ ساتھیو! میری ایک بات دھیان سے سنیں۔ جو خط آپ لکھتے ہیں تاکہ ایڈیٹر بھیا آپ نے میری کہانی شائع نہیں کی۔ میرا لطیفہ نہیں چھپا وغیرہ وغیرہ۔ تو جناب یہ بات میری 2 گھنٹے میں ہی سمجھ آگئی تھی کہ ایڈیٹر بننا کوئی آسان کام نہیں۔ ویسے یہ ایڈیٹر بھیا کی ہمت ہے کہ مسلسل دو سال سے آپ کی عجیب و غریب کہانیاں اور کڑوے کسیلے خط برداشت کر رہے ہیں۔ ویسے بعض خط نہایت شریفانہ بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً:

پیارے ایڈیٹر بھیا!

یہ میرا بارھواں خط ہے۔ اس سے پہلے کوئی خط شائع نہیں ہوا، مگر میں نے ہمت نہیں ہاری۔ اگر یہ خط بھی شائع نہ ہوا تو کوئی بات نہیں۔ جب تک میری کاپیاں ویران نہیں ہو جاتیں خط لکھتا رہوں گا۔

آپ کا چھوٹا بھائی عادل

دیکھا کتنا شریفانہ خط تھا۔ اگر آپ بھی ایسے خط لکھیں جس میں ذرا سا جام، ذرا سا مکھن اور اگر ہو سکے تو تھوڑی سی مٹھاس لگی ہو تو خط انشاء اللہ ضرور شائع ہو گا۔ کیونکہ ایڈیٹر بھیا کو رس ملائی پسند ہے نا۔

کام کے دوران اختر بھائی نے ہمیں بوتلیں بھی پلائیں۔ چائے بھی آئی تھی مگر وہ بھائی کے حصے میں آئی..... جتنی دیر پھول کے دفتر میں رہے ڈاک بھی دو تین بار آئی اور مہمان بھی..... کچھ ملنے والے کچھ تحریروں کا پوچھنے والے۔ ایک کونے میں رمان باجی اپنی میز پر کھڑی کام کر رہی تھیں۔ بے چاری مسلسل کھڑی رہتی ہیں۔ ان کے پاس دو کرسیاں پڑی تھیں۔

ایک اگر بیٹھنے کا موڈ ہو اور دوسری اگر نہ بیٹھنے کا موڈ ہو۔

ایڈیٹر بھیا نماز پڑھنے گئے تو ہمارے بھائی کو بھی ساتھ لے گئے۔ دوسرے بھائی نے ہمیں نظام سقہ کا واقعہ سنایا، جس نے ایک دن کی بادشاہی پہ چمڑے کے سکے چلائے تھے۔ ہم ابھی ارادہ کر رہی رہے تھے کہ ایڈیٹر بھیا واپس آگئے اور ہم سے پوچھا..... کچھ کیا بھی ہے یا صرف خطوط کے ڈھیر سے ہی خوش ہوتی رہی ہیں۔

شام پانچ بجے تو ہم نے بھائیوں سمیت اجازت لی بلکہ اجازت دے دی گئی کہ ہماری ایڈیٹری کا وقت ختم ہو گیا تھا..... واہ وا کیا تجربہ تھا۔

ارے دوستو! یہ پھول رسالہ ہے

شاعر: محمد ذیشان بن نذیر

ارے دوستو یہ پھول رسالہ ہے
سب رسالوں سے بلند و بالا ہے
دلچسپ اس کی تحریریں ہیں
دلکش اس کی تصویریں ہیں
اس شمع سے نگر نگر اجالا ہے
ارے دوستو یہ پھول رسالہ ہے
اس کے ایڈیٹر جناب اختر عباس ہیں
جو ہماری تحریروں کے دشمن خاص ہیں
اس کے چیف ایڈیٹر مجید نظامی ہیں
جو ہماری تحریریں چھاپنے کے حامی ہیں
اس نے سب کو راہ عمل پر ڈالا ہے
ارے دوستو یہ پھول رسالہ ہے
اسے سراہتی ساری قوم و ملت ہے
اس میں انعامی مقابلوں کی قلت ہے
یہ ماہنامہ سب سے نرالہ ہے
ارے دوستو یہ پھول رسالہ ہے

بدگمانی

اعجاز احمد

وہ شہر کا بڑا اچھا سکول تھا۔ وہاں اچھی اچھی، ننھی منی اور پیاری پیاری بچیاں پڑھتی تھیں۔ اس سکول میں نصاب کی تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔

یہ سکول ایک نیک دل خاتون رابعہ بیگم نے کھول رکھا تھا۔ رابعہ بیگم نے بچوں کو پڑھانے کا خصوصی کورس کر رکھا تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ بچیوں کو بہترین طریقے سے پڑھایا جائے کیونکہ ملک اور قوم کی ترقی کے لئے بچیوں کا اچھی اسلامی تعلیم سے آراستہ ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ رابعہ بیگم کا اپنا مکان بہت بڑا تھا۔ یہ سکول انہوں نے اپنے مکان میں ہی کھول رکھا تھا۔ وہ طالبات سے بہت کم فیس وصول کرتی تھیں تاکہ غریبوں کی بچیاں بھی آسانی سے تعلیم حاصل کر سکیں۔

رابعہ بیگم نے سکول کے ایک کمرہ میں طالبات کی ضرورت کی اشیاء بھی رکھی ہوئی تھیں۔ بچیاں کاپیاں، پنسلیں، اور ربڑ وغیرہ سکول ہی سے خرید لیتیں۔ رابعہ بیگم جانتی تھیں کہ دوکاندار یہ چیزیں بھاری منافع لے کر بیچتے تھے۔ وہ یہ اشیاء بغیر منافع کے فروخت کرتی تھیں۔ سکول ہی میں یہ چیزیں فروخت کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ رابعہ بیگم بچیوں کا سکول سے باہر جانا پسند نہیں کرتی تھیں۔

اس سکول میں ایک بڑی اچھی بڑی پیاری بچی صفیہ بھی پڑھتی تھی۔ وہ تیسری جماعت کی طالبہ تھی۔ وہ بڑی ذہین، بڑی محنتی، بڑی صاف ستھری بچی تھی۔ وہ خوب دھیان لگا کر پڑھتی۔ خوش خط لکھتی بڑوں کا ادب کرتی، سہیلیوں سے پیار کرتی۔ ان اچھی عادتوں کی وجہ سے سب لوگ اس سے پیار کرتے۔ اس کی جماعت کی تو بہت سی بچیاں اس کی سہیلیاں تھیں۔

ایک دن صفیہ کو سکول میں پینسل کی ضرورت پڑ گئی۔ صفیہ رابعہ بیگم صاحبہ کے پاس گئی اور انہیں اپنی ضرورت بتائی۔ اس وقت رابعہ بیگم ایک کام میں مصروف تھیں۔ انہوں نے صفیہ سے پینسل کے پیسے لے لئے اور اسے کہا کہ وہ سامان والے کمرے سے جا کر ایک پینسل لے لے۔ صفیہ نے سامان والے کمرے کی الماری کھول کر ایک پینسل لے لی۔ صفیہ جس وقت الماری سے پینسل نکال رہی تھی تو اس کی جماعت کی ایک لڑکی الماس ادھر سے گزر رہی تھی۔ الماس نے جب صفیہ کو الماری سے پینسل نکالتے دیکھا تو اس نے سوچا کہ صفیہ پینسل چوری کر رہی ہے۔ الماس کو بڑی حیرت ہوئی کہ صفیہ جیسی اچھی بچی چوری کر رہی ہے اس نے کافی دیر یہ راز اپنے سینے میں دبائے رکھا۔ لیکن زیادہ دیر وہ اس راز کو چھپا نہ سکی۔ اس نے اپنے پاس بیٹھی ہوئی منیبہ کو یہ بات بتائی۔ منیبہ کو پہلے تو الماس کی بات پر یقین نہ آیا۔ لیکن جب الماس نے بتایا کہ اس نے خود صفیہ کو پینسل نکالتے دیکھا ہے تو وہ ماننے پر مجبور ہو گئی۔ منیبہ سوچنے لگی کہ صفیہ ویسے تو بہت اچھی لڑکی نظر آتی ہے لیکن وہ تو چور نکلی۔ پھر اسے یاد آیا کہ چند روز قبل ان کی جماعت کی ایک بچی کا قلم گم ہو گیا تھا۔ اس بچی نے استانی صاحبہ کو بتایا تو انہوں نے کہا کہ وہ قلم گھر بھول آئی ہو گی کیونکہ استانی صاحبہ تو یہ بات سوچ بھی نہیں سکتی کہ ان کے سکول کی کوئی بچی چور بھی ہو سکتی ہے۔ منیبہ سوچنے لگی کہ اگر صفیہ نے استانی جی کے کمرے سے پینسل چوری کی ہے تو قلم بھی اسی نے چوری کیا ہو گا۔ یہ سوچ کر منیبہ بے چین سی ہو گئی۔ آخر اس نے نوشابہ کو راز دار بنایا اور نوشابہ کو بتایا کہ صفیہ نے استانی جی کی الماری سے پینسل چرائی ہے اور خالدہ کا قلم بھی اسی نے چرایا تھا۔ نوشابہ بہت حیران ہوئی اس نے منیبہ کو سمجھایا کہ اس طرح مذاق نہیں کرنے چاہئے۔ منیبہ نے اسے بتایا کہ صفیہ کو پینسل چراتے الماس نے خود دیکھا ہے۔ خالدہ کا قلم بھی اسی نے چوری کیا ہو گا۔ نوشابہ کو پھر بھی یقین نہ آیا۔ استانی جی سبق پڑھاتے پڑھاتے باہر نکلیں تو نوشابہ فوراً الماس کے پاس پہنچی اور اس سے پوچھا کہ کیا واقعی اس نے صفیہ کو استانی جی کی

الماری سے قلم چراتے دیکھا ہے۔ تو الماس نے کہا کہ ہاں اس نے واقعی اسے پینسل چراتے خود دیکھا ہے۔ لیکن وہ کسی کو نہ بتائے۔ نوشابہ نے الماس سے وعدہ کر لیا لیکن اس کا دھیان اپنے گم شدہ دو روپے کے نوٹ کی طرف چلا گیا۔ اس کا نوٹ چند دن قبل گم ہوا تھا۔ پہلے تو اس کا خیال تھا کہ اس کا نوٹ کہیں گر گیا ہو گا۔ لیکن جب اسے پتہ چلا کہ اس کی جماعت کی ایک لڑکی ایک پینسل اور ایک قلم چرا چکی ہے تو اسے یقین ہو گیا کہ اس کے روپے بھی صفیہ نے ہی چرائے ہوں گے۔ اس نے سوچا کہ اس گندی، چور لڑکی صفیہ سے اسے بول چال بند کر دینی چاہئے۔ بھلا چور لڑکی کو بھی کوئی لڑکی سہیلی بناتی ہے۔ نوشابہ اپنے کھوئے ہوئے پیسوں کو بھول چکی تھی لیکن صفیہ کی چوری کا سن کر اس کا دکھ تازہ ہو گیا۔ وہ اسی صدمہ کی حالت میں راحیلہ کے پاس پہنچی اور اسے بتایا کہ اسے پتہ چل گیا ہے کہ اس کا دو روپے کا نوٹ کس نے چرایا ہے جب راحیلہ نے پوچھا کہ کس نے چرایا ہے تو اس نے بتایا کہ الماس نے صفیہ کو پینسل چراتے دیکھا ہے۔ خالدہ کا قلم اور اس کے پیسے بھی صفیہ نے ہی چرائے ہوں گے۔ نوشابہ نے راحیلہ کو بتایا کہ اس نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ صفیہ سے بول چال بند کر دے گی کیونکہ وہ کسی چور لڑکی سے بول چال رکھنا پسند نہیں کرتی۔ راحیلہ نے بتایا کہ صفیہ تو اس کے محلے بلکہ اس کی گلی میں رہتی ہے اور وہ دونوں سکول کے بعد گھر میں اکٹھی کھیلتی ہیں۔ جمعہ والے دن صفیہ نے اپنی گڑیا کی شادی کرنی ہے اور اس نے اسے شادی میں شرکت کی دعوت دے رکھی ہے لیکن اگر صفیہ چور ہے تو وہ بھی اس سے دوستی ختم کر دے گی اور اس کی گڑیا کی شادی میں شرکت بھی نہیں کرے گی۔

اگلے دن سکول کھلا تو الماس، نوشابہ، خالدہ اور راحیلہ کے علاوہ جماعت کی بہت سی بچیوں تک یہ اطلاع پہنچ چکی تھی کہ ان کی اہم جماعت صفیہ چور ہے۔ اس نے استانی صاحبہ کی پینسل چرائی ہے۔ پینسل کے علاوہ اس نے خالدہ کا قلم راحیلہ کا دو روپے کا نوٹ طاہرہ کی کاپی اور سمیرا کا ربڑ بھی چوری کیا ہے۔ جماعت کی بہت سی لڑکیوں نے صفیہ سے بول چال بند کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور راحیلہ تو صفیہ کی گڑیا کی شادی میں شرکت بھی نہیں کر رہی۔

بے چاری صفیہ کو کچھ بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ اپنی جماعت میں چور مشہور ہو چکی ہے۔ لیکن اس نے اپنی ہم جماعت بچیوں کے رویے میں فرق محسوس کر لیا تھا۔ کوئی بچی بھی اس کے ساتھ بات چیت نہیں کر رہی تھی اور اگر وہ خود کسی کو مخاطب کرتی تو وہ اس کی بات کا ٹھیک طریقے سے جواب نہیں دیتی تھی۔ صفیہ بڑی پریشان ہوئی کہ نہ جانے اس کی سہیلیاں اس سے کیوں روٹھ گئی ہیں۔ اس نے راحیلہ کو جب گڑیا کی شادی میں شرکت کا یاد دلایا تو راحیلہ نے کہا کہ وہ اس کی گڑیا کی شادی میں نہیں آئے گی۔ صدمہ سے صفیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ صفیہ نے راحیلہ سے پوچھا کہ وہ اس کی گڑیا کی شادی میں کیوں نہیں آئے گی تو اس نے بے رخی سے کہا کہ اس کی مرضی، وہ نہیں آئے گی۔

جس وقت صفیہ اور راحیلہ باتیں کر رہی تھیں استانی صاحبہ وہاں موجود نہیں تھیں۔ تھوڑی دیر بعد استانی صاحبہ واپس جماعت میں آئی تو انہوں نے دیکھا کہ صفیہ کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ انہوں نے صفیہ سے پوچھا کہ وہ کیوں رو رہی ہے تو وہ کچھ جواب نہ دے سکی۔ استانی صاحبہ نے دوبارہ پیار سے پوچھا تو وہ زور زور سے رونے لگی۔ استانی صاحبہ اسے چپ کرانے کی کوشش کرنے لگیں تو وہ اور زور زور سے رونے لگی۔ بالآخر اس نے ہچکیاں لیتے ہوئے بڑی مشکل سے استانی صاحبہ کو بتایا کہ اس کی جماعت کی سب بچیاں اس سے ناراض ہو گئی ہیں۔ کوئی بچی اس سے ٹھیک سے بات نہیں کرتی۔ اس نے اپنی سہیلی راحیلہ کو گڑیا کی شادی میں آنے کی یاد دہانی کرائی ہے تو اس نے دعوت میں آنے سے انکار کر دیا ہے۔ لیکن کچھ پتہ نہیں کہ اس کی سہیلیاں اس سے کیوں ناراض ہیں۔

استانی صاحبہ کو صفیہ کی بات سن کر بڑی حیرانی ہوئی۔ وہ جانتی تھیں کہ ان کی جماعت کی سب بچیاں بہت اچھی اور لائق ہیں۔ لیکن صفیہ کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ وہ تو بہت ہی اچھی بہت ہی پیاری بہت ہی لائق بچی ہے۔ بھلا ایسی بچی سے کون ناراض ہو سکتا ہے؟ انہوں نے راحیلہ سے پوچھا کہ وہ صفیہ سے کیوں ناراض ہے لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش کھڑی رہی۔ استانی صاحبہ نے نوشابہ، منیبہ، خالدہ، الماس، طاہرہ، سمیرا اور دیگر بہت سی بچیوں سے پوچھا لیکن کسی بچی نے بھی استانی صاحبہ کو راز کی بات نہ بتائی کہ وہ سب صفیہ سے کیوں ناراض ہیں۔ استانی صاحبہ کو اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ بچیاں واقعی صفیہ سے ناراض ہیں لیکن کیوں ناراض ہیں؟ یہ بتانے کو وہ تیار نہیں۔

استانی صاحبہ جماعت کے کمرے سے نکل کر اپنے دفتر کے کمرے میں چلی گئیں اور راحیلہ کو بھی انہوں نے وہیں بلا لیا۔ انہوں نے پیار سے راحیلہ سے بات پوچھی تو راحیلہ نے جھجھکتے ہوئے بتایا کہ استانی صاحبہ صفیہ چور ہے۔ اس نے نوٹ بھی چرایا ہے، قلم بھی چرایا ہے، آپ کی الماری سے پینسل بھی چرائی ہے اور اس نے اور بھی بہت سی چیزیں چرائی ہیں۔ جب استانی صاحبہ نے پوچھا کہ اسے کیسے پتہ چلا کہ صفیہ چور ہے تو راحیلہ نے بتایا کہ اسے نوشابہ نے بتایا ہے۔ استانی صاحبہ نے نوشابہ کو بلایا تو اس نے اقرار کیا کہ اس نے یہ سب کچھ راحیلہ کو بتایا ہے۔ استانی صاحبہ نے جب پوچھا کہ اسے یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا تو اس نے بتایا کہ اسے یہ بات الماس نے بتائی ہے۔ استانی صاحبہ نے جب الماس کو بلایا تو الماس نے فوراً تسلیم کر لیا کہ اس نے ہی نوشابہ کو بتایا ہے کہ صفیہ چور ہے۔ الماس نے یہ بھی بتایا کہ کل اس نے خود صفیہ کو چوری چھپے استانی صاحبہ کے کمرے میں جاتے دیکھا ہے۔ وہ چپکے سے صفیہ کے پیچھے گئی تھی۔ اس نے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو استانی صاحبہ کی الماری سے صفیہ پینسل چوری کر رہی تھی۔ وہ صفیہ کو چوری کرتے دیکھ کر بڑی حیران ہوئی۔ اسے بڑا صدمہ ہوا کہ صفیہ جیسی اچھی لڑکی چور نکلی۔ اس نے بڑی کوشش کی کہ یہ بات وہ اور کسی لڑکی کو نہ بتائے لیکن وہ اس راز کو اپنے تک محدود نہ رکھ سکی اور اس نے نوشابہ کو بتا دیا۔

استانی صاحبہ معاملہ کی تہ تک پہنچ گئیں۔ انہیں یاد آ گیا کہ کل انہوں نے خود ہی صفیہ کو الماری سے پینسل لینے کی اجازت دی تھی۔ الماس نے اسے پینسل نکالتے دیکھ لیا وہ سمجھی کہ صفیہ چوری کر رہی ہے وہ یہ راز اپنے تک محدود نہ رکھ سکی۔ انہیں بہت افسوس ہوا کہ اس نے بدگمانی کی اور صفیہ پر الزام لگا کر اسے چور مشہور کر دیا اور صفیہ پریشان ہو گئی۔

انہوں نے الماس، نوشابہ اور راحیلہ کو بتایا کہ صفیہ تو انہیں پیسے دے کر ان کی اجازت سے پینسل لینے گئی تھی۔ استانی صاحبہ کی بات سن کر وہ سب سخت شرمندہ ہوئیں۔ انہیں احساس ہوا کہ انہوں نے صفیہ سے سخت زیادتی کی ہے۔ وہ تینوں اچھی بچیاں تھیں بس ان سے غلطی ہو گئی تھی۔ لیکن انہوں نے اپنی غلطی کو فوراً تسلیم کر لیا۔ انہوں نے استانی صاحبہ سے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کسی کے متعلق بدگمانی نہیں کریں گی۔ اور پوری تحقیق کے بغیر کبھی کسی پر الزام نہیں لگائیں گی۔ استانی صاحبہ نے انہیں معاف کر دیا اور شاباش دی کہ انہوں نے نہ صرف اپنی غلطی تسلیم کر لی بلکہ اپنی اصلاح بھی کر لی۔ استانی صاحبہ نے انہیں کہا کہ انہوں نے اپنی اچھی سہیلی صفیہ کے دل کو تکلیف پہنچائی ہے اس لئے انہیں صفیہ سے معافی مانگنی چاہئے۔

استانی صاحبہ الماس، نوشابہ اور راحیلہ کو لے کر واپس جماعت میں آئیں تو انہوں نے سب بچیوں کو بتایا کہ ایک غلط فہمی کا شکار ہو کر صفیہ کی سہیلیاں اسے چور سمجھنے لگی تھیں۔ لیکن اب ان کی بدگمانی دور ہو گئی ہے۔ وہ سب صفیہ سے معافی مانگتی ہیں۔ صفیہ کو جب ساری صورتحال کا پتہ چلا تو وہ پہلے تو بہت حیران ہوئی لیکن پھر اس نے اپنی سہیلیوں کو معاف کر دیا۔ الماس، نوشابہ، راحیلہ، خالدہ، طاہرہ، سمیرا سب باری باری صفیہ کے پاس گئیں سب نے اس سے معافی مانگی۔ اس نے سب کو ہنس ہنس کر معاف کر دیا۔

دوسرے دن جمعہ تھا صفیہ کی گڑیا کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ گڑیا کی شادی میں صرف راحیلہ ہی نہیں اور بھی بہت سی سہیلیوں نے شرکت کی۔ وہ صفیہ کے لئے چھوٹے چھوٹے پیارے پیارے تحفے بھی لائیں۔ انہوں نے صفیہ کو خوش تو کرنا تھا نا۔

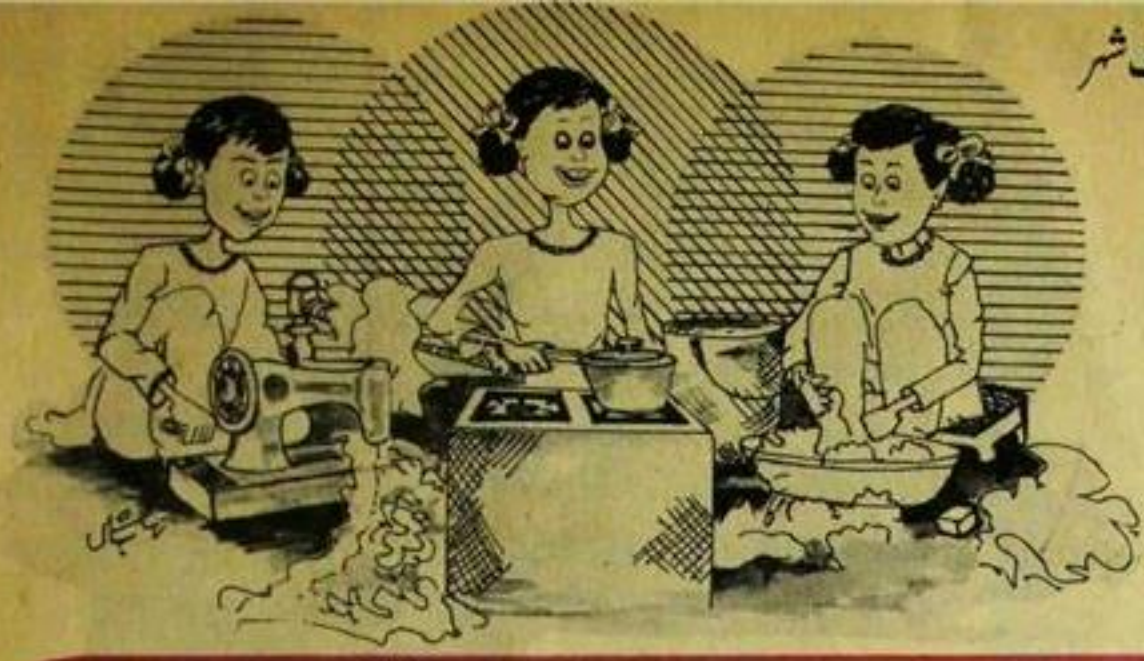

شامت

نائلہ بختیار، کوہاٹ شہر

امتحان کے بعد اب ہم فارغ ہی فارغ تھے اور ہم یہ سوچ رہے تھے کہ بھلا پہاڑ کی طرح دو ماہ کی چھٹیاں کس طرح گزاریں گے۔ نتیجہ آنے تک تو خوب مزے لے لئے جائیں، پھر جو ہونا ہے ہو جائے گا۔ آخر سوچ سوچ کر بھی ہماری تھوڑی سی عقل میں کوئی ترکیب نہ آئی تو ہم نے باورچی خانہ کا رخ کیا، جہاں اماں کھانا پکا رہی تھیں۔ ہم نے کہا "اماں آج سے آپ آرام کریں گی اور ہم سارے باورچی خانہ کا کام کریں گے"۔ اماں ایک دم چونک کر بولیں "نائلہ بیٹی! تم ہوش میں تو ہو، تمہیں تو صحیح طرح سے ابھی تک چمچ بھی پکڑنا نہیں آیا۔ ہم ذرا سا شرمندہ ہو کر بولے "دیکھیں نا اماں اب میں سب کھانے پکانے سیکھ لوں گی"۔

ہمارا معصومانہ منہ دیکھ کر مجبوراً اماں کہنے لگیں "اچھا بیٹی جیسے تمہاری مرضی! میں نے سالن تو پکا لیا ہے، تم روٹیاں پکا لینا۔ اور ہاں..... ذرا یہ سلاد وغیرہ بھی بنا لینا"۔ اماں یہ کہہ کر چلی گئیں اور ہم روٹیاں پکانے میں مصروف ہو گئے۔

ہم روٹیاں پکا کر چنگیر میں رکھ ہی رہے تھے کہ اماں کی آواز آئی "نائلہ..... شاہانہ خالہ آئی ہیں، ذرا چائے بنا لانا"۔ ساتھ ہی ساتھ خالہ کی بھی آواز آئی "ہاں بیٹی ذرا سٹرانگ چائے بنانا"۔ ہم دل ہی دل میں بڑبڑ کر رہے تھے کہ بھلا یہ بھی چائے کا کوئی وقت ہے۔ دوپہر کو بھلا کون چائے پیتا ہے۔ اور ساتھ ہی سوچنے لگے کہ سٹرانگ چائے کیسے بنتی ہے؟ کیونکہ باورچی خانہ میں تو ہم زندگی میں پہلی مرتبہ کھانا بنا رہے تھے۔ اپنے دماغ پہ بہت زور ڈالا اور آخر سٹرانگ چائے بنا ڈالی۔ یعنی چینی، پتی (چائے)، دودھ اور پانی برابر ڈال دیئے۔ ہم نے چائے خالہ اور اماں کو پیش کی۔ ایک گھونٹ پی کر ہی خالہ اور اماں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ اور خالہ نے تو یہاں تک کہہ دیا "اری بہن..... کیا تم نے کوئی نوکرانی وغیرہ رکھ لی ہے، یہ کم بخت نوکر چاکر دل لگا کر کام ہی نہیں کرتے اور تنخواہ پوری مانگتے ہیں"۔ اور ہم وہاں سے کھسیانے سے ہو کر نکل آئے۔ اب ہمارا رخ فرزانہ آپی کی طرف تھا جو ڈرائنگ روم کے پردے اور چیزیں وغیرہ درست کرنے میں مصروف تھیں۔

ہم نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا "آپی لائیے کھڑکیوں اور دروازوں کے پردے ہم سی دیں"۔ آپی نے پہلے ہمیں اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ ہم نے اپنے آپ کو غور سے دیکھا کہ ہم وہی ہیں یا خدانخواستہ ہمارے دو سینگ نکل آئے ہیں۔ آخر آپی بولیں "ویسے مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم وہی ہو"۔ ہم بولے "آپی! آپ حکم تو کریں، دیکھئے گا ہم پھر کیسے آپ کا سارا کام ختم کر دیں گے"۔ آپی پہلے تو راضی نہ ہوئیں، مگر ہماری ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ "اچھا ایسا کرو کہ سامنے والی کھڑکی کا پردہ سی دو" آپی نے نہ چاہتے ہوئے کہہ ڈالا۔ ہم نے مشین سنبھالی اور پردہ سینے بیٹھ گئے۔ آدھ گھنٹے بعد آپی دوبارہ پردہ ادھیڑ رہی تھیں اور ہم پہ غصہ ہو رہی تھیں کیونکہ ہم نے کہیں سے سیدھی اور کہیں سے ترچھی سلائی کر دی تھی۔

دوپہر کے وقت جب سب کھانا کھانے بیٹھے تو روٹیاں دوبارہ اماں کو پکانی پڑیں کیونکہ گھر کے کسی فرد نے بھی ہماری روٹی کی طرف محبت بھری نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ رات کو جب ہم لیٹے تو ہمارا سارا جسم دکھ رہا تھا، لیکن بھلا ہم ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں تھے۔

دوسرے دن صبح جب اماں کپڑے دھونے بیٹھیں تو ہم نے اماں سے کہا "آج تو ہم کپڑے دھوئیں گے"۔

اماں نے کہا "کل کا دن شاید تمہیں بھول گیا ہے"۔

"نہیں اماں..... آج ہم کپڑے دھو کر دکھائیں گے۔ ایک دفعہ آپ اور موقع دے کر تو دیکھیں"۔ اس دفعہ ہم ذرا جوش سے بولے۔

اماں کی اجازت کے بعد ہم کپڑے دھونے بیٹھ گئے اور جب کپڑے دھو چکے تو اماں نے کہا "ذرا پیاز اور ٹماٹر کاٹ لینا، میں آٹا گوندھ لوں"۔ ہم باورچی خانہ میں سبزی کاٹنے میں مشغول تھے کہ اتنے میں رضوانہ باجی اور رابعہ باجی باورچی خانہ میں داخل ہوئیں۔ رابعہ باجی بولیں "نائلہ! تم نے پارٹی میں جانا ہے تو بتا دو تاکہ میں اپنے کپڑوں کے ساتھ تمہارے کپڑے بھی استری کر دوں"۔

نہیں باجی..... میں پارٹی میں نہیں جاؤں گی اور آپ کے کپڑوں میں استری میں کروں گی"۔ ہم نے اتنی محبت سے کہا کہ باجی فوراً تیار ہو گئیں اور ہم استری کرنے چلے گئے۔ استری تو زندگی میں پہلی مرتبہ پکڑی تھی لہٰذا کیا خاک اچھی استری کرتے اور تھوڑی ہی دیر بعد ہم نے رابعہ باجی کے قیمتی سوٹ کا بیڑا غرق کر دیا تھا اور باجی ہم سے لڑ رہی تھیں۔ بڑی مشکلوں سے اس شرط پر کہ ہم آپ کو سوٹ کے پیسے دے دیں گے، جان چھڑائی۔

اس کے بعد ہم سلاد اور سبزی بنانے باورچی خانے میں گئے تو اماں نے کہا کہ "بیٹی! یہ پیاز تم نے موٹی موٹی کاٹ ڈالی، ذرا پتلی پتلی کاٹ دو"۔ اور ہم نے پیاز اتنی پتلی کاٹنا شروع کر دی کہ ہمارے ہاتھ کی کھال بھی چھل گئی اور ہم بری طرح رونے لگے۔ اماں ڈاکٹر کے پاس لے گئیں جہاں ہماری مرہم پٹی کی گئی۔ وہ تو خدا کا شکر ہوا کہ ہمارے زیادہ گہرے زخم نہیں تھے۔

ایک ہفتہ بعد جب ہم تندرست ہو گئے تو ہم نے یہ عہد کر لیا کہ جو کام نہیں کر سکتے، وہ نہیں کریں گے بلکہ ساتھیو! اب تو ہم چھپتے رہتے ہیں کہ کوئی ہم سے کام ہی کا نہ کہہ دے۔

دوسرا شیشہ

ایک دفعہ قائداعظم ایک اہم جلسے میں مدعو تھے۔ وہاں انہیں ایک تقریر کرنا تھی۔ تقریر پڑھنے کے لئے انہوں نے اپنا شیشہ نکالا۔ وہ ایک شیشے (عدسے) والی عینک لگاتے تھے۔ اچانک شیشہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ پاس کھڑے مخالف پارٹی کے لیڈر یہ دیکھتے ہی بولے "مسٹر جناح اب تو آپ کو ہمارے سامنے جھکنا پڑے گا"۔ قائداعظم یہ سن کر مسکرائے اور جیب سے دوسرا شیشہ نکالا اور پڑھنا شروع کر دیا۔

(شہزادہ وقاص اکرم ٹاؤن شپ لاہور)

لطیفہ کچھ یوں ہے

انگریزی میں مہارت

انگریزی کے استاد نے اشرف سے کہا' انگریزی میں مہارت اور سوجھ بوجھ بڑی ضروری ہے۔ بیٹا "اکرم ایک کم گو لڑکا ہے" اس جملے میں "کم گو" کا مطلب بتلاؤ؟ "آنا جانا" اشرف نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

(محمد زاہد غازی خان ورد گ)

آؤ بھاگ چلیں

منوا اور گڑیا کھیلتے کھیلتے تجریدی آرٹ کی نمائش گیلری میں چلے آئے چند منٹ تک دونوں معصومیت سے ان الٹی سیدھی تصویروں کو دیکھتے رہے' تب منو نے گڑیا سے سرگوشی کی:

"چلو یہاں سے بھاگ جائیں ورنہ لوگ یہ کہیں گے کہ ان بچوں نے تصاویر کو خراب کر دیا ہے۔

(عاصم بن قاسم فیصل آباد)

پنکھا چلا دیں

ایک بچے کو پودوں سے بہت پیار تھا' ایک رات کو گملوں کو اپنے بستر میں لے آیا۔ ماں نے کہا'

بیٹا گملے باہر رکھ دو' انہیں ہوا لگنی چاہئے۔

بیٹا (معصومیت سے) امی پنکھا چلا دیں۔

(عمر قیوم ہادیہ قیوم گکھڑ منڈی)

گیلی مونچھیں

دو دوست شیخیاں مار رہے تھے' ایک بولا میں جنگل کے قریب ندی میں نہا رہا تھا کہ اچانک ایک شیر آ گیا۔ میری رائفل دور پڑی تھی اور مجھے تیرنا بھی نہیں آتا تھا۔ اس لئے میں غوطہ بھی نہیں لگا سکتا تھا۔ پھر بھی میں نے اوسان خطا نہ ہونے دیئے اور شیر کے منہ پر پانی کا چھینٹا اتنے زور سے مارا کہ وہ ڈر کر بھاگ گیا' دوسرا دوست بولا' یہ کب کا واقعہ ہے'

پہلے دوست نے جواب دیا گزشتہ اتوار کا'

پہلا دوست تب تو تم درست کہتے ہو' کیونکہ اسی دن ایک شیر میرے گھر آیا تھا میں نے اس کی مونچھوں کو ہاتھ لگا کر دیکھا تو وہ گیلی تھیں۔

(راشدہ نسرین ناصرہ آباد ریوہ)

اسے پرے کرو

ایک دیہاتی کسی کے گھر مہمان گیا' وہ بار بار قالین پر تھوک رہا تھا' مالک نے دیکھا تو نوکر سے کہا کہ اگالدان لاؤ نوکر اگالدان لے آیا اور پکڑ کر دیہاتی کے منہ کے آگے کیا تو دیہاتی اسے پرے ہٹا کر پھر قالین پر تھوک دیا۔ نوکر اگالدان لے کر دوسری طرف آیا تو اس نے پھر پیچھے ہٹا کر دوبارہ قالین پر تھوک دیا۔ آخر تنگ آ کر دیہاتی بولا "اوئے' اوئے اسے پرے کرو نہیں تو میں اس کے اندر ہی تھوک دوں گا"

(عمیر عالم راولپنڈی)

اچھا پیشہ

پروفیسر: بتاؤ اکبر! "سب سے اچھا پیشہ کون سا ہے!"

اکبر: جناب! "ڈاکٹروں کا' کیونکہ ان کے اچھے کارناموں کا تو ہر طرف شہرہ ہوتا ہے اور جو غلطیاں کرتے ہیں' انہیں زمین ڈھک دیتی ہے!"

(عمر ریاض ساگری' ضلع جہلم)

کوئی اور بھی ہے

ایک صراف اپنے کام میں مصروف تھا' ایک شخص آیا اور اس سے پوچھنے لگا کہ "یہاں کیا فروخت ہوتا ہے"؟ صراف نے غصے سے دیکھا اور کہا' "یہاں گدھے فروخت ہوتے ہیں"۔ اس شخص نے دوبارہ پوچھا' کیا آپ اکیلے رہ گئے ہیں یا کوئی اور بھی ہے؟"

ہائے میرے بندے

ایک عورت نے سونے کے بندے خریدے وہ سوچنے لگی کہ یہ بندے لوگوں کو کیسے دکھائے؟ آخر اسے ایک ترکیب سوجھی' اس نے اپنے گھر کو آگ لگا دی اور چیخ چیخ کر کہنے لگی' "ہائے میں برباد ہو گئی' تباہ ہو گئی"۔ لوگوں نے آ کر پوچھا' "کیا ہوا؟" عورت کہنے لگی' "ہائے میرا سب کچھ تباہ ہو گیا' صرف یہ بندے بچے ہیں"۔

(انیق امجد پرانا بازار بصیر پور)

مر نہ جائیں

باپ بیٹے سے تم نے مرغی کے انڈے کیوں توڑے؟ بیٹا میں نے سوچا بچے دم گھٹنے سے مر نہ جائیں۔

(شائستہ نذیر)

بے چاری

دو چوزے کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ان کو ایک بلی ملی۔

پہلا چوزہ کہنے لگا کہ خالہ لڑائی کرنی ہے۔ دوسرا چوزہ کہنے لگا چھوڑو یار ہم دو ہیں اور وہ بے چاری اکیلی ہے

سائنس ٹیچر: بچوں سے تم اٹھارویں صدی کے سائنس دانوں کے بارے میں کیا جانتے ہو؟

شاگرد: جناب وہ سارے مر گئے ہیں۔

عاطف علی بلال' محمد علی بلال

گزرتے جاؤ

انار کلی بازار میں سکھ دیکھ کر بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ ہجوم اکٹھا ہوتے دیکھ کر سردار جی اطمینان سے بولے بھئی دیکھتے جاؤ گزرتے جاؤ۔

احمد رضا حوئیہ غوث پور قریشیاں

افسوس

کرکٹ کے میدان میں ایک تماشائی نے غصے سے آسمان کی طرف دیکھا اور بڑبڑایا' یہاں میرے علاوہ بھی کم از کم چودہ پندرہ ہزار لوگ موجود ہیں اور کبوتر صرف ایک ہے' لیکن اس واہیات کو مجھ پر ہی بیٹ کرنا تھا"۔

(محمد عاقل احمد خان پرانا سکھر)

آدمی

ماں لڑکی سے (جو کھڑکی کے قریب کھڑی تھی۔) بیٹی تم نے ابھی تک کوڑا نہیں پھینکا۔

بیٹی امی آپ ہی نے تو کہا تھا کہ آدمی دیکھ کر پھینکنا ابھی تک کوئی گزرا ہی نہیں۔

(پرانا سکھر)

ظلم

ابو مجھے پچاس روپوں کی ضرورت ہے۔ بیٹا میں تمہیں پیسے دے کر تم پر ظلم کر رہا ہوں۔ کوئی بات نہیں ابو میں یہ ظلم برداشت کر لوں گا۔

اناڑی نائی

ایک آدمی اناڑی نائی کے پاس شیو کروا رہا تھا۔ استرا بہت تیز تھا نائی نے شیو کرتے ہوئے پوچھا۔

کیوں میاں کتنے بھن بھائی ہو؟

آدمی بولا.... اگر تمہارے استرے سے بچ گیا تو چار۔ ورنہ تین ہی سمجھو

(نصرت محبوب فتح جنگ)

پھولدار پلیٹ

بیگم (شوہر سے) باورچی خانے سے پھولدار پلیٹ لے آؤ

شوہر نے تھوڑی دیر بعد آ کر بتایا پلیٹ تو نہیں ہے۔

بیوی: مجھے پتہ تھا کہ تمہیں نہیں ملے گی۔ اسی لئے میں پہلے ہی اٹھا لائی۔

سجاد حیدر بھٹی صدر دین

ختم شد

دو بچے بڑے مصنفوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچے "ختم شد" بہت بڑا مصنف ہے اس کا نام ہزاروں کتابوں پر دیکھا ہے۔

نصرت علی فروزی ضلع پاک پتن

اتنی دور سے

ایک باؤلر تیزی سے اپنے کپتان کے پاس آیا اور کہا "اب گیند مجھے دینا میری ساس میچ دیکھنے آئی ہے"

"ہیں" کپتان حیرت سے بولا "تم اسے اتنی دور سے کیسے گیند مار سکو گے۔

محمد عرفان یوسف

تکیے کے نیچے

باپ مٹھائی تکیے کے نیچے رکھ کر گیا بچے نے مٹھائی نکال کر کھائی اور تکیہ اپنے پیٹ پر رکھ لیا باپ آیا تو پوچھا

"مٹھائی کہاں ہے"

"تکیے کے نیچے" بچے نے معصومیت سے جواب دیا۔

فریحہ ارم

منزل کی تلاش

سلسلہ وار ناول

قسط: 3
نعیم بلوچ

پچھلی قسط کا خلاصہ

تاجی نے ڈاکوؤں کا ساتھی بننے کا فیصلہ کیا اور رام چندر نے اس کے گھر کی حفاظت کرنے کا وعدہ کیا۔ چند دن بعد رام چندر کے ہاں ایک خفیہ میٹنگ ہوئی جس میں بے تاراں نے سائیں مراد کو فاروق خاں کو اغوا کرنے کے لئے کہا اور چند دن بعد دفعتاً دو ملزموں کے گرفتار ہونے پر گاؤں والوں نے ان کے رہائی کے لئے اغوا کر لیا گیا۔ ادھر تاجی دب گئی کئی روز گھر سے باہر رہنے کا تو اس کی ماں نے پوچھا کہ وہ کیا کام کرتا ہے۔ تاجی نے ٹالنا چاہا مگر اسے بتانا پڑا۔ مراد خاں کا نام سن کر تاجی کی ماں نے اسے اپنے باپ کے قاتل کا ساتھی ہونے کا طعنہ دیا اور اسے مارنے لگی۔ جب وہ غصے سے بے ہوش ہو گئی تو تاجی گھر سے نکل گیا اور مزارعے کے ڈیرے میں جا کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

نہ جانے تاجی کو کب نیند آئی۔ وہ کچھ اس بے خبری سے سویا کہ صبح جب سورج کی کرنیں ہر بیل بوٹے کے گلے مل چکیں تو اس نے بھی آنکھیں کھول دیں۔ حویلی میں شام کی طرح اب بھی ڈھور ڈنگروں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ وہ کچھ دیر چارپائی پر بیٹھا رہا۔ پھر ٹوپی درست کرتا آہستہ آہستہ حویلی سے باہر قدم اٹھانے لگا۔ پھر وہ چونک کر رک گیا۔ دور سے کسی نے اسے آواز دی تھی۔ قریب آنے پر وہ اسے پہچان چکا تھا۔ وہ اس کا محلہ دار تھا۔ وہ خاصا گھبرایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

"تاجی..... گھر چلو..... جلدی....."

"کیوں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

آنے والے نے اس کو بازو سے پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے بولا "تاجی تمہاری ماں..... مر گئی ہے۔"

تاجی چند لمحوں کے لئے پتھر کا بت بن گیا۔ پھر وہ پگھلنے لگا۔ اس نے چیختے ہوئے "نہیں" کہا اور گھر کی طرف بھاگ اٹھا۔ وہ گھر میں داخل ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی دونوں بہنیں اس سے لپٹ کر خوب روئیں گی مگر بڑی بہن نے تو نفرت سے منہ دوسری طرف موڑ لیا۔ تاجی کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے دل پر کوئی وزنی پتھر رکھ دیا گیا ہے۔ اس دکھ کو ہلکا کرنے کے لئے اسے اپنی مری ہوئی ماں کا ہی سہارا لینا پڑا اور وہ چارپائی پر پڑی ماں کی لاش پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ سینے پر موجود بوجھ اور زیادہ ہو رہا تھا۔ جب اس کی آنکھوں نے آواز کا ساتھ چھوڑ دیا تو ایک آدمی اسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔ یہ رام چندر تھا۔ تاجی اب اس کے گلے لگ کر رو رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ننھی نائلہ بھائی بھائی کہتی اس کے پاس آئی تو تاجی نے اسے سینے سے چمٹا لیا۔ خاموشی سے ٹپ ٹپ آنسو بے اختیار اس کی آنکھوں سے گرنے لگے۔ اسے اپنی ماں کے الفاظ پھر یاد آنے لگے۔ کیا واقعی مراد خاں ہی میرے باپ کا قاتل ہے؟ وہ سوچ سوچ کر پھر الجھنے لگا۔ ایک مرتبہ پھر رام چندر نے اسے اس اذیت سے نجات دلائی۔

"تاجی۔ فکر نہ کرو۔ میں تمہاری بہنوں کو بیٹیوں کی طرح رکھوں گا..... تم اپنی راہ کھوٹی نہ کرنا! سائیں مراد کے آدمی رات میرے پاس آئے تھے۔ تمہارا پوچھ رہے تھے۔ شاید تم نے کل ان کے ہاں جانا تھا۔"

"ہاں ادا..... کل رات ماں نے پوچھا تو مجھے سب کچھ بتانا پڑا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ میں سائیں مراد کے ساتھ کام کرنے لگا ہوں تو اس نے مجھے بہت مارا۔ کہنے لگی کہ تم اپنے باپ کے قاتل کے ساتھی ہو....."

"اور اسی غم نے میری ماں کی جان نکال لی..... اور تاجی..... ماں آخری وقت یہی کہتی رہی کہ میرے بیٹے کو بچا لو..... وہ دشمنوں کو دوست سمجھ رہا ہے....." ناہید نے بھرائی ہوئی آواز میں بتایا۔

رام چندر کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا۔ وہ فوراً بولا "جب تک میں زندہ ہوں کوئی دشمن تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا..... اور تاجی! تمہارے باپ کا قاتل میرا بھی دشمن ہے۔ مگر افسوس کہ تمہاری ماں کو غلط فہمی رہی۔ یہ وقت ان باتوں کا نہیں' ورنہ میں تمہیں اصل بات ضرور بتاتا۔ ابھی تو ہمیں کفن دفن کا بندوبست کرنا چاہئے۔" رام چندر نے بڑی خوبصورتی سے جان چھڑائی۔

تاجی کی ماں کو فوت ہوئے پندرہ دن گزر چکے تھے۔ ان پندرہ دنوں میں تاجی بہت کچھ بدل چکا تھا۔ اپنی بہنوں کو رام چندر کے پاس چھوڑ کر وہ ان کی طرف سے مطمئن ہو چکا تھا۔ باپ کے قتل کے بدلے اور ماں کی موت کا دکھ اس کے ہاتھ میں بندوق پکڑا چکا تھا۔ سائیں مراد کی اصلیت جاننے' دشمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے اور جاگیرداروں اور وڈیروں سے اپنا حصہ "چھیننے" کے لئے اس نے باقاعدہ دھاڑیل کا روپ دھار لیا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ اگر سائیں مراد ظالموں کو لوٹتا ہے' مظلوموں کی حمایت کرتا ہے تو پھر اس کے ڈیرے میں بے کار پھر نیکے بجائے اس کے ساتھ جانے میں کیا حرج

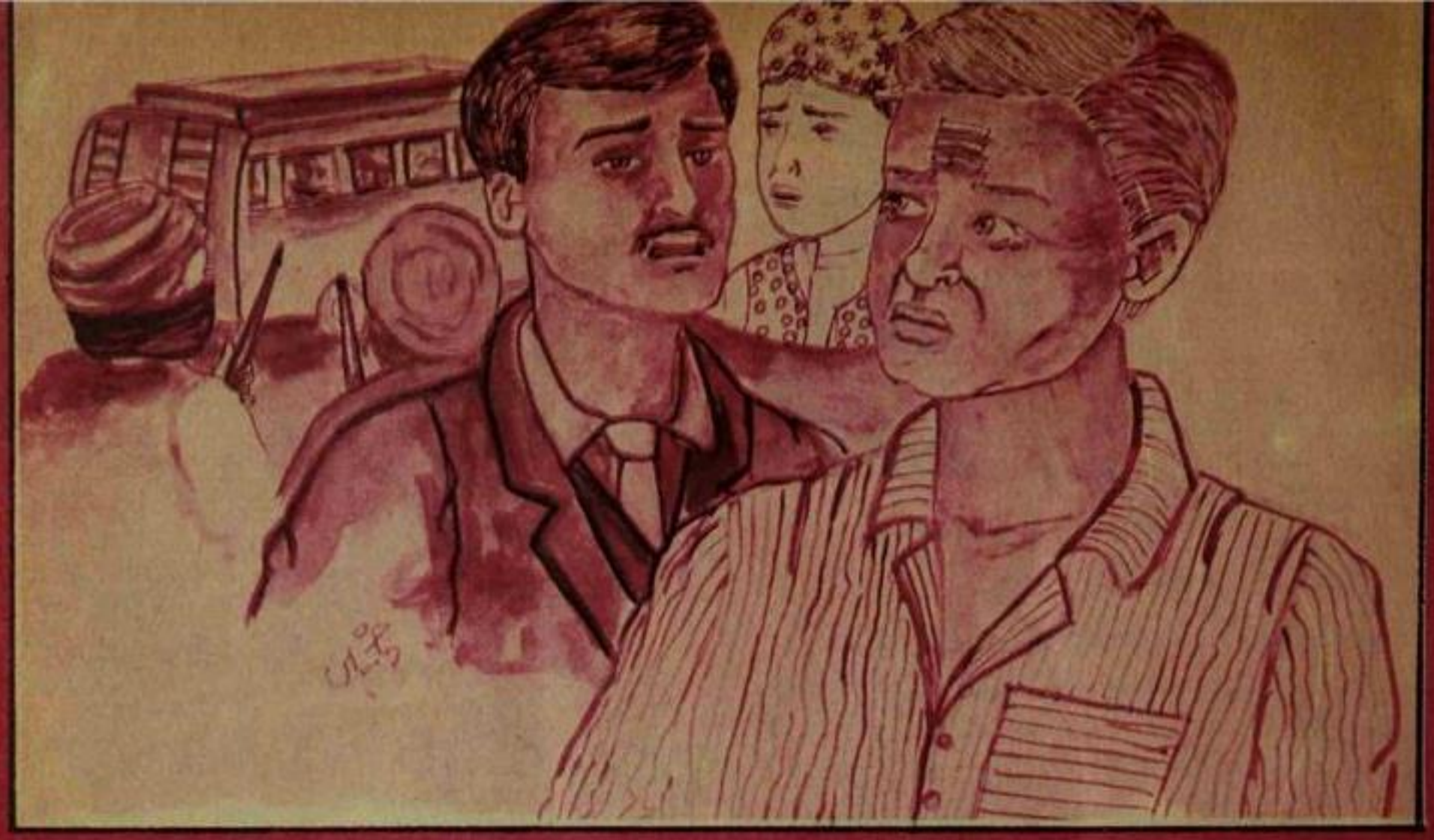

ہے۔ آج وہ پہلی دفعہ ایک کار روائی میں شریک تھا۔

نہ رات کا اندھیرا تھا اور نہ جنگل کی سی خاموشی۔ دن کے اجالے میں بس شکار پور کی طرف رواں دواں تھی۔ اچانک ڈرائیور کو بریک لگانی پڑی۔ ایک بڑا درخت سڑک کے آر پار پڑا تھا۔ ڈرائیور دیکھ رہا تھا کہ یہ درخت خود نہیں گرا بلکہ گرایا گیا ہے۔ وہ خطرے کو اچھی طرح محسوس کر چکا تھا۔ اس کے خیال کی تصدیق کنڈیکٹر کی پکار سے ہو رہی تھی۔ ”استاد..... مجھے دھاڑیل (ڈاکو) معلوم دیتے ہیں۔ گاڑی بیک کر کے واپس دوڑا دو۔“

مگر ڈرائیور نے ابھی بیک گیئر ہی لگایا تھا کہ منہ پر ڈھاٹے باندھے کئی آدمی بندوقیں پکڑے کھیتوں سے نکل آئے۔ انہوں نے بس کو گھیرے میں لے لیا۔ کچھ ڈاکو بس کی چھت پر چڑھ گئے' کچھ اندر گھس گئے اور تین چار باہر نگرانی کرنے لگے۔ تاجی بس کے اندر جانے والوں میں سے تھا۔ ایک ڈاکو ڈرائیور کی سیٹ پر قبضہ جما چکا تھا۔ سائیں مراد نے انجن کے قریب آ کر کہا۔

”سب مسافر غور سے سنیں! تم سے صرف کیش اور زیورات لئے جائیں گے۔ اپنی ساری رقم اور زیور اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیں۔ اگر کسی نے چھپانے کی کوشش کی اور تلاشی لینے پر ایک روپیہ بھی مل گیا تو گولی مار دی جائے گی۔“

اعلان کے چند منٹ بعد تمام مسافروں نے بڑی فرمانبرداری سے اپنی تمام رقم ہاتھ میں پکڑ لی۔ عورتوں نے زیورات اتار لئے۔ ڈاکو اب ان سے یہ تمام چیزیں لے رہے تھے۔ تاجی کے لئے یہ نیا انکشاف تھا۔ سائیں مراد کے آدمی ہر کسی کو لوٹ رہے تھے۔ اس میں غریب امیر کی کوئی تفریق نہیں تھی۔ اسے کھڑا دیکھ کر سائیں مراد گرجا ”تاجی! کھڑا کیوں ہے؟ کام کر اپنا!“ وہ سہم کر اپنے قریب کے مسافروں سے مال سمیٹنے لگا۔ اچانک کسی بوڑھے کے رونے کی آواز آئی۔ وہ منتیں کر رہا تھا۔ ”سائیں میں یہ رقم قرض لے کر آیا ہوں۔ میری بیٹی کی شادی ہے.....“

اس کے ساتھ ہی گولی چلنے کی آواز آئی۔ اور وہ بوڑھا خون میں لت پت ہو گیا۔ ساتھ ہی سائیں مراد کی آواز گونجی۔ ”اگر کسی اور نے رحم کی بھیک مانگی تو اسی طرح موت اس کی جھولی میں ڈال دی جائے گی۔“ گولی مارنے والے ڈاکو نے بے دردی سے بوڑھے کے ہاتھ میں پکڑی روپوں کی تھیلی چھین لی۔ تمام مسافر سہم چکے تھے۔ کئی بچے رونے لگے۔ تاجی کا چہرہ بھی خوف سے سفید ہو چکا تھا۔ اس نے زندگی میں قتل ہوتا پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ اس کی نگاہیں بوڑھے پر ٹک چکی تھیں۔ اچانک ایک اور آواز آئی۔ ”سائیں..... یہ کہتا ہے' میں سید ہوں' اس لئے کچھ نہیں دوں گا“ ایک ڈاکو نے اپنے سردار کو مخاطب کیا۔

”اس کا شناختی کارڈ چیک کرو۔ اگر یہ واقعی سید ہے تو پھر ہمارا مرشد ہے۔ اسے سلام کرو اور چھوڑ دو۔ ورنہ گولی مار کر سب کچھ چھین لو۔ یہی ہمارا اصول ہے۔“

ساتھ والی الماری میں

ایک خاتون اپنے شوہر کو تصویر ٹانگنے کی ہدایت کرتے ہوئے بولیں

"سنیئے! ہتھوڑی الماری میں رکھی ہے..... کیلیں میز کی دراز میں ہیں اور مرہم پٹی کا سامان ساتھ والی الماری میں رکھا ہے"

محمد عاقل احمد خاں سکھر

مسافر واقعی سید تھا۔ ڈاکو نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اسے سلام کیا۔ تاجی اس اصول پسندی پر تلملا کر رہ گیا۔ سوچ رہا تھا کہ سید ہونے میں اس شخص کا کیا کمال ہے؟ رحم تو اس بوڑھے پر کھانا چاہئے تھا۔ اسے تماشا دیکھتے پا کر سائیں مراد پھر گرجا۔

"تاجی!"

تاجی کا جی چاہتا تھا کہ وہ صاف صاف کہہ دے کہ تم مجاہد نہیں، ڈاکو ہو، قاتل ہو۔ لیکن وہ خواہش کے باوجود اتنی جرأت نہ کر سکا۔ مگر جو مسافر اسے غریب نظر آ رہے تھے، اس سے وہ کچھ نہیں لے رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا تھا وہ خود اس ظلم میں شریک نہیں ہو گا۔ اسے اس وقت اپنی ماں کی نصیحتیں بہت یاد آ رہی تھیں۔ اسے ڈاکوؤں سے شدید نفرت ہو رہی تھی۔ مگر عجیب بات تھی کہ وہ اپنے آپ کو ڈاکو نہیں سمجھ رہا تھا۔

تمام ڈاکو اپنی کارروائی مکمل کر چکے تھے۔ وہ سب بس سے اترے اور ڈرائیور کو حکم دیا کہ وہ فوراً سے پہلے بس بھگا لے جائے۔

ٹھکانے پر پہنچ کر سائیں مراد اپنے ساتھیوں میں لوٹ کا مال تقسیم کر رہا تھا۔ تاجی کی باری آئی۔ اس کے حصے میں پانچ سو روپیہ آیا تھا۔ سائیں نے اسے بلایا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہلا اور بولا

"سائیں..... اگر تم نے یہ رقم ظالموں سے چھینی ہوتی تو میں ضرور لیتا....."

"تقریر مت کرو۔ انکار کرو گے تو پھر صرف موت ملے گی!"

سائیں مراد کی خوفناک آواز گونجی۔

"سائیں، میں نے تمہارا اصل چہرہ دیکھ لیا ہے! مجھے واپس رام چندر کے پاس بھیج دو۔ میں اپنی ماں کی روح کو عذاب میں مبتلا نہیں کر سکتا۔ میں ڈاکو نہیں بن سکتا!"

"بکواس بند کرو....." وہ گرجا - اور کئی ایک بندوقیں تاجی پر تن گئیں!

(جاری ہے)

عابد حسین لمحات قید کرتے ہیں

وقار مصطفیٰ

رات کے کسی پہر نیوز روم کا دروازہ کھلتا، جین شرٹ میں ملبوس ایک نوجوان تیزی سے داخل ہوتا، آنکھوں میں دھول یا آنسو گیس کی وجہ سے سرخی، بال اڑے اڑے سے، کچھ تصاویر تھماتا، انہی کے بارے میں ایک آدھ بات کرتا اور یہ جا، وہ جا۔ سوچتا موقع ملا تو پوچھوں گا بھئی یہ شتابی کیسی؟ چنیوٹ میں لوگوں نے جرائم پر غم و غصہ کا اظہار یوں کیا کہ چھ سپاہیوں کو مار مار کر ہلاک کر دیا۔ تصاویر آئیں..... وہی نوجوان..... وہی تیزی اور وہی واپسی۔ تصاویر کی تفصیل کے ساتھ اسی تیزی میں لکھا ہوا تھا "فوٹو عابد حسین"

اور بہت سے واقعات ہوتے رہے اور اسی طرح یہ واقعہ بھی جس کا تذکرہ ابتدا میں ہو چکا۔ پھر ذرا فراغت میسر آ ہی گئی اور اس جلدی کی وجہ بھی کہ ایک ذمہ داری کے ختم ہونے پر دوسری کے لئے پر تولنا۔ عابد حسین نے بتایا "گذشتہ چار سال سے نوائے وقت / نیشن میں بطور فوٹوگرافر کام کر رہا ہوں"۔

بہت حیرانی ہوئی جب انہوں نے بتایا کہ فوٹوگرافی کا کوئی شوق نہ تھا کیونکہ اب کام ایسی لگن سے کرتے ہیں کہ اس پر حیرت ہوتی ہے۔ بات جاری ہے "ایف اے کے بعد والد صاحب نے مجھے "ڈان" میں اظہر حسین جعفری صاحب کے حوالے کر آئے جو اے ایف پی کے لئے بھی فوٹوگرافی کرتے ہیں۔ "ڈان" میں میں نے 1985ء سے 1988ء تک کام کیا، کچھ عرصہ "ویو پوائنٹ" میں رہا۔ پھر پنجابی اخبار سجن سے منسلک رہا۔ نوائے وقت میں ایک فوٹوگرافر کی گنجائش تھی۔ میں نے رابطہ کیا اور دوسرے ہی روز میں نوائے وقت کے لئے فوٹوگرافی کر رہا تھا"۔

"تصاویر بہت سی بنائیں..... چنیوٹ میں پولیس کے چھ سپاہیوں کو لوگوں نے ہلاک کر دیا۔ راتوں رات وہاں پہنچا، ذمہ داری نبھائی۔ فاروق آباد میں چور سپاہیوں کے چہرے قارئین کو اخبار کے ذریعے دکھائے۔ حافظ آباد میں نہر کا پل ٹوٹا، کئی لوگ ہلاک ہوئے۔ یہ تصاویر بھی رات میں بنائیں۔ جھنگ میں ضمنی انتخابات کو کیمرے کی آنکھ سے دیکھا۔ اسلام پورہ، لاہور میں تیرہ افراد کے قتل کی تصویریں سب سے پہلے میں نے ہی کھینچیں۔ اور لاہور کے تمام فوٹوگرافر حضرات میں میرا کام زیادہ سراہا گیا"۔

اخبار کے لئے تصاویر لانا کوئی آسان کام نہیں..... اس راستے پہ کہکشاں نہیں پتھر ہیں۔ پتھر بھی پڑتے ہیں، پولیس کی لاٹھیاں بھی۔ ایسا عابد کے ساتھ بھی ہوا۔ کہنے لگے "اسلام پورہ میں دو مرتبہ پولیس کی لاٹھیوں کا سامنا کرنا پڑا، ٹھڈے بھی مارے گئے۔ پنجاب اسمبلی کے سامنے ایک احتجاجی جلوس کی تصاویر بنا رہا تھا کہ لاٹھی چارج شروع ہو گیا۔ میری کمر پر بھی نشانات بنے۔ پھر مجھے لاہور کے صحافیوں نے بڑھ کر نجات دلائی"۔

کیمرے کندھے سے لٹکائے وہ پھر تیزی سے، چہرے پر مسکراہٹ لئے، کمرے سے نکل گئے۔ ابھی وہ لمحات قید کریں گے۔ کچھ دیر میں عمدہ سی تصویریں لائیں گے جو صبح اخبار کی زینت بنیں گی۔ نیچے لکھا ہو گا "فوٹو عابد حسین"۔

تحریر..... سفیان ناصر خان

لو بھئی "جان ریمبو" آرہا ہے۔ زبیر نے دور سے آتے ہوئے رومی کو دیکھ کر کہا

"نہیں بھئی ٹارزن..... دانش نے ہنسے ہوئے کہا اتنی دیر میں رومی ان کے قریب پہنچ گیا تھا۔ احمد تم نے وہ سنا ہے کہ "تنکے میں جان دیکھو اللہ کی شان دیکھو"

"ہاں سنا بھی ہے اور دیکھ بھی رہا ہوں" احمد نے رومی کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا

"اور سناؤ ٹارزن کہاں جارہے تھے؟" زبیر نے سنجیدگی سے پوچھا

"یار بس ذرا طارق روڈ تک جانا تھا دراصل مجھے ایک شرٹ لینی ہے" رومی نے آہستہ سے جواب دیا

"کیا کہا تمہیں شرٹ لینی ہے..... لو بھئی سنو..... ویسے ایک بات ہے تم شرٹ پہنو یا نہ پہنو بات تو اک ہی ہے کیونکہ تمہاری ماشا اللہ "باڈی" جو "طاقتور" ہے" احمد زبیر کو آنکھ مارتے ہوئے کہا

"ایسا لگتا ہے کہ کسی باڈس کو قمیض پہنادی ہو" دانش نے لقمہ دیا

"تم لوگ ہر وقت میرا مذاق ہی اڑاتے رہتے ہو۔ مانا کہ میں جسمانی طور سے بہت کمزور ہوں۔ پھر اس میں میرا کیا قصور؟" رومی منہ بنائے ہوئے بولا

"کیوں نہیں کیوں نہیں وہ کہتے ہیں نا کہ تنکے کی شان میں کہنے کو کچھ نہیں"

دانش نے ترنم میں شعر پڑھا اور پھر تینوں زور سے ہنسنے لگے

"میرا خیال ہے کہ تم اپنا نام "رومی" سے ہٹا کر "روئی" رکھ لو یا پھر اپنے نام کے آگے "رومی ٹارزن" لکھ لو" احمد نے اسے مشورہ دیتے ہوئے کہا

"ارے میری تو سنو۔ سنا ہے کہ موصوف آندھی میں باہر نکل گئے تھے بیچارے اڑتے اڑاتے کہیں اور ہی نکل گئے" زبیر بولا

"میاں اٹھنی رکھ لیا کرو اپنی جیب میں اگر کبھی کہیں غلط جگہ اڑ لئے تو مسئلہ ہو جائے گا" دانش نے زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے کہا

"ویسے ایک بات رومی کی باڈی ریمبو سے نہیں ملتی" احمد بولا

"ہاں واقعی ایسا لگتا ہے کہ ریمبو کو کئی برس سے کھانے کو نہیں ملا" تینوں نے مشترکہ قہقہہ لگایا۔ ادھر رومی کی حالت بہت ہی خراب تھی۔ وہ گھر سے لینے شرٹ نکلا تھا مگر زبیر، احمد اور دانش کے مذاق نے اس کے قدم واپس گھر کی طرف موڑ دیئے۔

رومی کے ساتھ ایسے واقعات عموماً پیش آتے رہتے کبھی احمد، زبیر اور دانش صاحب گروپ اسے نشانہ بناتا تو کبھی کسی اور کا گروپ اور ایسی کیفیت میں وہ یہی سوچتا کہ "وہ اگر قد میں لمبا ہے اور مسلسل بیمار رہنے کی وجہ سے اگر اس کی صحت خراب ہے تو اس میں اس کا کیا قصور ہے؟ ایسے جملے سننے کے بعد رومی کا دل چاہتا کہ وہ خوب روئے مگر ایک انجانی قوت اسے اس عمل سے باز رکھتی۔

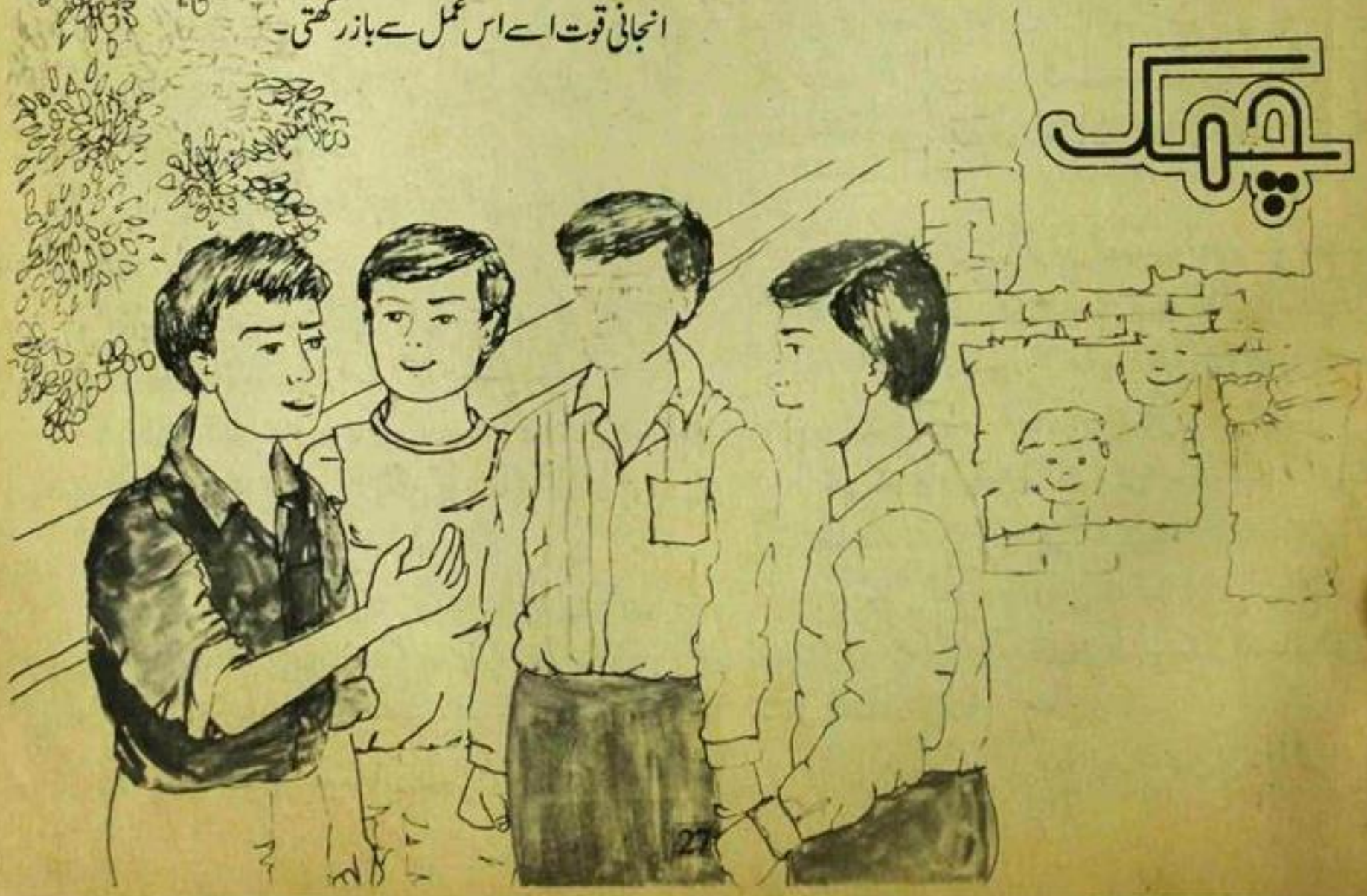

رات کو سونے کے لئے جب رومی لیٹا تو دن بھر کے واقعات اس کے سامنے اک فلم کی طرح چلنے لگے۔ آج احمد' زبیر اور دانش کے طنزیئے لہجے کا نشتر اس کے دل میں تیر کی طرح اترا تھا۔ روز تو ایسے واقعات ہوتے رہتے مگر آج نجانے کیسے اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور آنسوؤں کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ نجانے کب شروع ہو گیا۔ ساری رات وہ روتا رہا اور پھر نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

"رومی بیٹا اٹھو فجر کا وقت ہونے والا ہے" دادا جان کی میٹھی آواز نے اسے نیند سے بیدار دیا۔ "ارے یہ ہمارے بیٹے کی آنکھیں کیوں سوج رہی ہیں؟ کیا رات کو کسی مچھر وغیرہ نے کاٹ لیا تھا۔ دادا جان نے اس کی سوجھتی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا

"وہ نہیں..... دادا جان بس ایسے ہی....." رومی نے اپنا منہ دوسری طرف پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں بیٹا ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ رات کیا ابو امی نے ڈانٹا تھا؟"

"نہیں تو....."

"تو پھر..... دیکھو ہم تمہارے دوست بھی تو ہیں لہٰذا فوراً بتاؤ"

"وہ دادا جان آپ زبیر' احمد اور دانش کو تو جانتے ہی ہیں؟" وہ بولا

"ہاں وہی شرارتی لڑکے جو سارا سارا دن کھیلتے اودھم مچانے میں گزارتے ہیں۔ وہ ناجو اسکول سے نکالے ہوئے ہیں؟" دادا جان نے پوچھا

"جی دادا جان وہی احمد زبیر اور دانش..... کل دوپہر میں....." اور یوں رومی نے تمام قصہ کہہ سنایا۔

"بس تم اتنی سی بات پر رو رہے ہو؟" انہوں نے سارا قصہ سننے کے بعد پوچھا

"نہیں دادا جان بات اتنی سی نہیں ہے آپ کو شاید معلوم نہیں..... ہر ایک مجھے ایسی ہی پکارتا ہے" رومی نے روتے ہوئے کہا

"یہ رونا چھوڑو پہلے میری بات بڑی غور سے سنو..... تم سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ تمہاری کلاس میں کیا پوزیشن آتی ہے؟"

"میں فرسٹ آتا ہوں" رومی نے جواب دیا

"خوب..... اور یہ مجھے بھی معلوم ہے کہ تم اپنی کلاس کے ہی نہیں اسکول کے بھی بہترین طالب علم ہو۔ درست..... ساتھ ہی تم ایک رائٹر بھی ہو یعنی بچوں کے لئے مختلف رسالوں میں کہانیاں بھی لکھتے ہو..... میں نے صحیح کہا نا اب میرے بیٹے تم اپنا مقابلہ ان لڑکوں سے کرو تو تمہیں خود محسوس ہو گا کہ تم جسمانی لحاظ سے تو نہیں پھر ذہنی لحاظ سے ان پر سبقت لئے ہوئے ہو کیوں؟"

دادا جان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"جی بات تو آپ کی درست ہے۔ مجھے اسکول میں سب ٹیچرز اور اسٹوڈنٹ بڑا قابل سمجھتے ہیں اور اس میں مزید اضافہ جب ہوتا ہے جب میں کوئی کہانی وغیرہ لکھتا ہوں تو تمام ٹیچرز اور اسٹوڈنٹ میری تعریف کرتے ہیں۔ احمد' زبیر اور دانش میں سے ہر ایک کو ہر روز اپنے والدین سے مار پڑتی رہتی ہے۔ رومی بولا

"بس یہی فرق ہے تم میں اور ان میں" اگر تمہیں کوئی لڑکا دبلا' پتلا یا تنکا کہے تو مت سمجھ کہ تم ایسے ہو۔ یہ تو اس لڑکے کے ذہن میں جو برائی ہے وہ اسے باہر نکال دیتا ہے اب تم ہی بتاؤ کہ تم نے کسی کو برے الفاظ یا خطاب سے یاد کیا ہے؟" وہ بولے

"نہیں"

"بالکل درست کیونکہ تمہارے ذہن میں سوائے اچھائی کے کچھ نہیں ہے..... لہٰذا ان لڑکوں کا تو کام ہی یہی ہے کہ ایسے لڑکوں کو تنگ کرنا جو ان سے قابل ہوں۔ کسی بھی میدان میں..... رہا سوال تمہارے لمبے قد کا تو میاں کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کا کتنا لمبا قد تھا اور وہ کتنے دبلے پتلے تھے مگر ان کا ایک ہی کارنامہ یعنی پاکستان کو بنانا دہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ میرے خیال سے جو لڑکے تمہارے لمبے قد کا مذاق اڑاتے ہیں دراصل وہ جلتے ہیں تمہارے قد کو دیکھ کر کیونکہ ان بیچاروں کو ایسا قد نصیب نہیں ہے۔ تم یہ مت سمجھو کہ تمہارا قد تمہارے لئے عیب ہے۔ ہرگز نہیں۔ اگر تمہیں اس کی قدر معلوم کرنی ہے تو ان سے معلوم کرو جن کے قد تم سے چھوٹے ہیں۔

"تو بیٹا..... انسان میں اگر کوئی عیب ہے تو وہ یہ ہے کہ وہ بدکردار چغل خور ظالم' مغرور کنجوس ہے۔ تم میں تو ماشا اللہ ایسی کوئی بات نہیں۔ دادا جان بولے۔ رہا جسمانی کمزوری کا تو کھاؤ پیو اور ورزش کرو۔ یہ کمزوری بھی خود بخود دور ہو جائے گی۔

"میں سمجھ گیا دادا جان آئندہ میں ایسا بن کے دکھاؤں گا۔ کہ لوگ میرے کردار کی مثال دیں" رومی نے پرسکون لہجے میں کہا

"آؤ شاباش نماز کو دیر ہو رہی ہے" دادا جان نے رومی سے کہا۔

اب رومی کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جگہ ایک نئی چمک نے لے لی تھی جو صلے کی چمک اور ذہانت اور اعتماد کی چمک۔

یہ ایسی چمک تھی کہ جس نے اس کی جسمانی کمزوری کو چھپا دیا تھا۔

سفرنامہ ○ علی سفیان آفاقی

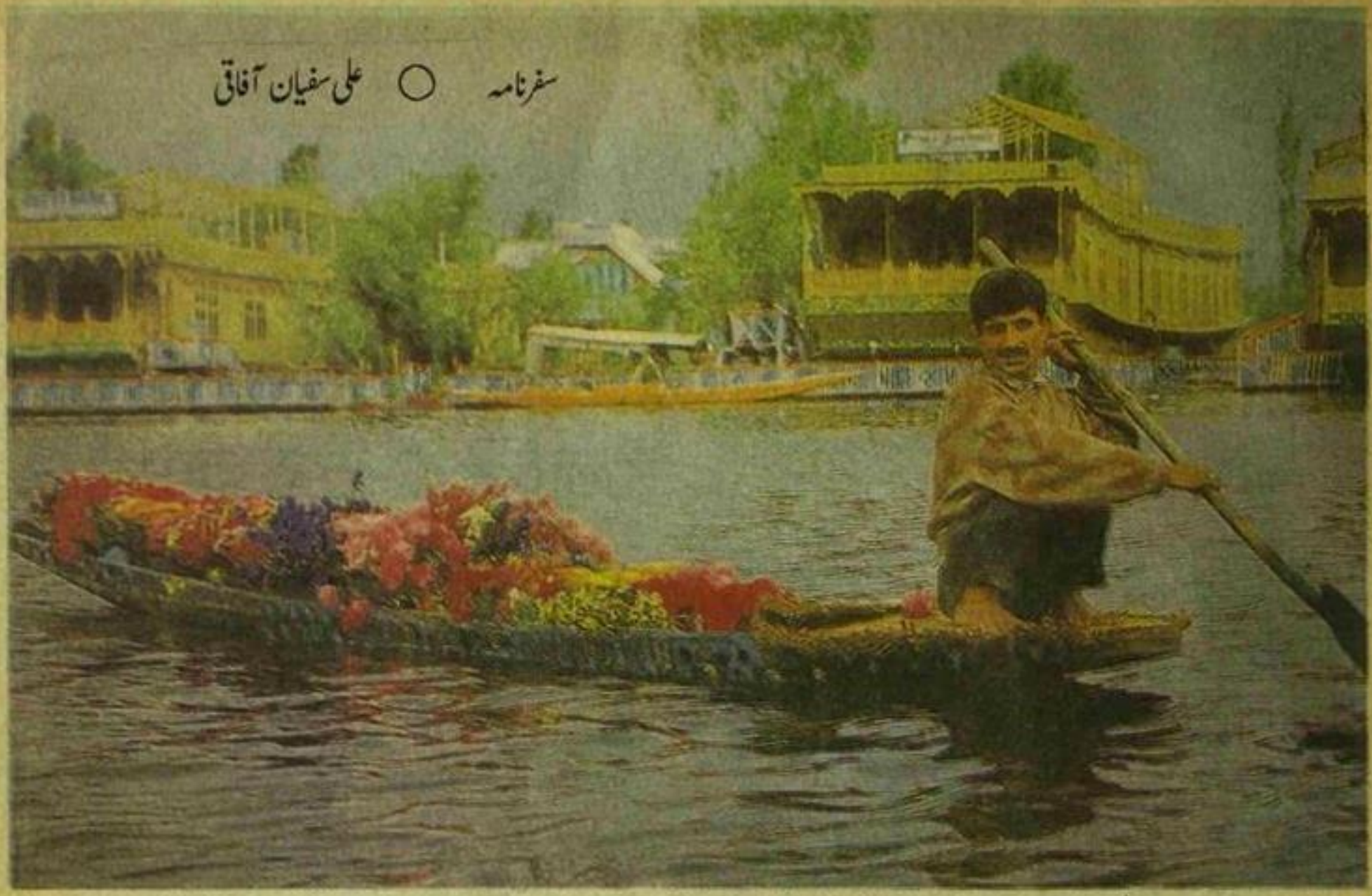

زمین پہ جنّت

سفرنامے تو آپ نے بہت سے پڑھے ہوں گے اس سفرنامے کی خوبی یہ ہے کہ جناب آفاقی صاحب نے شہر کی سیر و سیاحت اس وقت کی تھی جب ان کا بچپن کا زمانہ تھا۔ حافظہ انہوں نے بلا کا پایا ہے۔ ہماری فرمائش پر اب لگ بھگ 48۔ 47 سال کے بعد انہوں نے اپنی یادوں کو تازہ کر کے کشمیر کا یہ سفرنامہ تحریر کیا ہے۔ سفرنامے کی آپ تعریف کریں یا نہیں کریں مگر ان کے حافظے کی تعریف کرنی ہی پڑے گی۔ کیوں۔ کیا خیال ہے؟ (ایڈیٹر بھیا)

کشمیر میں مکئی' باجرہ وغیرہ تو کاشت کیا ہی جاتا ہے مگر وہاں کی سب سے مشہور فصل "زعفران" ہے۔ زعفران کا نام تو آپ نے بھی سنا ہو گا۔ انتہائی خوشبودار چیز ہوتی ہے اور دیسی کھانوں میں استعمال کی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کھانوں میں سہانی مہک پیدا ہو جاتی ہے۔ زعفران دنیا میں بہت کم ملکوں میں پیدا ہوتی ہے اور ان میں ایک کشمیر بھی ہے۔ یہاں زعفران بہت زیادہ اور بہت اچھی ہوتی ہے۔ زعفران کے کھیت کے کھیت ہوتے ہیں جو اپنے نرم و نازک پودوں اور پیلے اور سرخی مائل پھولوں کی وجہ سے انتہائی خوبصورت لگتے ہیں۔ اگر کبھی گاؤں گئے ہیں تو آپ نے گندم کے کھیت دیکھے ہوں گے۔ جب گندم کے خوشے پک جاتے ہیں اور چمکتی دھوپ میں تیز ہوا میں جھومتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے پانی کی موجیں۔ بہت خوبصورت منظر ہوتا ہے۔ مگر زعفران کے کھیت کی خوبصورتی اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے اور جب ہوا کے جھونکے ان کھیتوں میں سے پودوں سے چھیڑ خانیاں کرتے ہوئے گزرتے ہیں تو ایک عجیب و غریب سماں طاری ہو جاتا ہے۔ جب بڑے ہو کر دنیا کے مختلف ملکوں میں گئے تو ہم نے ہالینڈ میں ٹیولپ کے کھیت بھی دیکھے۔ اب تو ہمارے ہاں بھی گلاب کے پودے کھیتوں کی شکل میں لگائے جاتے ہیں اور جب پھول کھلتے ہیں تو خوب بہار دیتے ہیں۔ مگر ٹیولپ کے کھیت ان سے کہیں بڑے رقبے میں ہوتے ہیں اور ایسی ترتیب سے لگائے جاتے ہیں کہ ایک ہی رنگ کے پھولوں کے بڑے سے تختے کے بعد دوسرے رنگ کے پھولوں کا تختہ بے حد دلکش منظر پیش کرتا ہے۔ مگر ٹیولپ کے کھیت اور زعفران کے کھیت میں یہ فرق ہے کہ زعفران کے کھیت کے پاس سے گذرو تو زعفران کی عجیب سی ہلکی ہلکی خوشبو سے ساری وادی مہکتی ہوتی ہے۔ ٹیولپ کے پھولوں میں بھلا خوشبو کہاں۔ بلکہ امریکہ اور یورپ کے پھول تو صرف دیکھنے کے لئے ہوتے ہیں۔ خوشبو کسی میں نام کو نہیں ہوتی۔ گلاب کے پھولوں کی یورپ والوں نے بے شمار حسین قسمیں پیدا کر لی ہیں مگر جس طرح یورپ کے لوگ جذبات اور احساسات سے محروم ہوتے ہیں اسی طرح وہاں کے پھول بھی خوشبو سے محروم ہوتے ہیں۔ یہی حال ٹیولپ کے کھیتوں کا بھی ہے۔ ٹیولپ آپ نے کبھی دیکھا تو ہو گا۔ دراصل یہ ایک بلب کی شکل لمبوترا پھول ہوتا ہے۔ بے حد نازک اور خوبصورت بھی ہوتا ہے اس لئے ہالینڈ والے باہر کے ملکوں میں بھیج کر کروڑوں کماتے ہیں۔

ایک روز خالو ابا نے ہم سے کہا کہ چلو آج تمہیں زعفران کا کھیت دکھائیں۔ ہم نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ زعفران کا کھیت دیکھ کر بہت ہنسی آتی ہے۔ اس لئے ہم نے کہا کہ وہاں جا کر تو بہت زیادہ ہنسنا پڑے گا۔ وہ ہنسنے لگے۔ بولے۔ ارے یہ تو بس محاورے ہیں۔ ہنسی تو نہیں آتی مگر زعفران کے کھیت کو دیکھ کر اللہ کی قدرت نظر آتی ہے۔ خیر صاحب۔ ہم نے بھی زعفران کے کھیت دیکھے۔ اب کسی کو بتائیں تو وہ سن کر حیران رہ جاتا ہے۔ آج کے بہت سے بچوں نے تو کبھی زعفران بھی نہیں دیکھی۔ پھر زعفران کے کھیت یا پھول کو دیکھنے کا کیا سوال

ہے؟ سوال یہ ہے کہ زعفران بہت مہنگی ہو گئی ہے۔ کشمیر میں پیدا ہوتی ہے اور ان علاقوں پر بھارت کا قبضہ ہے۔ اس لئے بھارت سے زعفران نہیں آتی۔ باہر کے ملکوں سے جو زعفران آتی ہے وہ اور بھی مہنگی ہوتی ہے اور اس میں ویسی خوشبو اور مہک بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے آج کل کے بچے زعفران کا نام سن کر حیران رہ جاتے ہیں۔ زعفران کے کھیت دیکھ کر ہم تو خوب ہنسے۔ شاید وہ محاورہ یاد آ گیا تھا اس لئے ہنسی آ گئی۔ زعفران کے پھولوں کو شدید مونگرے کہتے ہیں۔ ان سے زعفران بنانے کا یہ طریقہ ہے کہ ان خوش رنگ مونگروں کو سائے میں رکھ کر سکھا لیا جاتا ہے تاکہ دھوپ سے خوشبو نہ اڑ جائے اور پھر ان میں سے زعفرانی رنگ کا برادہ سا نکال لیا جاتا ہے۔ یہی وہ زعفران ہے جو کھانوں کے علاوہ حکیموں کی بہت سی فائدہ مند دوائیوں میں بھی استعمال کی جاتی ہے۔

کشمیر میں ہم نے پہاڑ، خوبصورت وادیاں، اونچے اونچے چناروں سے بھرے ہوئے پہاڑ، بھی کچھ دیکھا مگر سب سے زیادہ جس چیز نے ہمیں حیران کیا وہ وہاں کی جھیلیں ہیں۔ جھیل ڈل سب سے بڑی جھیل ہے اور بے حد خوبصورت ہے۔ جھیلیں تو یورپ اور امریکہ میں بھی ہیں اور بہت بڑی بڑی بھی ہیں۔ اتنی بڑی کہ دیکھنے میں سمندر معلوم ہوتی ہیں۔ مگر ان کے آس پاس ایسا سبزہ زار، ایسے خوبصورت درخت اور باغات نہیں ہیں جیسے کشمیر کی ڈل جھیل کے آس پاس ہیں۔ نشاط جھیل اور رنگین جھیلیں بھی بہت خوبصورت ہیں مگر ڈل تو جیسے کشمیر کے ماتھے کا جھومر ہے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ ایک تو آس پاس کے مناظر جادو کر دیتے ہیں اس پر یہ کہ جھیلوں کے اندر ہی چھوٹے چھوٹے جزیرے سے بنے ہوئے ہیں۔ یہ جزیرے قدرتی نہیں ہیں بلکہ انسانوں نے بنائے ہیں۔ لکڑی اور اینٹوں کی مدد سے یہ چھوٹے چھوٹے جزیرے بنائے گئے ہیں جن پر لکڑی کے مکانات اور دوکانیں بھی ہوتی ہیں۔ یوں سمجھئے کہ چھوٹے چھوٹے محلے ہیں جو پانی کے اندر آباد ہیں۔ ان جزیروں میں آنے جانے کے لئے کشتیاں استعمال ہوتی

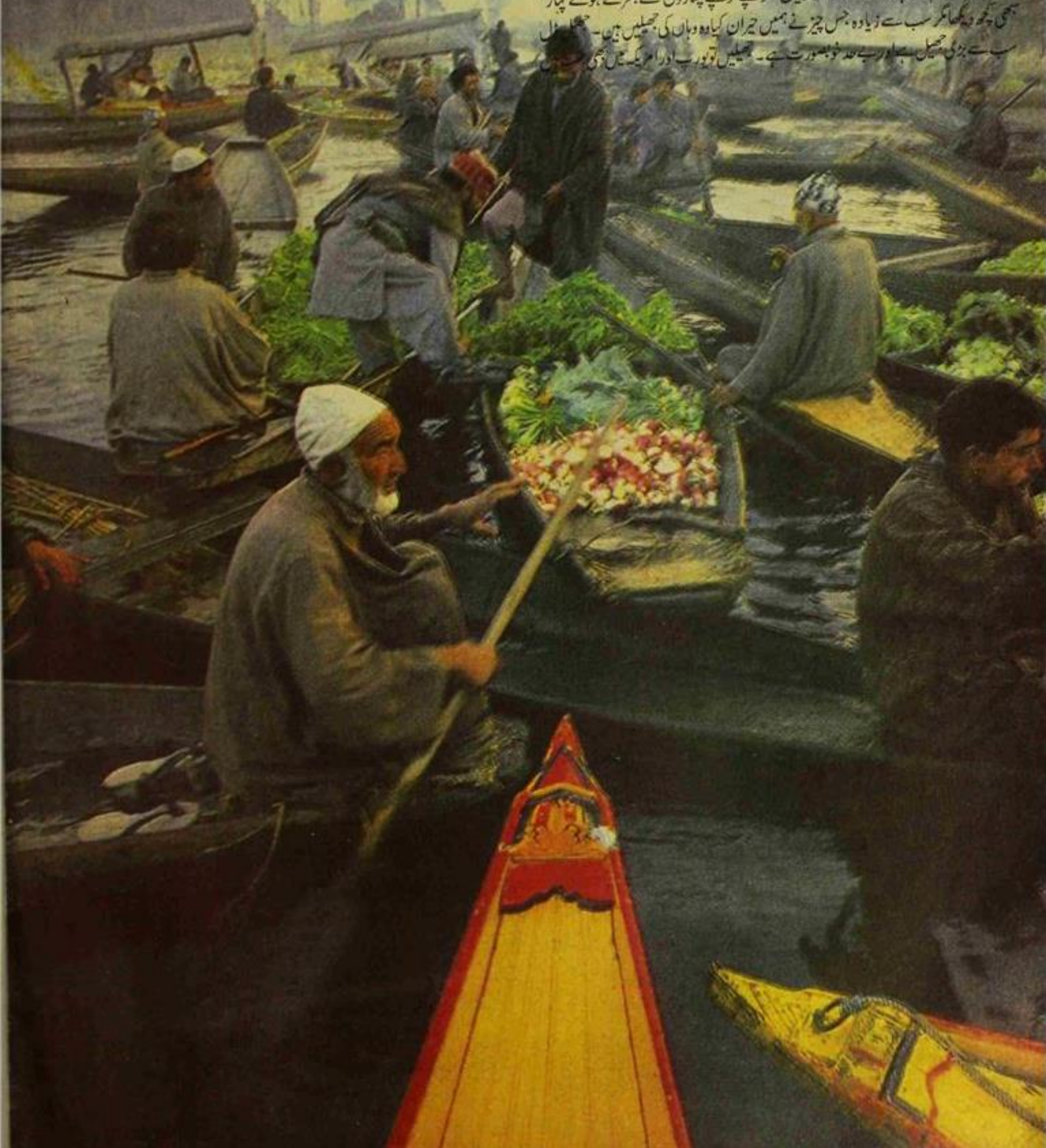

ہیں۔ اب کشتیوں کا ذکر چھڑ گیا ہے تو کشمیر کی جھیلوں اور ان کی خوبصورت سطح پر تیرتے ہوئے "آبی مکانوں" کا بھی کچھ حال سن لیجئے۔

ڈل جھیل بہت لمبی چوڑی ہے۔ میلوں تک پھیلی ہوئی ہے مگر یہ جھیل کشمیر کی ایک انوکھی خصوصیت بھی ہے۔ ہمیں تو یہ سن کر ہی بہت حیرت ہوئی تھی کہ سری نگر میں ہمارا قیام کسی ہوٹل یا مکان میں نہیں بلکہ ایک "ہاؤس بوٹ" میں ہو گا۔ "ہاؤس بوٹ" کو آپ "آبی مکان" یا پانی پر تیرتا ہوا گھر بھی کہہ سکتے ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ بھئی کشتی پر ہم کیسے رہیں گے۔ ہم نے پوچھا کہ ہم سوئیں گے کہاں؟

جواب ملا۔ ہاؤس بوٹ میں۔

ہم نے کہا۔ لیکن یہ تو بہت خطرناک بات ہے۔ ذرا سی کروٹ لیں گے تو ہم تو پانی میں گر جائیں گے۔ ہمیں تو تیرنا بھی نہیں آتا ہے۔

ہمارے کزن ہنس کر بولے۔ "ارے بھئی۔ وہ بہت بڑا مکان ہوتا ہے۔ چھوٹی سی کشتی تو نہیں ہوتی"۔

"مکان؟! کشتی میں مکان کیسے رکھا جاتا ہے؟" ہم نے پوچھا "تم تو کان ہی کھا گئے ہو۔ ارے بھئی جب وہاں پہنچو گے تو خود ہی دیکھ لینا"

اور جب ہم نے خود دیکھا تو سب سمجھ میں آ گیا۔ یہ واقعی پانی پر تیرنے والا مکان ہوتا ہے۔ جیسے مکانات ہر سائز کے ہوتے ہیں اسی طرح ہاؤس بوٹ بھی چھوٹے' بڑے' ہر سائز کے ہوتے ہیں۔ کوئی ایک بیڈ روم اور ڈرائنگ روم والا' کوئی دو بیڈ روم والا۔ یہ لکڑی کے بنائے جاتے ہیں مگر بہت خوبصورت' مضبوط اور آرام دہ ہوتے ہیں۔ کمروں میں کھڑکیاں بھی ہوتی ہیں جن سے باہر کا خوبصورت نظارہ نظر آتا رہتا ہے اور جھیل کی بھیگی ہوئی ہوا سے دل خوش ہو جاتا ہے۔ ان "ہاؤس بوٹوں" میں باورچی خانہ بھی ہوتا ہے اور غسل خانہ بھی ہوتا ہے۔ مگر جو بات ہمیں اچھی نہیں لگی وہ یہ تھی کہ برتن جھیل کے پانی میں ہی دھوئے جاتے ہیں اور غسل خانوں کی گندگی بھی جھیلوں میں ہی چلی جاتی ہے۔ بھئی ہمیں تو بہت گھن آتی۔ ویسے بہت سے لوگ برتن دھونے اور غسل خانے کے برتنوں کے لئے علیحدہ سے بھی بندوبست کر لیتے ہیں۔ مگر صفائی کا زیادہ خیال نہیں رکھا جاتا۔ باہر سے جانے والے سیاح عام طور پر ہوٹلوں کی بجائے "ہاؤس بوٹ" میں رہنا ہی پسند کرتے ہیں اور یہ ہفتوں اور مہینوں کے حساب سے کرائے پر لئے جاتے ہیں۔ دنیا بھر میں ایسے تیرتے ہوئے مکان جن کے آس پاس ایسے خوبصورت نظارے ہوں' کسی اور ملک کو نصیب نہیں ہیں۔ پھر آسانی یہ ہے کہ گھر میں بیٹھے بٹھائے ہر جگہ کی سیر کر لو۔ جس جگہ جانا ہو ملاح سے کہئے۔ وہ وہاں پہنچا دے گا اور یوں گھر بیٹھے بٹھائے آپ نئی جگہ پہنچ جائیں گے۔ ان جھیلوں میں بے شمار کشتیاں' بجرے اور شکارے تیرتے پھرتے ہیں۔ کچھ میں تفریح کرنے والے ہوتے ہیں اور کچھ میں دوکاندار۔ جی ہاں۔ یہ لوگ کشتیوں ہی میں دوکانیں لگاتے ہیں اور دوسری کشتیوں اور ہاؤس بوٹ والوں کو چیزیں فروخت کرتے ہیں۔ جیسے محلوں میں چھابڑی والے' ریڑھی والے اور دوسرا سامان بیچنے والے آتے ہیں اسی طرح یہ لوگ اپنی کشتیوں میں دوکانیں سجائے تیرتے پھرتے ہیں اور آپ ضرورت کا "تمام سامان وہیں بیٹھے بیٹھے خرید لیتے ہیں۔ ان تیرتی ہوئی دکانوں میں سبزیاں' پھل' کھانے پینے کی چیزیں' کپڑے' جوتے ہر چیز موجود ہوتی ہے اور یہی نہیں بلکہ کباب تکے بنانے والے بھی اسی طرح کشتیوں میں پھرتے رہتے ہیں۔ سنیکس بار بھی چلتے پھرتے کشتیوں میں نظر آ جاتے ہیں۔ آپ کو شربت پینا ہے۔ کافی یا چائے یا آئس کریم کی ضرورت ہے۔ بس سامنے سے گذرتے ہوئے سنیک بار والے کو آواز دیجئے اور جو چاہے خرید لیجئے۔ گرم کپڑا' ٹھنڈا کپڑا' شالیں' کمبل' دنیا بھر کا سامان ان کے پاس ہوتا ہے' اور خوب بھاؤ تاؤ بھی کرتے ہیں۔ عورتوں کی عادت تو بھی جانتے ہیں کہ دوکاندار اگر کسی چیز کی قیمت سو روپے بتائے گا تو وہ کہیں گی کہ دس روپے لے لو۔ یہ منظر جھیلوں کی خرید و فروخت میں بہت دلچسپ لگتا ہے۔ ایک خاندان شکارے میں موجود ہے یا پھر ہاؤس بوٹ کی کھڑکی میں سے ایک صاحبہ جھانک کر دوکاندار سے مول تول کر رہی ہیں جو اپنی دوکان لے کر ان کے بالکل نزدیک چلا گیا ہے اور انہیں نمونے دکھا رہا ہے۔ آپ یقین کیجئے کہ ایسا منظر پھر کبھی کسی اور جگہ نہیں دیکھا۔

اٹلی کے شہر وینس میں بھی نہروں میں کشتیاں ہوتی ہیں۔ کبھی خرید و فروخت بھی ہو جاتی ہے' مگر ایسے نظارے بھلا کہاں؟!

بہت سے کشمیری خاندان بھی چلتی پھرتی کشتیوں ہی میں گھر بنا کر رہتے ہیں۔ اسی میں رہتے ہیں' سوتے ہیں۔ اسی میں دوکان بھی ہے۔ بچے بچے کھیل رہے ہیں۔ عورتیں اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ مرد حقے لئے بیٹھے ہیں۔ ٹھنڈ زیادہ ہو جائے تو گلے میں "کانگڑی" لٹکا لیتے ہیں۔ کانگڑی ایک چھوٹی سی ٹوکری ہوتی ہے جس کے اندر ایک مٹی کا برتن رکھ دیتے ہیں۔ اس میں ایک دوا انگارے ڈال کر کانگڑی کو گلے میں لٹکا لیتے ہیں۔ اوپر سے کمبل یا چادر ڈال لیتے ہیں۔ اس طرح کانگڑی میں موجود ایک دوا انگارے سارے جسم کو گرم رکھتے ہیں۔ کشمیر میں جب برف گرتی ہے اور شدید سردی ہوتی ہے پھر بھی یہ لوگ کانگڑی استعمال کر کے اپنا بچاؤ کرتے ہیں۔ گھروں میں ایسا ہوتا ہے کہ بہت بڑا سا لحاف کمرے کی چاروں دیواروں تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے درمیان میں ایک جگہ ذرا لحاف اونچا کر کے انگیٹھی رکھ دی جاتی ہے۔ اس طرح نہ صرف سارا لحاف بلکہ سارا کمرہ گرم ہو جاتا ہے۔ سارے گھر کے لوگ اسی لحاف میں انگیٹھی کی جانب ٹانگیں کر کے لیٹ جاتے ہیں اور بڑے مزے سے باتیں کرتے کرتے سو جاتے ہیں۔ گرم کشمیری چائے اور قہوے کے دور بھی چلتے ہیں۔ سماوار میں چائے پکتی رہتی ہے جسے سب گھر والے مزے لے لے کر پیتے ہیں۔ کہئے۔ ایسا ماحول اور منظر کشمیر کے سوا کہیں اور بھی ہوتا ہے؟

لیکن افسوس یہ باتیں تو اب خواب لگتی ہیں۔ کشمیر اب خوبصورتی کا نہیں ظلم اور درندگی کا گھر بن چکا ہے۔ اس کی وادیاں جل رہی ہیں۔ عورتیں اور بچے بھارتی قابض فوجیوں کے رحم و کرم پہ ہیں ان درندوں نے پوری وادی کا سکون صرف اس لئے تباہ کر رکھا ہے کہ وہاں کے لوگ آزادی چاہتے ہیں۔ پاکستان کے ساتھ الحاق چاہتے ہیں۔ ان کی بھی خواہش ہے کہ وہ دنیا کے دوسرے ملکوں کی طرح ترقی کریں' مگر بھارتی حکومت اور فوج اس کوشش میں ہیں کہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے کشمیری عوام کو دبا کر رکھیں۔ اس لئے ہر طرف ظلم کا بازار گرم ہے۔ ہاؤس بوٹیں ویران پڑی ہیں۔ کھیت اور وادیاں بنجر ہو رہی ہیں۔ ہاں ایک نئی فصل ضرور اگی ہے۔ آپ اسے ظلم کی فصل بھی کہہ سکتے ہیں۔ ہزار ہا بہادر اور آزادی پسند کشمیری نوجوانوں کے سروں کو ان کے جسموں سے جدا کیا جا چکا ہے۔ بستیوں کی بستیاں جلا کر راکھ کر دی گئی ہیں۔ ہم اور آپ تو صرف ان مناظر کا تصور کر سکتے ہیں لیکن یہ بہادر کشمیری باشندے نہ صرف اس صورت حال کا مقابلہ کر رہے ہیں بلکہ اچھے اور خوشگوار مستقبل کیلئے پاکستان سے الحاق تک اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ہماری دعائیں اور وفائیں یقیناً ان کے ساتھ ہیں۔ اللہ کرے آنے والے کل جب بھی آپ کشمیر کی وادیوں کی سیر کو جائیں تو نہ صرف وہ پاکستان کا حصہ ہوں بلکہ امن اور محبت کا گھر بھی ہوں۔

ہم نے جب کشمیر دیکھا تھا اس وقت ہمیں بہت سی باتوں کا پتہ نہیں تھا۔ مگر اب ہم ایک بار پھر کشمیر جانا چاہتے ہیں۔ چمن کے سیب تو بہت کھا لئے۔ اب کشمیر کے سیب کھانا چاہتے ہیں۔ زعفران کی خوشبو سونگھنا چاہتے ہیں۔ ڈل جھیل کی سطح پر ہاؤس بوٹ میں رہ کر بیٹھے بٹھائے ہر جگہ کی سیر کرنا چاہتے ہیں۔ چلتی کشتیوں اور شکاروں میں سجی ہوئی دوکانوں سے چیزیں خریدنا چاہتے ہیں۔ اللہ میاں نے ہمیں بہت خوبصورت پہاڑ اور وادیاں عطا کی ہیں' دریا بھی ہیں' میدان اور ریگستان بھی ہیں۔ سمندر بھی ہے اور ساحل بھی ہیں۔ بس اگر کمی ہے تو صرف کشمیر کی۔ اللہ نے چاہا تو یہ کمی بھی بہت جلد پوری ہو جائے گی اور جس طرح آپ اور ہم ہر سال مری سوات کاغان اور گلگت جاتے ہیں اسی طرح کشمیر بھی جایا کریں گے۔ انشا اللہ شاید آپ کو یہ تو معلوم ہو گا کہ کشمیر زیادہ دور نہیں ہے۔ ایک زمانے میں مری کے راستے ہی کشمیر جاتے تھے۔ اور راستے میں مری میں بھی رک جاتے تھے۔

اس لئے ہم سوچ رہے ہیں کہ ابھی سے مری کے کسی ہوٹل میں کمرہ بک کرا لیں تاکہ کشمیر جاتے ہوئے وہاں ٹھہرنے میں آسانی رہے۔ پاکستان کے ساتھ الحاق کے بعد انشا اللہ کشمیر بھی ترقی کی راہ پر چل نکلے گا اور ہم سب سچ مچ اسے دنیا کی جنت بنا دیں گے۔ ایسی جنت جسے ساری دنیا کے لوگ دیکھنے آیا کریں گے۔

نئو بصورت

گھر بھی ۔ تصویر بھی

پھول

مجھے شہرت
اللہ کے فضل
اور نماز کی
باقاعدگی کے
باعث ملی

پاکستانی ریمبو - افضل خان

پھول سے بچوں کیلئے

پھول

وسیم فیروز

دُوسروں کو غلطی پر مجبور کرتا ہے

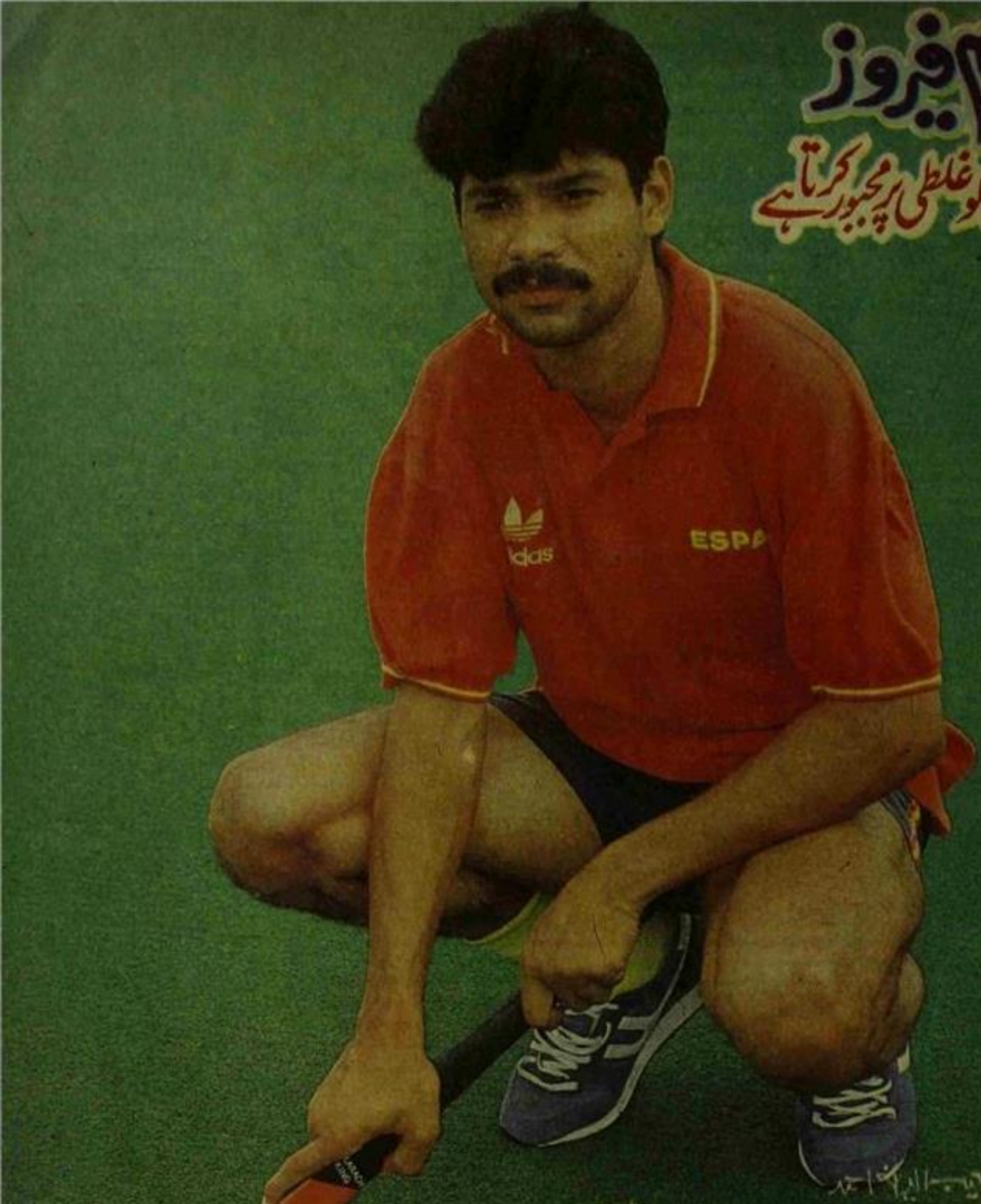

سید ابو ظہیر ایڈووکیٹ

10 ستمبر 1966ء کو کراچی میں پیدا ہونے والے پاکستان ہاکی ٹیم کے لیفٹ آؤٹ وسیم فیروز کا شمار موجودہ دور کے تیز ترین فارورڈز میں ہوتا ہے۔ صرف اس سے سیکنڈوں میں کیلنڈ ایکر مخالف ٹیم کے گول پوسٹ تک پہنچنا ان کے لئے معمولی بات ہے۔ پنلٹی کارنر پر گول کرنا ہو۔ ہر دور میں ہر ٹیم کی فتح میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ وسیم فیروز مخالف کھلاڑی کو غلطی پر مجبور کر کے پنلٹی کارنر حاصل کرنے میں ماہر ہیں۔ خالد حمید کی آمد کے بعد سے ان کے اس کمال کے باعث پاکستانی ٹیم اب پنلٹی کارنر پر بھی گول کرنے لگی ہے اور ان کے حاصل کردہ پنلٹی کارنر ضائع بھی کم ہوتے ہیں۔ کپتان شہباز احمد اور وسیم فیروز کے درمیان بننے والی تیز رفتار موو مخالف کھلاڑیوں کو پریشان کر دیتی ہیں۔ 1983ء سے اب تک وہ تمام اہم ٹورنامنٹوں میں پاکستان کی نمائندگی کر چکے ہیں۔ اور بے شمار مواقع پر کامیابی کی راہ ہموار کر چکے ہیں۔

پھول ہر جگہ مقبول

تحریر و تصاویر محمد یامین صدیقی

پھول جیسے پیارے بچوں ہمیں معلوم ہے کہ آپ ہر ماہ اپنے پسندیدہ پھول کا بڑی بے تابی سے انتظار کرتے ہیں۔ آپ کو یہ جان کر اور بھی خوشی ہوگی کہ آپ کی طرح ملک کی بہت سی اہم شخصیات بھی آپ کے پیارے رسالے کو آپ ہی کی طرح چاہتی اور پسند کرتی ہیں ان میں سے اکثر نہ صرف پھول باقاعدگی سے پڑھتے اور پسند کرتے ہیں بلکہ اس کی تقریبات میں بڑی خوشی سے شرکت کرتے ہیں اور ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے بھی پھول پڑھیں ہم اس ماہ سے پھول پڑھنے والی اہم شخصیات کے تاثرات کا ایک دلچسپ سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔ آیئے ان معروف شخصیات سے ملتے ہیں۔

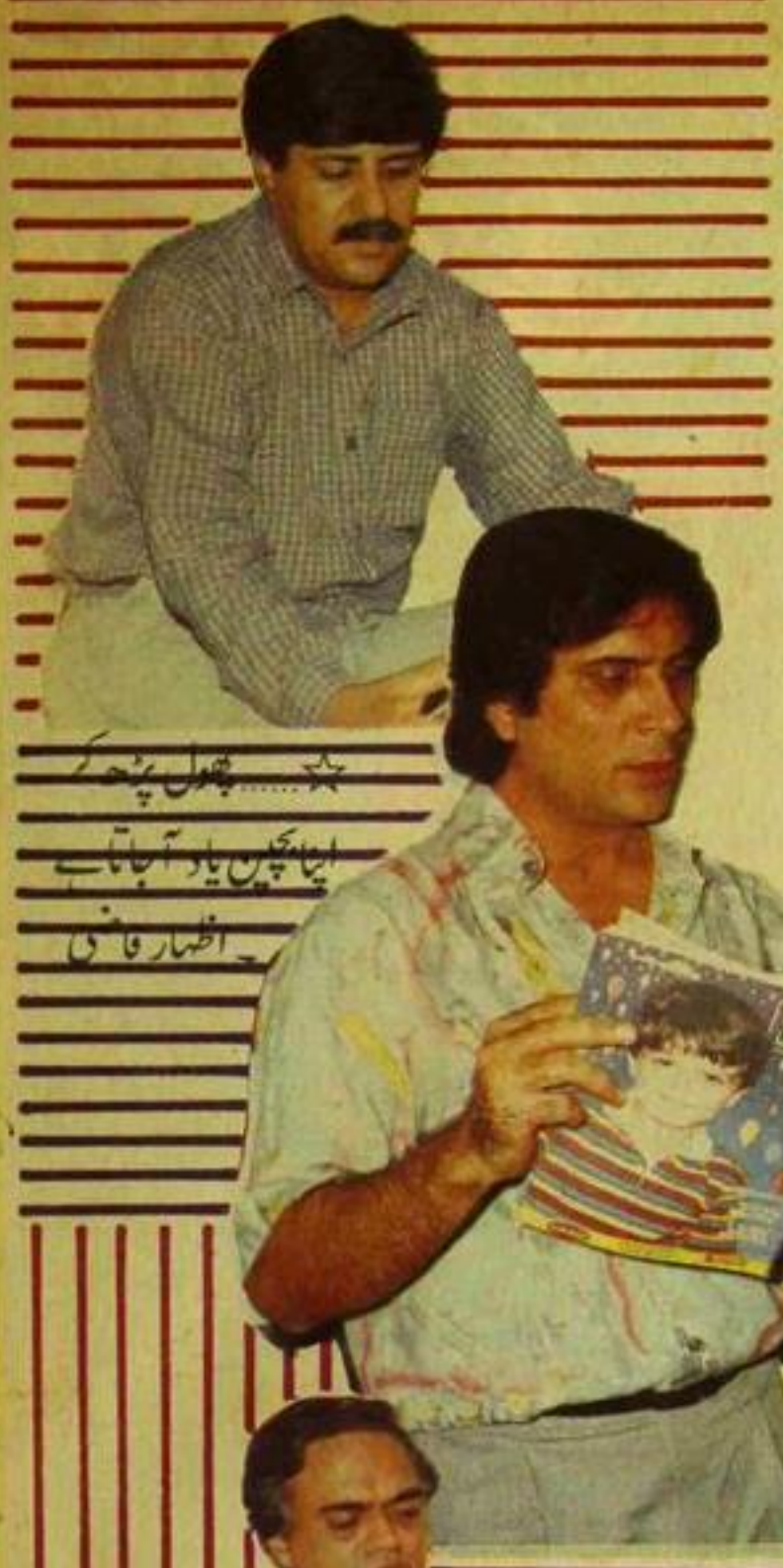

☆.....پھول پڑھ کر
اپنا بچپن یاد آجاتا ہے
اظہار قاضی

☆.....بچے خوش قسمت ہیں
کہ ایسا رسالہ پڑھنے کو ملتا ہے۔
ایس ایچ ہاشمی

☆.....مجید نظامی صاحب
کو اتنا اچھا رسالہ شروع
کرانے کی مبارک ہو۔ توقیر ناصر

☆.....پھول میں تفریح
اور معلومات کا مناسب
توازن ہے۔ جاوید جبار

☆.....پھول کو بچے ہی نہیں ہم
بڑے بھی پڑھتے ہیں۔ اشرف خان

اظہار قاضی ۔

ہمارے ملک کے جانے مانے فنکار ہیں۔ ان سے م لاقات ہوئی تو کہنے لگے۔

پیارے پیارے پھول جیسے بچوں میں نے آپ کا یہ پیارا رسالہ دیکھا اسے خوب غور سے پڑھا تو مجھے اپنا بچپن یاد آ گیا میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں پھول باقاعدگی سے پڑھا کروں گا اور بہت جلد پھول رسالہ کی معرفت آپ سے ملاقات کروں گا۔

توقیر ناصر:۔

(ٹی وی ڈرامے کے حوالے سے اہم نام ہے) پھول کے بارے میں کہتے ہیں۔

پیارے پھول بچوں میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ اتنا اچھا رسالہ ہر ماہ پڑھتے ہیں مجید نظامی صاحب اور ایڈیٹر بھیا کو بھی مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے آپ بچوں کے لئے اتنا معیاری خوبصورت اور دیدہ زیب پرچہ نکالا۔ آپ دل لگا کر اپنا سبق بھی پڑھا کریں اور پھول بھی۔

اشرف خان:۔

(فنی فنی کا مشہور کردار تھے۔ آج کل سٹیج پہ ڈرامے کرتے ہیں)

آجکل بچوں کیلئے یوں تو بہت سے پرچے نکل رہے ہیں۔ لیکن جو انفرادیت پھول رسالے میں ہے اور کسی رسالے میں نظر نہیں آتی۔ یہ ایسا پرچہ ہے جیسے بچوں کے علاوہ بڑے بھی پڑھتے ہیں اور پسند کرتے ہیں۔ سمجھ دار والدین اپنے بچوں کے لئے پھول رسالے کا انتخاب ہی کرتے ہیں۔ بھی بھی پسند کرتا ہوں کہ میرے بچے صرف پھول رسالہ ہی پڑھیں۔

☆..... جاوید جبار

(بے نظیر حکومت میں وفاقی وزیر اطلاعات تھے۔ ایک معروف ایڈورٹائزنگ ایجنسی ایم این جے کے مالک ہیں) پھول کے بارے میں کہنے لگے۔

سب سے پہلے تو میں ماہنامہ پھول کو تیسرے سال میں قدم رکھنے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں جو یقیناً اس بات کی علامت ہے کہ یہ بچوں میں پسند کیا جا رہا ہے۔

جب ہم کسی ملک کے ادب یا لٹریچر کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں بچوں کے ادب کی بھی خاص اہمیت ہوتی ہے۔ ایسا ادب جو ان ننھے ذہنوں کی تربیت کر سکے۔ جنہیں آنے والے وقت میں ملک کی باگ ڈور سنبھالنی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں نہ صرف ریڈیو اور ٹی وی پر بچوں کو مناسب نمائندگی نہیں دی گئی بلکہ ان کے لئے لکھی گئی اچھی کتابوں کی کمی بھی ہر دور میں محسوس کی جاتی رہی ہے۔

لہٰذا بچوں کے لئے شائع ہونے والے ماہناموں پر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ اس کمی کو پورا کریں۔ آج کا بچہ کمپیوٹر کے دور میں سانس لے رہا ہے اسے جنوں اور پریوں کی کہانیوں سے نہیں بہلایا جا سکتا۔ ماہنامہ پھول مجھے ذاتی طور پر اسی لئے پسند ہے کہ اس میں تفریح اور معلومات کا ایک مناسب تناسب موجود ہے اگر ایک جانب اس میں دلچسپ کہانیاں شائع کی جاتی ہیں تو دوسری جانب کوئز مقابلے، سپورٹس، بچوں سے متعلق تقریبات کی رپورٹس، سفر نامے، عالمی خبریں اور کلینک جیسے سلسلے بھی موجود ہیں جو اسے ایک مکمل اور جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ میگزین بناتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ میگزین اپنے معیار کو مزید بہتر بنائے گا۔

☆..... ایس ایچ ہاشمی

ایس ایچ ہاشمی (ایڈورٹائزنگ ایسوسی ایشن پاکستان کے صدر میں اور مشہور کمپنی اورینٹ کے مالک) پھول کے بارے میں ان کی رائے یہ تھی کہ ہمارے بچے خوش قسمت ہیں۔ جنہیں ایسا معیاری رسالہ پڑھنے کو ملتا ہے۔ جتنا معیار پرچے کا بلند ہو گا ہمارے بچوں کا کردار بھی بلند ہو گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید ضمیر جعفری
ایچ 23 ایس ٹی 33 سی 9/1
اسلام آباد
ٹیلیفون نمبر 856290

تاریخ 7/11/92.....

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پھول کوئز

انعام کیلئے تعاون

مکتبہ تعمیر انسانیت

اردو بازار لاہور

پھول کوئز۔ 5

آیئے ذہانت آزمایئے اور انعام پایئے۔ آپ کے جواب ہمیں 12 دسمبر تک ضرور مل جانے چاہئیں۔

☆..... تیتر کے دو آگے تیتر۔ تیتر کے دو پیچھے تیتر۔ بولئے کل کتنے تیتر

الف۔ پانچ ب۔ چار ج۔ تین

☆..... اس ملک کا نام بتایئے جہاں والدین قانوناً اپنے بچوں کی پٹائی نہیں کر سکتے

الف۔ سپین ب۔ سویڈن ج۔ سعودی عرب

☆..... قرآن مجید کے کونسے پارے میں سب سے زیادہ سورتیں ہیں؟

الف۔ پچیسویں ب۔ دوسرے ج۔ تیسویں

☆..... "میں بت شکن ہوں بت فروش نہیں" یہ تاریخی جملہ ایک عظیم مجاہد بادشاہ نے ہندوؤں سے کہا جو اسے زیورات اور پیسے دے کر بتوں کو توڑنے سے بچانا چاہتے تھے۔ اسکا نام بتایئے

الف۔ فیروز خاں تغلق ب۔ اورنگزیب عالمگیر ج۔ محمود غزنوی

☆..... اس معصوم اور شریف جانور کا نام بتایئے جو کبھی نہیں بولتا۔ یاد رہے یہ سر گھمائے بغیر پیچھے بھی دیکھ سکتا ہے۔

☆..... اس جانور کا نام بتایئے جو اکثر کھڑے کھڑے اپنی نیند پوری کر لیتا ہے

الف۔ زیبرا ب۔ ہاتھی ج۔ کنگرو

چند آئندہ رنگین لیٹر پیڈ استعمال مت کیجئے گا پڑھنے میں دقت پیش آتی ہے نا

محمد وقار ناصر (ٹوبہ ٹیک سنگھ) محمد شفیق الرحمان (ملتان کینٹ) انجم رضا اعوان (چکوال) زینب اعجاز سندھو (میاں چنوں) زینت اعجاز سندھو (میاں چنوں) غلام عائشہ (تلہ گنگ) محمد علی جواد (لاہور) ون) اسماء سعید (ساہیوال) محمد فیاض (گلبرگ III لاہور) تسمیہ احمد (جہانیاں) ثناء زہرا (لاہور) عرفان احمد رشیدی (شیخوپورہ) صائمہ صدیق (لالہ موسیٰ گجرات) (آئندہ سرخ بال پین استعمال نہ کیجئے گا) رفعت ممتاز (فیروز والہ شیخوپورہ) ناہید انجم (لاہور) حافظ قاسم مسعود (لاہور) حافظہ خولہ کوثر (لاہور منصورہ) عاصمہ خلیل (لاہور) عارف غلام (لیاری کراچی) خالد محمود کھوکھر (کوئٹہ) دانش اصغر (سرگودھا) محمد خان مغل (میلسی وہاڑی) بدر النساء قریشی (جہلم) طوبیٰ اعجاز سندھو (میاں چنوں) علی رضا سندھو (میاں چنوں) ثمین رسول مس غزالہ یاسمین (ٹوبہ ٹیک سنگھ) ثمائلہ رسول (ٹوبہ ٹیک سنگھ) فرحان رسول ذیشان رسول فریحہ رسول عروج رسول صدف رسول 'نظامی دین 'چودھری غلام رسول' (ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ) اسماعیل عبدالرحمان (کراچی) محمد اطہر نواز (ملتان شہر) ریحانہ رمضان (خانیوال) آمنہ عبدالمجید (جگہ نامعلوم) عبدالرحمان (فیصل آباد) احسان الحق فاروقی (فیصل آباد) محمود علی خان (مظفر گڑھ) محمد حارث ارائیں (کوٹ اسلام) مصباح حسین (رحیم یار خان) حافظ عتیق الرحمان سیف (کھاریاں گجرات) جمشید خان (کامرہ اٹک) ارم انجم کامران 'عائشہ 'افشاں' سارہ 'شہباز' (راولپنڈی) صائمہ دلدار (جھمبر پونچھ) آصف محبوب (کچا کھوہ خانیوال) محمد ذیشان چشتی (ڈیرہ غازی خان) سعدیہ جہاں نوید آفتاب (تلہ گنگ) اطہر رضا اجنبی (کراچی) فریحہ اکرم' عاصم ندیم' (کھکڑ منڈی' گوجرانوالہ) سعدیہ نوید (چونیاں) زعیم جاوید (لاہور) آفتاب احمد (کھکڑ منڈی) حسنین رضا (کمالیہ ٹوبہ ٹیک سنگھ) محمد شکیل (کوٹلی آزاد کشمیر) ساجدہ 'خالدہ شگفتہ (تلہ گنگ) محمد ذکی (لاہور کینٹ) شیخ اکرام الحق (ملکہ ہانس) پاک پتن شریف) سعدیہ طیبہ (تلہ گنگ) وحید عامر (بورے والہ) راجہ تصدق معراج حیدر' شہراز کھوسٹ (راولپنڈی) محمد ندیم (چنیوٹ' جھنگ) ارم ایمن ملک (راولپنڈی) سائرہ صفدر (ڈی جی خان) رائے فیصل شہباز (لاہور) شائستہ شبیر (احمد پور شرقیہ) میاں افغان شریف 'الہ آباد (چونیاں)

ان بچوں کے نام یہ ہیں جن کے بھیجے گئے کارڈ بالکل درست حل بذریعہ قرعہ اندازی انعام کے حقدار ٹھہرے آپ سب کو انعامی کتابیں مبارک ہوں۔

1..... محمد اظہر انصاری مکان نمبر 1/941 محلہ فاضل دیوان کمالیہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ۔

2..... انجم رضا اعوان ڈھوک بالدیاں۔ راجنہ سادات تحصیل و ضلع چکوال

3..... نوید احمد محلہ تحصیل گلستان سٹریٹ 'چکوال سٹی (48800)

4..... ثناء زہرا فلیٹ نمبر 6 عالم سنٹر شادمان مارکیٹ شادمان کالونی لاہور۔

5..... تسمیہ احمد معرفت مطب حکیم محمد عبداللہ 'جہانیاں ضلع خانیوال

6..... رفعت ممتاز بنت میاں محمد رفیع ایڈووکیٹ 'نزد جامع مسجد قلعہ بیتا موضع حدوکے' منڈی مریدکے

7..... غلام عائشہ معرفت عبدالرؤف دوکاندار بمقام وڈا کھانہ مرجان 'تحصیل تلہ گنگ 'ضلع چکوال۔

8..... صائمہ صدیق معرفت عبدالمجید مرحوم تانگے والا مکان نمبر 213 محلہ چراغ پورہ گلی اڈے والی لالہ موسیٰ

9..... عرفان احمد بشیری گلی ملک صدرین بھٹہ والے محلہ مسلم گنج شاہدرہ روڈ شیخوپورہ

10..... محمد فیاض معرفت اللہ والا سلور جیولرز 4 کمرشل زون ملت ٹاؤن شاہدرہ سٹریٹ گلبرگ III لبرٹی لاہور

بچوں کا ایک مفید اور معلوماتی سلسلہ جسکی انفرادیت اور دلچسپی کے سبھی قائل ہیں..... بچوں اور ان کی صحت سے محبت کرنے والے نوجوان مصنف جناب ڈاکٹر اظہر اے انور کا سلسلہ..... آپ بھی صحت اور مسائل پر مشورے بھی لے سکتے ہیں

پھول کلینک

ڈاکٹر اظہر اے انور

سردیوں کی آمد آمد تھی شام کو ہلکی ہلکی دھوپ بڑا سرور دے رہی تھی، مسز حامد بڑے خوشگوار موڈ میں پکوڑے بنا رہی تھیں وہ خوش بھی کیوں نہ ہوتیں آج ہی ان کے میاں حامد صاحب کو اپنی ترقی کی خوش کن خبر ملی تھی آفس سے آتے ہوئے وہ مٹھائی لیتے آئے تھے اور باہر اب مختصر سے صحن میں بیٹھے عالی سے باتیں کر رہے تھے۔

پکوڑوں کی مہک سارے کچن میں پھیلی ہوئی تھی اور گھر کے صحن سے ہوتی ہوئی ہمسایوں کے گھر تک پہنچ رہی تھی کیونکہ وہاں بھی ایک ننھا بچہ منہ میں پانی لاتے ہوئے اپنی والدہ سے پکوڑوں کی فرمائش کر رہا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد چائے اور پکوڑے لئے مسز خاور آہستگی سے چلتی ہوئی صحن تک آئیں۔ دھیرج سے برتن میز پر رکھے عالی کو کچھ پکوڑے اور مٹھائی کے ساتھ ہمسایوں کے ہاں بھیجا اور تشویش بھرے انداز سے دروازے کی طرف دیکھنے لگیں۔

وہ اسد کے انتظار میں تھیں جس نے امی کو پکوڑے بناتے دیکھا تو مچل اٹھا کہ اگر سموسے بھی ساتھ ہوں تو اور مزہ آجائے گا۔ امی کو مسکراتا پایا تو وہ ابھی آیا کہہ کر باہر دوڑ گیا۔ ان کے محلے کے سموسے شہر بھر میں مشہور تھے۔ اور 8 سالہ اسد کو سموسوں سے بڑھ کر شاید ہی کوئی چیز عزیز ہو۔ سموسے اسے کیوں اور کیسے پسند تھے "تاریخ" اس بارے میں ہمیں کچھ نہیں بتاتی۔ کھانے پینے کا موقع ہو اور سموسے لئے موجود نہ ناممکنات میں سے تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ابو کے دیکھا دیکھی عالی بھی اسے سموسہ 'سموسہ کہنا شروع ہو گیا تھا۔ اور حیرت کی بات یہ تھی کہ اس خطاب پر اسد ناراض ہونے کی بجائے الٹا خوشی محسوس کرتا۔

عالی ہمسایوں کے ہاں پکوڑے اور مٹھائی دے کے لوٹ آیا تھا اس کا جی بار بار پکوڑے اٹھانے کو کر رہا تھا لیکن اسد کی آمد کے کوئی آثار دور اور نزدیک قطعاً دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ اب امی کے چہرے پر پریشانی واضح طور پر نظر آرہی تھی۔ سموسوں کی دکان بھی کوئی اتنی دور نہیں تھی کہ واپسی میں اس قدر دیر ہو جاتی اور پھر وہاں تو سموسے ہر وقت تیار ملتے تھے۔ ابھی سارے اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ کیا کیا جائے کہ کسی نے زور زور سے دروازہ دھڑ دھڑانا شروع کر دیا۔ امی کے منہ سے بے اختیار نکلا یا اللہ خیر کرنا..... حامد صاحب تیزی سے دروازے کی طرف لپکے۔ دروازہ کھولا تو سامنے سموسوں والے بھولے کے ہاتھوں میں اسد جھول رہا تھا۔

امی کی آنکھوں کے آگے اک دم اندھیرا سا آگیا۔ وہ دھم سے زمین پر بیٹھ گئیں اور بے اختیار رونا شروع کر دیا۔

بھولے کیساتھ کچھ بزرگ صورت ہستیاں اور بھی تھیں۔ ان میں سے ایک نے بتایا کہ اسد تیزی سے بھولے کی دکان کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک اوپر سے کسی نے سبزی کے چھلکوں سے بھرا ہوا لفافہ پھینکا۔ وہ لفافہ عین اسد کے سر کے اوپر ٹکرایا اسد بدحواس ہو کر جو پیچھے ہٹا تو اس کا پاؤں پھسلا گرتے گرتے اس کا سر گلی میں پڑی ایک ٹوٹی ہوئی اینٹ سے ٹکرایا اور تب سے یونہی بے ہوش ہے ہم بھاگ کر اس کے پاس پہنچے ہلایا جلایا پیروں پر مالش کی۔ منہ میں پانی اور دودھ بھی ٹپکایا مگر اسد ہوش میں نہیں آیا پھر کسی نے کہا کہ حامد صاحب کو تو اطلاع دو تاکہ اسد کو کسی ڈاکٹر کے پاس لے جایا جا سکے۔ اور یوں ہم اسے اٹھا کر آپ کے پاس لے آئے ہیں۔

حامد صاحب نے گھبراہٹ چھپاتے ہوئے جھک کر اسد کی نبض دیکھی نبض بہت مدہم تھی اور غور کیا تو سانس بھی بہت مدہم اور بے ترتیب سا لگا سر پہ چوٹ کا کوئی خاص نشان نہیں تھا البتہ ناک سے ہلکا سا خون بہہ کر جم چکا تھا ان کے دیکھتے ہی دیکھتے اسد کا مدہم مدہم سانس رکنے لگا اور پھر سینے کا اتار چڑھاؤ بھی رک گیا۔ حامد صاحب کے ہاتھ پاؤں تو پہلے ہی پھولے ہوئے تھے۔ کچھ سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں۔ اتنا ہوش بھی نہیں تھا کہ کسی سے کہہ سن کر کوئی رکشہ یا ایمبولینس ہی منگوالیں۔ وہ تو ایک صاحب اپنے آپ ہی چلے گئے۔ عالی جو کالج میں سال اول کا طالب علم تھا اس کے ذہن میں یکدم کوئی خیال بجلی کی طرح کوندا اس نے تیزی سے اپنا چہرہ اسد کے ناک کے قریب کیا تاکہ سانس کی آمد و رفت کے بارے میں پتہ چل سکے۔ سانس تو بند ہو چکا تھا سینہ بھی ساکت ہو چکا تھا۔ اسد کے چہرے پر پیلاہٹ چھاتی جا رہی تھی۔ عالی نے اسد کی ٹھوڑی کو آگے کی طرف کھینچا اور اپنا منہ اسد کے منہ سے ملا کر اسے فوری طور پر مصنوعی تنفس دینے لگا۔ امی کے رونے کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی اور باقی سارے دم سادھے عالی اور اسد کو دیکھ رہے تھے۔ دماغ کو پہنچنے والی وہ چوٹ جو گرنے سے یا کسی کند چیز کی ضرب سے پہنچے طبی اصطلاح میں "کن کشن" کہلاتی ہے سر کی جلد اس کیفیت میں بظاہر بالکل ٹھیک ہوتی ہے کسی قسم کا زخم یا کوئی نشان بھی محسوس نہیں ہوتا لیکن مضبوط ہڈی کے خول میں موجود دماغ تک نقصان اکثر و بیشتر صورتوں میں پہنچ چکا ہوتا ہے اور بعض اوقات تو اندر خون کی لیکیج ہونا بھی شروع ہو چکی ہوتی ہے۔

بچے اوائل عمری سے ہی وقتاً فوقتاً اپنی شرارتوں یا دوسروں کی شرارتوں کی وجہ سے سر پر چوٹیں کھاتے رہتے ہیں اونچی چیزوں پر چڑھتے ہوئے چارپائیوں سے گرتے ہوئے اور چلنے کی

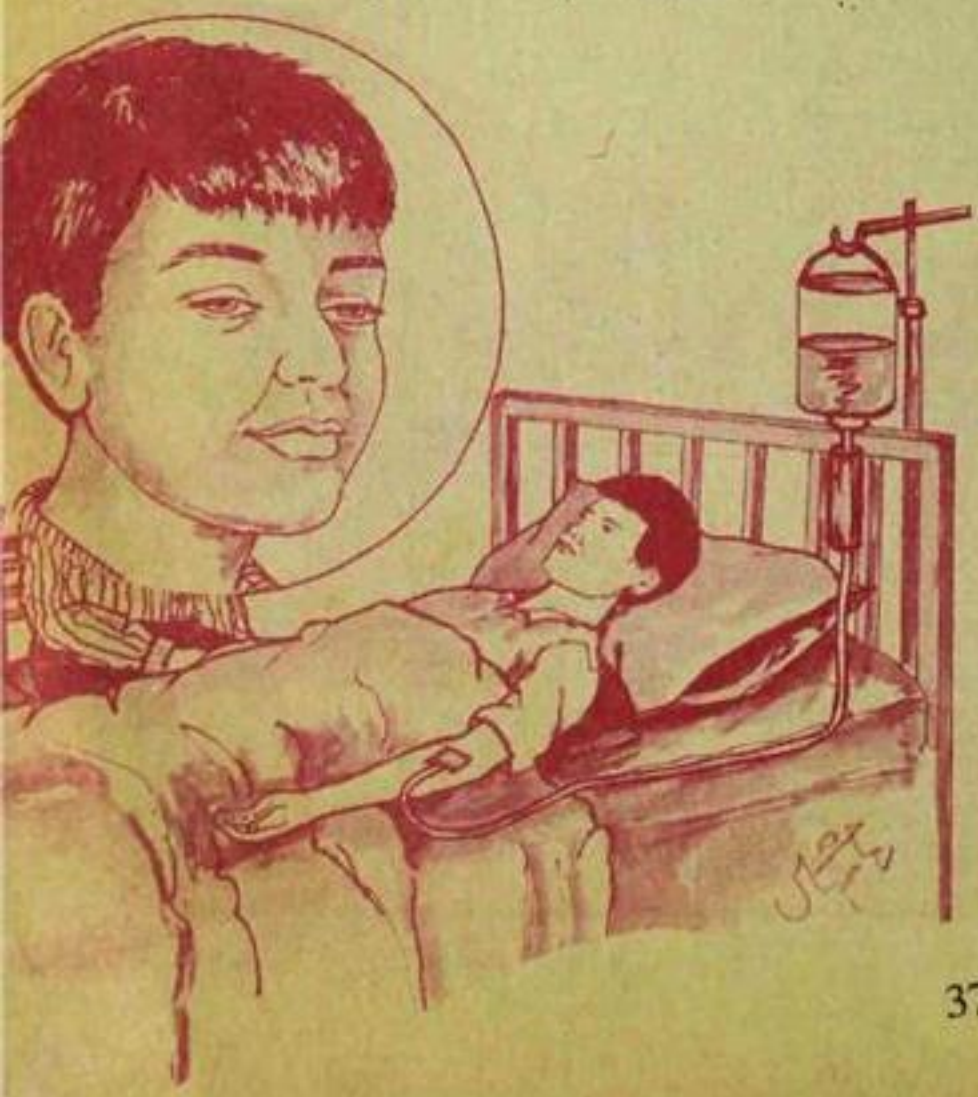

کوشش میں مختلف چیزوں سے سر ٹکراتے رہتے ہیں اور عموماً اس کا ہلکا سا سرخ نشان اور ایک منا سا گومڑا اس ٹکراؤ کی یاد چند روز تک دلاتا رہتا ہے۔ البتہ جس بچے کو اس طرح زور کی چوٹ لگ جائے وہ بے تحاشہ چلاتا ہے۔ سر درد محسوس کرتا ہے اور آخر کار سر پر گومڑ نمودار ہو جاتا ہے اور بچہ روتے روتے سو جاتا ہے۔ یہ کن کشن تو نہیں ہے لیکن ایسے بچوں کا اگر سر پھٹ جائے تو طبی مدد کی فوری ضرورت ہوتی ہے۔

کن کشن والے بچے کو چوٹ کے بعد بے ہوشی ہو سکتی ہے۔ جو عارضی بھی ہوتی ہے۔ مسلسل قے ہو سکتی ہے۔ آنکھوں کی پتلیوں کا سائز بھی مختلف نظر آتا ہے۔ آنکھوں پر ٹارچ سے روشنی ڈالی جائے تو پتلیاں سکڑتی نہیں ہیں بعض اوقات تو بھینگا پن سا بھی لگنے لگتا ہے۔

ناک یا کان سے خون رسنا شروع کر دیتا ہے بعض اوقات پیلاہٹ لئے ہوئے سفید مادہ بھی کان یا ناک سے بہنا شروع کر دیتا ہے۔ شدید سر درد ہوتا ہے۔ جو بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ گردن اکڑ جاتی ہے۔ نبض آہستگی سے چلتی ہے اور سانس بھی بے ترتیب سا آتا ہے۔ بینائی دھندلا جاتی ہے۔ آنکھوں کی جلد سیاہ ہو سکتی ہے۔ رنگت پیلی ہوتی چلی جاتی ہے' ہوش میں آنے کے بعد مضروب کنفیوز ہوتا ہے اور حادثے کا وقت اور یاد تک بھول جاتا ہے اور چند ثانیوں کے لئے چال بھی ذرا بے ڈھنگی سی ہو جاتی ہے۔

ایسی چوٹ کے کم از کم 12 گھنٹوں تک مضروب کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنا چاہئے۔ وہ کسی لمحے اچانک غنودگی میں جا سکتا ہے۔ اور اس کا نظام نفس بھی متاثر ہو سکتا ہے۔

ایسی علامتوں کے ساتھ ہسپتال میں بھی مضروب کو 24 گھنٹے کی آبزرویشن کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ کوشش یہی کرنی چاہئے کہ مضروب کو ایسے موقعوں پر ایک لمحے کیلئے بھی تنہا نہ چھوڑا

یاد رکھنے کی باتیں

اگر خدانخواستہ شدید علالت زہر خوردنی کسی حادثے میں شدید چوٹ بجلی کا جھٹکا لگنے سے یا پانی غوطے آنے سے کسی کی جان کو خطرہ لاحق ہو جائے تو یہ چند اہم باتیں دھیان میں رکھیے۔

1.... مضروب سانس لے رہا ہے تو کان لگا کر دیکھئے سانس لینے کی آواز سنائی دے گی اور سینہ سانس سے ہلتا ہوا نظر آئے گا۔ نہیں تو فوری طور پر مصنوعی سانس کس آف لائف بہم پہنچایئے۔

2.... ہو سکے تو فوراً ڈاکٹر اور ایمبولینس کے لئے رابطہ کیجئے۔

3.... اگر مضروب کو سانس آہستگی سے آ رہا ہو تو اسے پہلو کے بل لٹا دیجئے سر کو بھی اسی رخ کر دیجئے اور ٹھوڑی کو آگے کی طرف کیجئے اور دوسرے ہاتھ سے سر کو پیچھے کی جانب دھکیلئے تاکہ سانس کا رستہ صاف ہو سکے۔

4.... ایسی صورتوں میں مضروب کو کھانے' پینے کے لئے کوئی چیز مت دیجئے آپ کی یہ ہمدردی مریض کے پھیپھڑوں کے لئے سخت نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔

مصنوعی سانس

مریض کو پشت کے بل زمین پر لٹا دیجئے۔

1.... اپنے رخسار بچے کے منہ سے لگا دیجئے تاکہ سانس کی آمد و رفت کے بارے میں صحیح طور پر پتہ چل سکے۔

2.... بچے کا منہ کھول کر تسلی کر لیجئے کہ کوئی قے' مٹی یا کوئی دوسری چیز منہ میں نہ ہو' ہو تو نکال دیجئے۔

3.... ٹھوڑی کو آگے اور سر کو پیچھے سرکایئے تاکہ گلا کھل جائے اور سانس بحال ہو جائے بعض اوقات زبان پیچھے گر کر گلا بند کر دیتی ہے یوں وہ اپنی اصلی حالت میں آ جائے گی۔

4.... اس سادہ عمل سے صاف ہو کر کھل جاتا ہے اور فوری سانس بحال ہو جاتی ہے ایک دفعہ بچہ سانس لینا شروع کر دے تو اسے پیٹ کے بل لٹا دیں سر کو ایک جانب رکھیے۔ ایک ٹانگ اوپر اٹھا کر گھٹنے سے موڑ کر اٹھی رہنے دیجئے اور اس کیفیت میں بچے کو کچھ دیر رہنے دیجئے۔

اگر سانس بحال نہیں ہو پاتا تو

- ○ سر کو ایک جانب ہی رہنے دیں۔
- ○ ناک کے دونوں نتھنے ایک ہاتھ سے بند کر دیں۔
- ○ منہ کے کھلا ہونے کی تسلی کر لیں۔
- ○ خود ہلکا سا سانس لیں اور بچے کے منہ پر اپنا منہ اچھی طرح جما دیں اس طرح کہ ہوا ایک ہونے کی گنجائش نہ بچے۔
- ○ آہستگی سے بچے کے منہ میں سانس چھوڑے اور اس کی چھاتی کے اوپر اٹھنے پر نظر رکھیے۔
- ○ اپنا منہ ہٹا لیجئے اور پھر یہ سارا عمل دہرایئے۔

یہ عمل تقریباً ایک منٹ میں سولہ سے اٹھارہ مرتبہ دہرایئے جیسے ہی اس طرح سے بچے کا نظام تنفس بحال ہو اور وہ خود سے سانس لینا شروع کر دے تو اس عمل کو بند کر دیجئے۔

احتیاط کیجئے کہ

1.... بہت تیزی سے سانس نہ دیں ورنہ معدہ میں جا کر ہوا کے کا باعث بن جائے گی جو آپ کے لئے تکلیف اور مضروب کے لئے نقصان کا باعث ہو گی۔

2.... بچے کی عمر 5 سال سے کم ہو تو اتنی ہی ہوا دیجئے جتنی آپ کے رخساروں کے پھیلاؤ میں آ سکتی ہے۔ پھیپھڑوں کا پورا زور مت لگایئے ورنہ اس سے بچے کے پھیپھڑوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔

3.... اگر اس عمل کے دوران بچے کا پیٹ پھولنا شروع ہو جائے تو سمجھئے کہ ساری ہوا پیٹ میں جا رہی ہے اپنا عمل روک کر بچے کو کروٹ دلا کر پیٹ کو آہستگی سے دباتے ہوئے ہوا باہر نکال دیجئے۔

مصنوعی تنفس تب تک دیجئے جب تک سانس کا عمل بحال نہ ہو جائے یا پھر پیشہ ورانہ مدد نہ بہم پہنچ جائے۔

ہارٹ مساج
(دل کی مالش)

جو وجہ سانس کی بندش کر سکتی ہے وہ دل کو بھی ساکت کر سکتی ہے۔ ایسی صورت میں بچے کو پشت پر لٹا دیجئے اور ایک ہاتھ سے چھاتی کے درمیان زور سے مکہ لگایئے اگر اس سے دل کام شروع نہ کرے تو بچے کے دائیں جانب گھٹنوں کے بل جھک جایئے ایک ہاتھ ہتھیلی کے رخ چھاتی کے درمیاں رکھیے۔ اور اس پوزیشن پر ہاتھ رکھتے ہوئے آگے اور پیچھے اس طرح جھکئے کہ آپ کے وزن کے دباؤ سے چھاتی کم از کم ایک انچ اوپر نیچے ہو سکے اور اس طرح منٹ میں 100 بار یا کم و بیش کیجئے۔ زیادہ ننھے بچوں میں اس طرح کا عمل صرف دو انگلیوں سے کم از کم 120 بار فی منٹ کیجئے۔ اس عمل کے دوران کسی دوسرے سے مصنوعی تنفس دلوایئے۔ یہ عمل تنفس اور نبض کی بحالی اور رنگت کے نارمل ہونے تک جاری رکھیے۔

"ماڈرن ڈکشنری"

فیکٹری: ایک بہترین آرام گاہ
فیشن: درزی کی غلطی
جوش و خروش: ایک اعصابی بیماری جو نوجوانوں میں زیادہ ہوتی ہے۔
لافانی شاہکار: جو سمجھ سے باہر ہو۔
اخبار نویس: ملک کا پانچواں ستون، جس کے اپنے گھر کی نہ چھت ہوتی ہے اور نہ ستون۔
ہمسایہ: ایسا خود کار آلہ جو آپ کے متعلق خبروں کو منٹوں میں دور دور تک پھیلا دیتا ہے۔
سکول: فیشن اور ڈراموں پر تبصرہ کرنے کی جگہ۔
سردرد: ایسی بیماری جسے فیشن میں شمار کیا جاتا ہے۔
دودھ: ایسا پانی جس کا رنگ سفید ہوتا ہے۔

فرحت حکیم رشید حافظ آباد

ملتے جلتے الفاظ

سہیل احمد صدیقی کراچی

"زہرہ! ذرا اپنی ہوم ورک کاپی تو دینا"۔
"عظمیٰ خدا کے واسطے میرا نام تو صحیح لو۔ میرا نام زہرہ نہیں زہراء ہے، زے پر زبر کے ساتھ"۔
"اچھا چلو زہراء سہی، مگر یہ بتاؤ کہ زہرہ اور زہراء میں فرق کیا ہے!"
"بھئی دونوں الگ نام ہیں۔ زہرہ ایک سیارے کا نام ہے اور اس کے معنی ہیں۔ خوب صورتی۔ زہراء ہمارے پیارے نبی ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا لقب تھا، جس کے معنی خوب صورت، ہیں"۔
"واہ واہ ماشاء اللہ! بھئی ہمارے شاگرد تو بڑے ذہین ہیں، کیا معلومات ہیں! جی خوش کر دیا"۔ احمد صاحب نے کلاس میں داخل ہوتے ہوئے اپنی دو شاگردوں کی بات چیت سن کر کہا۔
"سر! یہ تو بتائیے کہ "زہرہ آب ہونا" کا کیا مطلب ہے؟"
عظمیٰ نے سوال کیا
"اتفاق سے آپ نے تینوں نام عربی کے لئے ہیں" زہرہ اور زہراء کے معنی تو آپ کو زہراء نے بتا دیئے، زہرہ (یعنی زے پر زبر کے ساتھ) عربی میں کلی (شگوفہ) کو کہتے ہیں۔ فارسی میں یہ لفظ پتے یعنی گال بلیڈر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ زہرہ آب شدن یعنی پتا پانی ہونا محاورہ ہے جو خوف یا بزدلی کی حالت کے لئے بولتے ہیں"۔
"شکریہ سر!" زہراء بولی۔
"ارے ہاں ..... یاد آیا، عربی میں یہی لفظ تھوڑے سے فرق سے یعنی زیر کے ساتھ حاجت یا ضرورت کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ خیر یہ تو میں نے آپ کو یوں ہی بتا دیا۔ آئندہ الفاظ کے تلفظ خصوصاً ناموں کے تلفظ میں احتیاط کیجئے"۔
"سر! دیکھیں یہ آپ نے جملے بنانے کو دیئے تھے "چیک کر لیں"۔ زاہدہ نے کاپی پیش کی۔
"اوہو، بھئی ایک بڑی غلطی کی آپ نے ..... دیکھئے میں نے لفظ تازہ کو جملے میں استعمال کرنے کو کہا تھا، آپ نے تازی لکھ دیا"۔ احمد صاحب نے توجہ دلائی۔
"سر مونث کے ساتھ تو تازی ہی بولتے ہیں"۔ عظمیٰ نے خیال ظاہر کیا۔ زاہدہ نے روٹی کے لئے تازی استعمال کیا تھا۔
"نہیں، تازہ کو مونث کے ساتھ بھی تازہ ہی بولنا اور لکھنا چاہئے، تازی کہنا غلط ہے۔ تازی ایک دوسرا لفظ ہے"۔ احمد صاحب نے وضاحت کی۔
"سر! اس لفظ کے معنی بھی بتا دیں"۔ آسیہ نے فرمائش کی۔
"تازی سے مراد ہے عرب، عربی زبان، عربی گھوڑا اور شکاری کتا۔ شکاری کتے کو عموماً تازی کتا ہی کہتے ہیں"۔
"اچھا ..... ہمیں تو آج ہی معلوم ہوا سر، کہ ملتے جلتے ناموں سے یا ذرا سے فرق سے معنی کتنے بدل جاتے ہیں"۔ (لغات کشوری اور مصباح اللغات سے مدد لی گئی)

جائے۔ تاکہ حالت کے بگڑنے کا بروقت اندازہ ہو سکے۔
اگر مضروب کی بے ہوشی گہری ہو رہی ہو اور وہ جاگ ہی نہ رہا ہو یا سر پر چوٹ کی جگہ ہڈی بیٹھ گئی ہو۔ سانس بے ترتیب ہو رہا ہو اور رک رہا ہوں اور نبض 50، 60 فی منٹ سے کم ہو رہی ہو تو فوراً طبی امداد کیلئے رجوع کرنا چاہئے۔
عالی کی بروقت کوشش اور ہمت سے جلد ہی اسد کا نظام تنفس بحال ہو گیا رنگت دھیرے دھیرے سرخی مائل ہوتی چلی گئی۔ اس مرحلے پر عالی نے مصنوعی تنفس ختم کر دیا اتنی دیر میں ایمبولنس بھی آ گئی تھی عالی اور حامد صاحب اسد کے ہمراہ قریبی ہسپتال کے نیورو سرجری وارڈ میں چلے گئے۔ سارا ماجرا سن کے نیورو سرجن صاحب نے عالی کو بہت شاباش دی اور کہا بیٹے آپ کی اس عقلمندی نے اسد کو نئی زندگی عطا کی ہے۔ پھر نیورو سرجن صاحب نے اسد کا بغور معائنہ کیا۔ اس کی بے ہوشی ختم تو نہیں ہوئی تھی لیکن اس کی شدت کم ہو گئی تھی۔ نیورو سرجن صاحب نے فوراً ابزرویشن کیلئے اسد کو داخل کر لیا۔ اس کے سر کے ایکسرے بھی فوراً کرائے گئے۔ جو بالکل ٹھیک نکلے۔ آخر خدا خدا کر کے چند گھنٹوں بعد اسد نے آنکھیں کھولیں اور پٹی ہٹالی۔ آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتا رہا۔ اسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا ہسپتال آنے کی بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی اس کی بینائی میں دھندلاہٹ اور سر بھی درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ تنگ آ کر وہ رونا شروع ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے سردرد کی دوائی دے دی۔ سبھی افراد خانہ نے شکر کا کلمہ پڑھا۔ اگلی صبح کو واپسی ہوئی تو اسد چلنے میں ابھی لڑکھڑا رہا تھا اسے چوٹ کے بعد کے حالات سنا چکا تھا اور ڈاکٹر صاحب نے یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ مزید چند گھنٹوں بعد یہ چال بھی بالکل درست ہو جائے گی اور یادداشت میں مکمل ٹھیک ہو جائے گی۔
گھر آتے ہی عالی کو ساتھ لیکر اسد باہر نکلا امی ابو منع ہی کرتے رہ گئے۔ اسی گلی میں آ کر اسد نے احتیاط سے وہ اینٹ اور سبزی کے چھلکوں والا لفافہ اٹھایا جس نے اسے اس حال تک پہنچایا تھا عالی نے اسد سے اینٹ لیکر اور لفافہ کچھ دور کوڑے کے ڈرم میں ڈالا۔ عالی کے ذہن میں یہ حدیث مبارک گھوم رہی تھی کہ رستے سے کانٹے چننا اور رکاوٹیں ہٹانا صدقہ ہے۔ وہ اسد کو بڑے پیار سے اس حدیث مبارکہ کے فوائد سمجھاتا جا رہا تھا جسے ہم بھلا بیٹھے ہیں اور خود اپنے علاوہ دوسروں کی تنگی کا باعث بنتے ہیں۔

باقی۔ ایک دن

وہ دادی کے پاس ہی چلا گیا..... دادی' دادی آپ مجھے حضرت نوح کی کہانی بھی سنائی گی.....؟اس نے بڑی معصومیت اور دلچسپی سے پوچھا دادی بول تو نہیں سکتی تھیں۔ انہوں نے اقرار میں اپنا سر ہلا کر اسے جواب دے دیا..... انہیں بالے کی طبیعت کا اچھی طرح علم تھا۔ اگر اسے اپنی بات کا جواب نہ ملے تو وہ جواب ملنے تک پیچھا نہیں چھوڑتا..... اس بار بھی یہی ہوا' بالے دادی کا اقرار میں ہلتا ہوا سر دیکھ کر مطمئن ہو گیا اور وہاں سے چلا گیا۔ اب اس کے ابو جاگنگ کر کے گھر واپس آ چکے تھے' امی انہیں ناشتہ دے رہی تھیں۔ دادی کے کمرے میں سے باہر آتے دیکھ کر اس کی امی نے کہا "بیٹے آپ اپنی دادی کو سکون سے عبادت تو کر لینے دیں..... چلئے آپ نے منہ دھول لیا ہو تو دودھ پی لیں..... اور نہیں دھویا ہے تو پہلے دانتوں پر برش کر کے منہ دھو لیں پھر دودھ پئیں..... نہیں' امی..... میں تو دادی جان سے ہی منہ دھلواؤں گا۔ آپ بھول گئیں' دادی جان ہی تو روزانہ میرا منہ دھلواتی ہیں۔ سامنے بیٹھ کر..... اقبال نے مچل کر کہا۔ "ارے بیٹے اب تو بڑا ہو گیا ہے..... کب تک دادی سے منہ دھلوائے گا..... اب تو تیرا داخلہ بھی ہونے والا ہے۔ سکول میں..... سکول جائے گا تو وہاں تیری دادی تیرے نخرے اٹھانے کو ساتھ نہیں جائیں گی..... اقبال بھلا کہاں چپ رہنے والا تھا' اس نے نیا سوال کر دیا "امی کیا سب سکول جانے والے بچے خود ہی اپنا منہ دھو کر سکول جاتے ہیں؟"۔

جی بیٹے..... اس کی امی نے مسکرا کر جواب میں کہا صرف خود منہ دھو کر ہی نہیں' اپنے کپڑے آپ پہن کر اپنا بستہ سنبھال کر سکول جاتے ہیں اور اچھے بچے کہلاتے ہیں۔ امی امی جو بچے سکول نہیں جاتے وہ گندے کہلاتے ہیں۔ یہ بالے کا نیا سوال تھا..... جی بالے بیٹے..... جو بچے اپنا کام آپ نہیں کرتے' پڑھنے کا شوق نہیں رکھتے اور اپنے بڑوں کا کہنا نہیں مانتے یا ادب نہیں کرتے وہ گندے بچے کہلاتے ہیں۔ ایسے بچوں سے کوئی پیار نہیں کرتا' کوئی پاس بٹھانا پسند نہیں کرتا' ماں باپ بھی ایسے بچوں سے خوش نہیں ہوتے امی نے بڑے پیار سے بالے کو سمجھایا۔ اسی دوران دروازے پر کسی نے کال بیل کا بٹن دبایا اور صحن میں لگی گھنٹی ڈنگ ڈونگ کی ہی آواز میں بج اٹھی..... بالے دوڑ کر دروازے پر گیا۔ وہاں پڑوسی کے اشرف بھائی اخبار لینے کیلئے کھڑے ہوئے تھے' اشرف نے بالے کے نرم گلابی رخسار پر پیار سے تھپکی دیتے ہوئے اخبار لا دینے کی فرمائش کی..... بالا دوڑتا ہوا اندر گیا اور اخبار لا کر اشرف بھائی کو دیدیا۔ اس کے ابو ناشتے سے فارغ ہو کر اپنے آفس جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ امی میز پر سے ناشتے کے برتن سمیٹ رہی تھیں۔ بالے نے اپنے ابو سے سوال کیا "ابو ابو یہ پڑوس کے اشرف بھائی جو ہیں نا..... "۔ وہ مانگ کر کھاتے نہیں' مانگ کر کپڑے نہیں پہنتے۔ ان کے گھر میں ٹی وی ہے اور اپنا ریڈیو پروگرام بھی پھر وہ اپنا اخبار اور اپنے رسالے کیوں نہیں خریدتے۔ اخبار اور رسالے ہمارے ہی یہاں سے کیوں مانگ کر پڑھتے ہیں۔ اس کے ابو معصوم بالے کی زبان سے یہ معصوم مگر سنجیدہ سوال سن کر حیران رہ گئے۔ اس کا جواب تھا تو ان کے پاس مگر وہ بالے جیسے معصوم ذہن کیلئے نہیں۔ پھر انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا "نہیں بیٹے' ایسی باتیں نہیں سوچتے۔ اخبار اور رسالے تو خوشبو ہیں روشنی ہیں اور خوشبو و روشنی کو قید نہیں کرتے' انہیں محدود کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ ویسے بھی میں صبح کو صرف سرخیاں دیکھتا ہوں پھر شام کو اخبار تفصیل سے پڑھتا ہوں گھر میں اخباریوں ہی تو رکھا رہتا ہے۔ اگر کسی کے پڑھنے میں آ جائے کسی کو اس سے فائدہ پہنچ جائے تو کیا بری بات ہے۔ ویسے بھی پڑوسی کا پڑوسی پر حق تو ہوتا ہے پھر وہ بالے کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنا بریف کیس اٹھائے آفس جانے کیلئے گھر سے نکل گئے..... "۔

بیٹے' آج آپ جلدی اٹھ گئے تو اپنے سوالوں سے آپ نے سب کو ہی پریشان کر کے رکھ دیا۔ اس سے بہتر تھا کہ آپ دیر تک ہی سوتے رہتے۔ اس کی امی نے بالے کے سوالوں سے تنگ آ کر کہا' اسی دوران دادی اپنی عبادت ختم کر کے کمرے سے باہر آ گئیں۔ انہوں نے بالے کی امی کا جملہ سن لیا تھا۔ مسکراتے ہوئے بولیں "ارے دلہن' بچوں سے ایسی باتیں نہیں کرتے' بچہ ہے سوال تو کرے گا ہی اسے سمجھا کر جواب دو' تو سمجھ جائے گا۔ پھر بڑے پیار سے بالے کو اپنی آغوش میں سمیٹتے ہوئے بولیں..... بالکل ہی اپنے باپ پر گیا ہے۔ اس کا باپ بھی اپنے بچپن میں ایسے ہی انوکھے' انوکھے سوال کیا کرتا تھا۔ امی اسے دادی کی آغوش میں چھوڑ کر ناشتہ لانے کیلئے چلی گئیں۔ اور بالے پھر دادی سے پوچھنے لگا۔ اچھا دادی مجھے حضرت الیاس کی کہانی بھی سنائیں گی جنہیں اللہ کے حکم سے مچھلی نے نگل لیا تھا اور دادی نے اسے پیار سے بھینچتے ہوئے کہا کیوں نہیں میرے بیٹے' کیوں نہیں تو جو کہانی کہے گا وہی سناؤں گی۔ اب اقبال مطمئن ہو چکا تھا۔ اور خاموش بھی یوں آج کی صبح جلدی بیدار ہو کر اس نے بہت سی نئی چیزیں دیکھیں اور سیکھیں تھیں۔

کیریئر پلاننگ

دست شناس ایس ایم ملک

اپنے ہاتھوں کی لکیروں کے حوالہ سے جو ساتھی شعبہ کا انتخاب میں راہنمائی چاہتے ہیں دونوں ہاتھوں کے پرنٹ ارسال کریں پرنٹ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ سیاہی ہاتھ پر یکساں لگائیں اور سفید کاغذ پر ہاتھ رکھیں انگوٹھے کی جانب سے اٹھائیں پرنٹ صاف آئیں گے۔

ثمینہ خان۔ سلطان پور

آپ کے ہاتھ پر ٹبہ ایم بی بی ایس کرنے کی علامات پائی جاتی ہیں اور اس شعبہ میں آپ کی صلاحیتیں بام عروج پر ہوں گی۔ اور آپ کی زندگی میں بیماریاں کم آئیں گی اور طویل عمر پائیں گی۔

اشفاق حسین بھٹی۔ سکرنڈ (ضلع نوابشاہ سندھ)

آپ کے ہاتھ پر سیدھی دماغی لکیر زندگی کی لکیر سے مناسب فاصلہ کے ساتھ سفر کرتی ہے۔ جو اس بات کی آئینہ دار ہے۔ آپ بہترین مصور اور فنون لطیفہ کی کسی شاخ میں اعلیٰ مقام حاصل کر سکتے ہیں دماغی لکیر کے ساتھ تمام علامات ہیں اور ذہنی طور پر کاروباری صلاحیتوں کے مالک ہیں لہٰذا آپ کیلئے موزوں ترین مصوری/ اور بزنس کے شعبہ جات ہیں

فوزیہ تبسم۔ جھنگ صدر

آپ اچھی صحافی اور بہترین ادیب کی صلاحیتیں لے کر پیدا ہوئی ہیں شعبہ درس و تدریس بھی آپ کیلئے موزوں رہیگا۔

آصف عمران۔ جھنگ صدر

آپ آرمی اور پولیس میں قسمت آزمائی کریں آپ کیلئے یہ دونوں شعبہ جات انتہائی باعث رحمت ثابت ہوں گے۔

محمد جاوید حبیب۔ ٹھٹھہ (ملتان)

آپ سائنس کے تحقیقی شعبوں میں دلچسپی لیں آپ کیلئے مفید ثابت ہوں گے۔ کیونکہ آپ کے ہاتھ پر پیدائشی ذہین ہونے کے علاوہ تحقیق اور تجسس کے عناصر وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔

عابدہ بزدار۔

آپ میں نکتہ چینی اور جرح کی صلاحیت پائی جاتی ہے جو وکالت کے شعبہ میں نمایاں مقام حاصل کرنے کی غمازی کرتی ہے۔ لہٰذا آپ لاء کریں۔ مستقبل میں بڑا نام پائیں گی۔

اطہر رضا اجنبی۔ کراچی

بھائی آپ میں ذوق جمالیات بدرجہ اتم پایا جاتا ہے اور بنیادی طور پر حساس طبع انسان ہیں۔ آپ ایم اے انگریزی کریں۔ ایم اے اردو کریں کرکٹ کا جنون چھوڑیں وقت ضائع کریں گے۔ کرکٹ کو صرف مشغلہ کی حد تک رکھیں۔

شازیہ انصاری۔ جھنگ صنوبر ملک۔ ڈیرہ غازیخان

عثمان غنی۔ جلال پور پیروالا پروین اسلم۔ جھنگ

آپ کے ہاتھوں کے پرنٹ درست نہیں ہیں لہٰذا دوبارہ بنا کر ارسال کریں تاکہ تفصیلی مشاہدہ پیش کیا جائے۔

آخری آدمی

مقصود ایاز

سیلاب شدت اختیار کر چکا تھا۔ بیراجوں کو بچانے کے لئے حفاظتی بند توڑے جا رہے تھے اور دریا کی خونی لہروں کا رخ بڑے بڑے شہروں کے بجائے دیہاتوں کی طرف موڑا جا رہا تھا۔ بند بوسن کو سیلاب کے پانی کے بڑے ریلے سے بچانے کے لئے حکام بالا میں ہنگامی میٹنگ ہو رہی تھی جس میں طے کیا جا رہا تھا کہ ملتان، مظفر گڑھ وغیرہ کو بچانے کے لئے شیر شاہ بند کو توڑ دیا جائے۔ کچھ افسر اس کے حق میں تھے لیکن بعض کا خیال تھا کہ دیہاتوں میں موجود انسانی زندگیوں کے ساتھ ساتھ کھڑی فصلوں کو اس عمل سے نقصان پہنچے گا جہاں کپاس اور گنے کی تیار فصلیں لہلہا رہی تھیں۔ کھانے کے وقفے تک جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو افسران بالا لنچ کے لئے روانہ ہو گئے اور وزیر آب پاشی ان ہی سوچوں میں گم تنہا رہ گئے۔ اس وقت علی پور گاؤں کا جاگیردار حاکم علی کمرے میں داخل ہوا۔ اگر متذکرہ بند توڑ دیا جائے تو اس کا پورا گاؤں سیلاب کی زد میں آ جائے گا۔ اس نے وزیر آب پاشی کو تنہا دیکھ کر اپنا بریف کیس کھولا اور ہمت کر کے بے حساب نوٹوں کی گڈیاں نکال کر پیش کرتے ہوئے کہا:

"اگر شیر شاہ بند توڑ دیا گیا تو لاکھوں ایکڑ زمین پر تیار فصل بھی تباہ ہو جائے گی اور بے شمار انسانی اور حیوانی جانیں بھی ضائع ہو جائیں گی۔ صرف آپ کے ایک اشارے پر میرے گاؤں علی پور کے انسانوں کی زندگی اور موت کا دارومدار ہے۔ نذرانے کے طور پر یہ حقیر سی رقم حاضر خدمت ہے۔"

وزیر صاحب نے نوٹوں کی گڈیاں اٹھائیں اور انہیں حاکم علی کے منہ پر مارتے ہوئے کہا:

"یہ ملک، یہ سوہنی دھرتی میری ماں ہے تم نے یہ نذرانہ پیش کر کے مجھے گالی دی ہے۔ کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو اپنی ماں کا سودا نہیں کر سکتا۔ مجھے علی پور کے عوام سے ہمدردی ہے۔ بند توڑنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ علی پور کے لوگوں کو بچانے کے لئے امدادی ٹیم کو کشتیاں دے کر ان کی امداد کے لئے روانہ کروں گا جو ان کو حفاظتی مقامات تک پہنچا دیں گی۔"

چنانچہ شیر شاہ بند توڑ کر بند بوسن کو بچا لیا گیا لیکن سینکڑوں دیہات زیر آب آ گئے جن میں علی پور بھی شامل تھا۔ حاکم علی نے وزیر آب پاشی سے ملاقات کے بعد فوراً گاؤں آ کر اپنے بیوی بچوں کو لاہور میں موجود اپنے رشتہ داروں کے ہاں بھجوا دیا۔ اب گاؤں میں وہ خود اس کا قیمتی سامان جن میں عمدہ نسل کی بھینسیں، گھوڑے اور کتے موجود تھے رہ گیا تھا۔ جن کو یہاں سے نکالنے کے لئے وہ امدادی ٹیم کی کشتیوں کا انتظار کر رہا تھا۔ بند کے توڑتے ہی گاؤں میں سیلاب کا پانی داخل ہونا شروع ہو گیا۔ کچے مکانوں کے مکینوں میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ البتہ حاکم علی کی پکی حویلی کو ابھی تک کوئی خطرہ نہ تھا۔ سیلاب سے تباہ ہونے والے کچھ مکانوں کے لوگوں کی امداد گاؤں کا ایک نوجوان شیرو کر رہا تھا۔ وہ بوڑھوں اور بچوں کو کندے پر لاد لاد کر اونچے مقام تک پہنچا رہا تھا۔ جن میں کچھ بیمار بھی تھے۔ گاؤں کے ایک شریف آدمی حمید خان کی بیوی مکان کی دیوار گرنے سے شدید زخمی ہو چکی تھی۔ دیہات کی دائی ماں جس کی عقل اور دانش کا سارا گاؤں قائل تھا شدید بخار میں مبتلا تھی۔ چاچا خیرو ہیضے کا شکار ہو گیا تھا۔ ماماں لالو کے بازو کی ہڈی چھت گرنے سے ٹوٹ گئی تھی۔ ان سب لوگوں کو فوری طبی امداد کی ضرورت تھی۔ ہر شخص ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک تھا ماسوائے جاگیردار حاکم علی کے، جو حویلی کی اوپر والی چھت پر خدا بنا بیٹھا، حقہ گڑگڑا رہا تھا اور دو خدمت گار اس کے شانے دبا رہے تھے، ہر فرد کی نگاہ امدادی پارٹی کی کشتیوں پر لگی ہوئی تھی۔ اچانک گاؤں والوں کے چہروں پر خوشی کے آثار پیدا ہوئے۔ چند کشتیاں گاؤں کی طرف آتی دکھائی دیں۔ شیرو نے حمید خان کی زخمی بیوی، اماں دانی، چاچے خیرو اور مامے لالو کو تیار کرتے ہوئے سب سے کہا۔

"بھائیو! سب سے پہلے ہمیں ان زخمی اور بیمار لوگوں کو یہاں سے نکالنا ہے تاکہ ان کو جلد از جلد طبی امداد مل سکے۔ اس کے بعد بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کی باری ہے۔ میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں جب تک اس گاؤں میں ایک انسان بھی موجود ہو گا، میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ اس آفت زدہ گاؤں سے جانے والا میں آخری آدمی ہوں گا۔"

شیرو نے ہر موقعے پر اپنے گاؤں والوں کی مدد کی تھی۔ اس کی شرافت کا ہر کوئی قائل تھا۔ آج بھی جب اس کا گاؤں پانی میں گھرا ہوا تھا وہ رات رات بھر اپنا لٹھ لئے گاؤں کی عزتوں اور گرے ہوئے مکانوں کے سامان کی حفاظت کر رہا تھا۔ اس نے کسی بھی بدکردار اور آوارہ آدمی کو لوٹ کھسوٹ کی اجازت نہ دی تھی۔ کشتیاں گاؤں میں داخل ہو چکی تھیں۔ شیرو اور گاؤں والوں کو یہ دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی کہ بیمار اور زخمی لوگوں کے بجائے جاگیردار حاکم علی اپنے کتوں اور جانوروں کو ان میں بٹھا رہا تھا۔ گاؤں کے کسی بھی آدمی کی جرات نہ تھی کہ وہ جاگیردار کے خلاف احتجاج کر سکے یا حرف شکایت زبان پر لا سکے۔ یہ شیرو ہی تھا جس نے جاگیردار سے کہا:

"ملک جی! آپ کے کتوں اور جانوروں سے زیادہ ان انسانوں کی زندگیاں قیمتی ہیں جن کو اگر طبی امداد نہ مل سکی تو یہ مر جائیں گے۔"

"شیرو پاؤں کی جوتی ہو کر سر پر چڑھنے کی کوشش نہ کر۔ میرا ایک ایک کتا ایک ایک لاکھ روپے کا ہے۔ جب کہ حکومت نے ایک انسان کی زندگی کی قیمت زیادہ سے زیادہ پچاس ہزار تک رکھی ہے۔ اس اعتبار سے میرے ان کتوں کی جان ان انسانوں سے زیادہ قیمتی ہے۔"

حاکم علی نے غصے اور نفرت سے شیرو کو جواب دیا اور پھر کشتی والوں کو یہاں سے نکل چلنے کا حکم دیا۔ کشتیاں حاکم علی کے سامان اور جانوروں کو لے کر روانہ ہو گئیں اور انسان ایڑیاں رگڑتے رہ گئے۔ بوڑھے چاچا خیرو نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"اے ہمارے رب اگر تو نے سیلاب کے پانی کو ہماری موت بنا کر بھیجا ہے تو ہمارا سر تیری رضا کے سامنے جھکا ہوا ہے۔ ہم گنہگار ہیں، لیکن میرے اللہ! یہ بھوک سے بلکتے ہوئے بچے معصوم ہیں، ان کی مدد فرما!!"

بادل زور سے گرجا اور پھر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ آسمان کی چھت کے نیچے

موجود غریب اور لاچار انسان بے یار و مدد گار جلدی ہی سردی سے کانپنے لگے۔ ماؤں نے اپنے معصوم بچوں کو اپنے سینوں میں چھپالیا۔ بچے ہوئے چند کچے مکان اس بارش کی نظر ہو گئے۔ بندوں کے لئے خدا کی یہ زمین تو پہلے ہی پانی میں ڈوب چکی تھی اب آسمان کی چھت نے بھی پانی برسانا شروع کر دیا تھا۔ شیرو نے اس صورت حال کے پیش نظر گاؤں والوں سے کہا:

"بھائیو اور بہنو! اس گاؤں میں اب صرف ایک ہی پناہ کی جگہ رہ گئی ہے اور وہ ہے جاگیردار کی حویلی۔ وہ خود اور اس کے گھر والے یہاں سے جا چکے ہیں صرف چند محافظ موجود ہیں۔ میں ان سے بات کرتا ہوں آپ لوگ حویلی کی طرف چلیں۔"

موسلا دھار بارش میں بھیگتے ہوئے جب شیرو جاگیردار کی حویلی کے برآمدے میں داخل ہوا تو ایک سنسناتی ہوئی گولی اس کے کان کے قریب سے گزر گئی۔ شیرو کے قدم وہیں رک گئے۔ جاگیردار کا محافظ ہیبت خان ہاتھ میں بندوق لئے اس کے سامنے آ گیا اور اس نے کہا:

"شیرو! اگر تم میں سے کسی نے بھی حویلی کی طرف قدم بڑھایا تو گولی اس کے سینے سے پار ہو گی۔ ہماری زندگی میں گاؤں کا کوئی بھی آدمی حویلی میں داخل نہیں ہو سکتا۔ حویلی کی حفاظت ہمارے ذمے ہے۔"

شیرو نے جواب دیا:

"ہیبت خان! اتنی بڑی حویلی، جو خالی پڑی ہے، کیا تم اپنے ہی گاؤں اور اپنے ہی جیسے انسانوں کو اس آفت سے پناہ لینے کی اجازت نہ دو گے۔ کیا یہ ظلم نہیں؟"

ہیبت خان نے فرعونیت سے جواب دیا:

"مجھے ہر حالت میں جاگیردار کا نمک حلال کرنا ہے۔ مجھے روٹی جاگیردار دیتا ہے یہ بھیک منگے نہیں۔"

شیرو نے غصے سے کہا:

"اس کا مقصد ہے جاگیردار جاتے ہوئے اس حویلی کی حفاظت کتوں کے سپرد کر گیا ہے۔ اعلیٰ نسل کے کتے وہ ساتھ لے گیا ہے اور گھٹیا نسل کے کتے یہاں چھوڑ گیا ہے۔"

پھر اس سے پہلے کے ہیبت خان کی گولی شیرو کا سینہ پھاڑ کر نکل جائے گاؤں کے ایک من چلے نے پتھر اٹھا کر ہیبت خان کے بندوق والے ہاتھ پر مارا۔ بندوق اس کے ہاتھ سے گر گئی جسے شیرو نے بھاگ کر اٹھالیا، جونہی ہیبت خان کے دوسرے دو ساتھی اس کی مدد کو آگے بڑھے گاؤں والوں نے ان پر ہلا بول دیا۔ ہیبت کے دونوں ساتھیوں نے پانی میں کود کر جان بچائی لیکن لوگوں نے ہیبت خان کو پکڑ کر رسیوں سے باندھ کر ایک کوٹھری میں ڈال دیا۔ اب گاؤں کے تمام لوگ حویلی میں پناہ لے چکے تھے۔ بارش رات بھر ہوتی رہی۔ دن کے وقت جب سورج نے اپنی آنکھ کھولی تو گاؤں والوں کے چہروں پر خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ اس کے

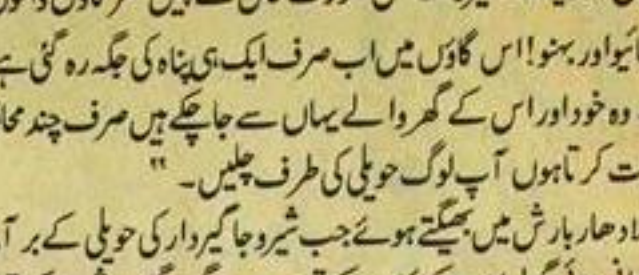

باوجود کہ حویلی کے باہر دس بارہ فٹ گہرا پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ انہوں نے دور سے امدادی کشتیوں کو اپنی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ شیرو دن بھر پہلے زخمیوں، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو کشتیوں میں بھیجتا رہا۔ اس طرح گاؤں کے کافی آدمی حفاظتی مقامات تک پہنچ گئے۔ سیلاب کے پانی میں مزید اضافے کے باعث دن ڈھلتے ہی امدادی پارٹی کے افراد نے اعلان کر دیا کہ یہ پھیرا کشتیوں کا آخری پھیرا ہے۔ تمام کشتیاں بھر چکی تھیں۔ صرف ایک کشتی میں ایک آدمی کی گنجائش باقی تھی۔ ماماں لالو نے شیرو سے کہا: سب آ گئے۔

"نہیں ماماں ایک بدنصیب اور بھی ہے۔ جاگیردار کا ملازم ہیبت خان جس نے مجھ پر گولی چلائی تھی۔ میں اسے لے کر آتا ہوں۔"

لوگوں کے منع کرنے کے باوجود شیرو ہیبت خان کو کوٹھری سے نکال کر لے آیا اور اس سے کہا:

"ہیبت خان اس کشتی میں صرف ایک آدمی کی گنجائش باقی ہے جا کر اس میں بیٹھ جا۔"

ہیبت نے شرمندگی سے جواب دیا:

"شیرو بھائی مجھے معاف کر دو۔ میرے گناہ کی یہی سزا ہے کہ تم لوگ مجھے یہاں چھوڑ کر چلے جاؤ۔"

شیرو نے کہا:

"ہیبت خان وہ تیرا فعل تھا یہ میرا کردار ہے۔ میں نے قسم کھائی ہے اس گاؤں سے جانے والا میں آخری آدمی ہوں گا۔"

امدادی افسر نے شیرو سے کہا "جوان یہ کشتی کا آخری پھیرا ہے، سوچ لے، اس کے بعد سیلاب کا پانی موت کی طرح اس جگہ کو اپنے اندر گم کر لے گا۔ اس کے بعد نہ کوئی کشتی اور نہ ہی کوئی امداد تیرے لئے آئے گی۔"

شیرو نے جواب دیا:

"میرے لئے میرے اللہ کی مدد ہی کافی ہے۔ اندھیرا ہونے سے پہلے پہلے میرے گاؤں کے لوگوں کو یہاں سے نکال کر لے جاؤ۔"

بالآخر کشتی آخری آدمی ہیبت خان کو لے کر یہاں سے روانہ ہو گئی۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ شیرو نے دور دیکھا سیلاب کے پانی کا ایک زبردست ریلا تیزی سے گاؤں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے حویلی کے بجائے قریب ہی موجود ایک شیشم کے بلند درخت پر پناہ لے لی اور پانی کا یہ زبردست ریلا اس بار جاگیردار کی حویلی کو بھی بہا کر لے گیا۔ جب شیرو کے حواس درست ہوئے تو اس نے اپنے قریب و جوار شاخوں سے لٹکتے ہوئے سانپوں کو دیکھا جو پانی سے بچنے کے لئے پہلے ہی درخت پر پناہ لے چکے تھے۔ دونوں ازلی اور ابدی دشمن قریب قریب موجود تھے۔ حالات سے مجبور ہو کر دونوں نے مصالحت آمیز رویہ اختیار کر لیا تھا۔ شیرو نے آہ بھر کر ایک نظر اپنے گاؤں کی طرف دیکھا جس کا اب نام و نشان بھی مٹ چکا تھا۔ چاروں طرف ٹھاٹھیں مارتا پانی تھا جس کی مزید سطح بڑھ رہی تھی۔ اچانک اسے دور ایک سیاہ دھبہ سا نظر آیا۔ قریب آنے پر معلوم ہوا یہ کوئی گائے تھی جو پانی میں بہتی آ رہی تھی۔ شیرو دیہات کا رہنے والا تھا اور جانتا تھا اگر وہ اس جانور کی دم پکڑ لے تو آسانی سے یہ گائے لہروں کے خلاف جدوجہد کرتی اسے بھی کسی بلند مقام یا پناہ گاہ کی طرف لے جا سکتی ہے۔ جونہی گائے قریب آئی شیرو نے اللہ کا نام لے کر پانی میں چھلانگ لگائی اور پھر اس گائے کی دم پکڑ لی۔ یہ سفر آدھی رات تک جاری رہا، پھر اچانک شیرو کو ایک سمت جگنو سے چمکتے نظر آئے۔ یہ بند روڈ تھی جہاں قرب و جوار کے دیہاتوں سے آفت زدہ لوگوں کو کیمپوں میں لا کر عارضی طور پر رکھا گیا تھا۔ جانوروں اور انسانوں کی آوازیں سن کر گائے نے بھی ادھر ہی کا رخ کیا اور پھر شیرو اور گائے دونوں ہی پانی سے بچ کر باہر آ گئے۔

اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی برباد نہیں کرتا۔ جو شخص اللہ کے بندوں کے کام آتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مدد خود کرتا ہے۔

اتنے سارے صفحے پیارے پیارے

ملک مظفر علی (ساہیوال) صابر رفیق (کرم پور) روحی ظہور (نوشہرور کاں گوجرانوالہ) محمد اکبر خان (ناظم آباد کراچی)، ریاض حسین انصاری (کبیروالاخانیوال)، منصور محمود جوئیہ (اوکاڑہ)، فیصل منور (نارووال)، اسما سعید (لاہور)، اطہر پرویز خان (کبیروالا)، آسیہ خانم، سائرہ کرن (رنگ پورہ کھیڑہ)، رابعہ نعیم (لاہور) ایس ایم آصف طفیل (شکر گڑھ) عمران منیر (لاہور گلبرگ III) عرفان منیر (لاہور)، فیاض الرحمان (اوکاڑہ)، نوید خالد (لاہور) شوکت علی (جمانیاں منڈی خانیوال)، عامر عثمان (تحصیل چونیاں محلہ چکیاں چھانگا مانگا) (ارے بھیا صفحہ بتایئے انعام پائیے کاٹ کر بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ الگ کاغذ پر بھیجا کیجئے) محمد فرحان اشرف (جگہ نامعلوم) صائمہ محبوب مرزا (حویلیاں کینٹ)، محمد اقبال عباسی فروکہ (شاہ پور سرگودھا)، محمد عماد (حیدر آباد) ناد سعیدہ جبیں (فیصل آباد) عرفان عزیز (بہاولپور)، حافظ حفیظ الرحمن ناز (راولپنڈی)، رابعہ رمضان (لاہور)، ناصمہ ارشد (لاہور)، صائمہ صادق (برنالہ آزاد کشمیر) سلمہ خالد پرویز (جلالپور جٹاں)، عظمیٰ بٹ برنالہ (آزاد کشمیر)، رمضان علی، زاہد علی (تھرپارکر کنری)، رانا فیاض الحق (دیپالپور اوکاڑہ)،

محمد اقبال عباسی (فروکہ شاہ پور) بلال فاروق (ڈاہرانوالہ)، طالب حسین تبسم (ڈاہرانوالہ) دولہا خان (جگہ نامعلوم) فرحان ایوب، فائزہ ایوب (ممتاز آباد ملتان)، فائقہ اکرام (عاکف اکرام (ساہیوال) شیراز ہدایت (ڈیرہ غازی خان) فضیلت تبسم (کھاریاں گجرات)، رانا ذیشان گل، (نوشہرہ ورکاں گوجرانوالہ)، میاں سیف و کفافت اللہ، اقبال ظفر (پانڈووال بالا)، قاضی ظفر اقبال (پانڈووال بالا)، راحت بخاری (گاؤں شیرپور) (چونیاں)، عابدہ ناز (بھمبر میر پور آزاد کشمیر)، رانا فخر اقبال (نوشہرہ ورکاں گوجرانوالہ)، مسعود احمد طاہر (راولپنڈی) محمد منیر (شیخوپورہ گوجرانوالہ)، رفیق حسین پراچہ مترو (بنگلہ صدیق)، چودھری اصلاح الدین (لاہور)، شہزادہ محمد عمر (لاہور)، محمد وقاص (عارف والا ساہیوال) فرحانہ کوثر (عارف والا) ساہیوال۔ محمد علی باجوہ (سیالکوٹ)، عابد حسین عامر (پھالیہ گجرات) فقیر حسین (منگلا) ارم گل، عائشہ گل، فائزہ گل، حرم احمد خان اور انجم خان (جگہ نامعلوم) راحیل اختر (گجرات) عمر فاروق (ٹوبہ ٹیک سنگھ) حنا اسلم (اوکاڑہ)، نادیہ امیر (اوکاڑہ) سعدیہ تبسم (راولپنڈی) شمائلہ شہباز (والٹن لاہور کینٹ) قاسم بشیر (؟) محمد افضل (قلعہ دیدار سنگھ) شازیہ طفیل (سیالکوٹ) ثمینہ جاوید، آصفہ جاوید (قصور) غزالہ گل (گوجرانوالہ) یاسر اقبال (گوجرانوالہ)

گل محمد (بھکر) ریحان مسعود قاضی (چنیوٹ) عبدالرؤف (ملتان) عمر انعام (ڈیرہ غازی خان) محمد خان اکرم (میاں چنوں) سکندر رضا (قلعہ دیدار سنگھ) عثمان احمد (خانیوال) تحریمہ فرحت (ڈیرہ غازی خان) سعید احمد کوکب بخش خان بہاولنگر تحصیل (چشتیاں) تنویر مسعود (لاہور کینٹ) ریحانہ حبیب اللہ (شکر گڑھ) راشدہ صادق (ضلع لیہ) ماریہ احمد (ماڈل ٹاؤن لاہور) ہمایوں سکندر (فیصل آباد) نام؟ (گوجرہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ نام ؟ (جھنگ صدر) افشاں رحمن (اسلام پورہ لاہور)، کامران (ایبٹ آباد)، سمیعہ اسلم چودھری (کوٹلی آزاد کشمیر) عبدالرحمن عزیز (ضلع خانیوال صادق آباد)، ظفر اقبال (نشاط کالونی بہاول پور) پرنس عامر محمود طاہر (ضلع اوکاڑہ تحصیل دیپالپور)، انیلا مجید (ضلع مظفر گڑھ تحصیل علی پور) شہزاد رسول، علی عاصم، سلمان رسول، علی رضا، عدنان، مبین، قانتہ، شہزاد رسول (حبیب چوک وہاڑی) فیصل فضل کریم (سیالکوٹ) سید ذیشان حیدر زیدی (گلشن راوی لاہور) سرفراز علی نادر (فیصل آباد) عابدہ بزدار (ماڈل ٹاؤن ڈی جی خان) محمد وقار الزمان (بلدیہ کالونی چشتیاں) محمد اشرف ولد حاجی ابراہیم مرحوم (ضلع وہاڑی) نازیہ پروین عرف بلی (ڈاک خانہ روہلانوالی ضلع مظفر گڑھ) قرار حسین اعوان زاہدہ سادات (چکوال) صدف گل طاہر خان لغاری (ڈیرہ خان) سدرہ جاوید (فیصل آباد) محمد شکیب فیض (سول ہسپتال علی پور) انیلہ مجید (علی پور) محمد صابر علی (دیپالپور (ضلع اوکاڑہ) عتیق جنرل سٹور عبدالحکیم (کبیروالاخانیوال) محمد یونس غازی (لاہور) قیصر عباس فضل عباس (ٹانے پور

ہمایوں افتخار جلالپور۔ محسن راجن پور۔ ایوب ملتان۔ صیاف جلالپور۔ رابعہ لاہور۔ مظفر لاہور۔ ناصر ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ شفیق فیصل آباد۔ صدف راولپنڈی۔ یوسف لاہور۔ شائستہ راولپنڈی۔ محمد یوسف حیدر آباد۔ عمران شجاع آباد۔ عابدہ ملتان۔ آصف پنڈی بھٹیاں۔ ضیاء گوجرانوالہ۔ اظہر ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ شگفتہ لاہور۔ شاہرخ پنڈی بھٹیاں۔ عمران، کامران، پرویز شجاع آباد۔

مصباح لاہور۔ عاطف جھنگ۔ تیمور چکوال۔ فرحانہ زاہد سرگودھا۔ رفعت میاں چنوں۔ لطف مانگا منڈی۔ جنید لاہور کینٹ۔ عارف جڑانوالہ۔ سمیرا گنگ۔ صائمہ ملتان۔ وحید چکوال۔ ناصر ڈیرہ غازی خان۔ ارسلان فیصل آباد۔ یاسمین، محسن خانیوال۔ عزیز لاہور۔ سعدیہ خانیوال۔ انور ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ مبین کراچی۔ وقاص مظفر گڑھ۔ عائشہ سرگودھا۔ نوقب گوجرانوالہ۔ توقیر ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ سفیان لاہور۔ صائمہ گجرات۔ نازیہ گوجرانوالہ کینٹ۔ سعید آزاد کشمیر۔ عاصمہ لاہور۔ حمیرا مظفر گڑھ۔ نوید فیصل آباد۔ صداقت جہلم۔ زریں گل، فیاض میانوالی۔ یاسر آزاد کشمیر۔ فازیہ جڑانوالہ۔ اختر فیصل آباد۔ فیصل آزاد کشمیر۔ آفتاب وہاڑی۔ عبداللطیف ملتان۔ سائرہ پنوعاقل کینٹ۔ افتخار گجرات۔ شاہین آزاد کشمیر۔ وسیم آزاد کشمیر۔ رمضان میاں چنوں۔ کنول جھمرہ سٹی۔ دولی کنول یاسمین کنول ملتان۔ یاسین ملتان۔ گل ڈیرہ اسماعیل خان۔ منہاس امجد سعید آزاد کشمیر۔ نائمہ لاہور۔ شگفتہ گوجرانوالہ۔ خرم لاہور۔ جاوید شیخوپورہ۔ زاہد جاوید ملتان۔ منورہ فیصل آباد۔

حمارہ گوجرانوالہ۔ عمر لاہور۔ محمد عالم سیالکوٹ۔ شفیق ملتان کینٹ۔ طارق چنیوٹ۔ تیمور واہ کینٹ۔ مبشر ملتان۔ عظمیٰ سرگودھا۔ عمر خاں گوجرانوالہ۔ سمیرا چکوال۔ عبداللہ لاہور۔ ہمایوں ملتان۔ فیصل ملتان۔ عثمان خانیوال۔ ندیم لاہور۔ ارم پرنس ملتان۔ نوید چکوال۔ حنا ناز کراچی۔ عارف اٹک۔ شاہد کسووال۔ خرم گجرات۔ عبدالرشید خانیوال۔ آمنہ لاہور۔ ارم، عاصم سرگودھا۔ محمد حسین خانیوال۔ صابر لاہور۔ ادریس آزاد کشمیر" عمار ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ سدرہ بہاولپور۔ جاوید، اقبال فیصل آباد۔ ممتاز لودھراں۔ رابعہ ڈیرہ اسماعیل خاں۔ نوید فیصل آباد۔ کامران فیصل آباد۔ ارشد کھاریاں کینٹ۔

گوجرانوالہ۔ شاہد خاص جھنگ۔ اجمل جہلم۔ افتخار وہاڑی۔ جاوید پھالیہ۔ مدیحہ فرحان پھلور ٹوبہ کرن فیصل آباد۔ ثوبیہ کراچی۔ انس جہلم۔ عمر جہلم۔ ناہید لاہور۔ طیبہ لاہور۔ وسیم اوکاڑہ۔ زیشان اوکاڑہ۔ شائلہ راولپنڈی۔ ساجد خالد آزاد کشمیر۔ افضل فیصل آباد۔ عبدالرحیم پاک پتن۔ حاجرہ پاک پتن۔ شہزاد ملتان۔ سمیع اللہ لالہ موسیٰ۔ انجم پاک پتن شریف۔ احمد گوجرانوالہ۔ علی محمد ضیاء میانوالی۔ قادر بخش میانوالی۔ افضل میانوالی۔ سلطان انور ارشد صغیر حامد میانوالی۔ عرفان شیخوپورہ۔ اللہ والی لاہور۔ فرحت لاہور۔ علی لاہور۔ نجمہ خانیوالی۔ ارسلان میاں چنوں۔ رضا گوجرانوالہ۔ ظفر جھنگ۔ شیراز فیصل آباد۔ دانش سرگودھا۔ قریشی جہلم۔ روبینہ گوجرانوالہ۔ نور العین خانیوال۔ عنبر خانیوال۔ صائمہ نارروال۔ ناہید ڈنگہ۔ خالد کوئٹہ۔ صائمہ پنوں عاقل کینٹ۔ عرفان سیالکوٹ۔ عمران مخدوم پورہ۔ سہیل آزاد کشمیر۔ محمد علی لاہور۔ ذوالفقار پاکپتن شریف۔ نائیلہ۔ عظمیٰ لاہور۔ شفیق ملتان۔ عارف کراچی۔ شائلہ ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ محمد معاز قصور۔ ذیشان پھلور۔ مظہر خانیوال۔ ارم راولپنڈی۔ صاعقہ رحیم یار خاں۔ اسماء ساہیوال۔ زکی لاہور کینٹ۔ عظمیٰ پروین حیدر آباد۔ حسنین ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ سفیان راولپنڈی۔ عابد فیصل آباد، زرتاش سیالکوٹ ثوبیہ جڑانوالہ۔ عبدالستار وہاڑی۔ منور فیصل آباد۔ عاصم اوکاڑہ۔ قنبر بلوچستان۔ محمد اکرم قصور۔ جہانگیر چکوال۔ سعدیہ چکوال۔ محمد اقبال حیدر آباد۔ عاصم اوکاڑہ۔ یاسین اوکاڑہ۔ صوفیہ اوکاڑہ۔ خواجہ مظفر گڑھ۔ سعید مظفر گڑھ۔ عائشہ عاقب کراچی۔ ساجدہ شگفتہ خالدہ تنگہ لزگ چکوال۔ سید شجر حسین شاہ میلسی وہاڑی۔ حمیرا دلدار، خاور حسین جھمرہ سٹی۔ محمد مظہر اقبال انصاری فیصل آباد۔ عاصم محمود قصور۔ سعدیہ خان آزاد کشمیر۔ سید طاہر حسین جھمرہ سٹی۔ راؤ محمد احسن جمشید علی خان لاہور۔ زینب اعجاز سندھو میاں چنوں۔ ہارون الرشید آزاد کشمیر۔ بھمبر ضلع میرپور۔ حمیرہ ناز جگہ نامعلوم۔ سربلند خان ضلع و تحصیل مانسہرہ۔ راشد منہاس سمندری، عبدالروف سرگودھا، سجاد ایبٹ آباد، اشرف کراچی، نوشین ساہیوال، یٰسین نصیر پور، محمد اکبر راجن پور، الٰہی جڑانوالہ، زوبیہ، انس جہلم، مائدہ سرگودھا، عمر ساگری جہلم، نجم الحزڈی جی خان، شمشیر ڈی جی خان، عنبرین رائے ونڈ، شمائل رائے ونڈ، محمد شعبان قاسم عمران ساہیوال، فیصل احمد، محمد جہانگیر جہلم، بسین نارروال، ثناء لاہور، محمد خباب لاہور، خلیل ہری پور، فریحہ بہاولپور، محمد سلطان کوہاٹ، طاہر گوجرہ، شوکت سرگودھا، محمد شریف قصور، اسحاق فیض، اسد حسین مانسہرہ، قاضی ثاقب لب، اقصیٰ لاہور، عاقل سکھر، افتخار اوکاڑہ، مہوش کراچی، عبدالغفور خوشاب، عبدالوحید قصور، فوزیہ، متین لاہور، خرم بکھر، شاہد خرم امجد بکھر، انیلہ مظفر گڑھ، شعیب آزاد کشمیر، آصفہ اوکاڑہ، اسماء اوکاڑہ، جنید لاہور کینٹ، عاصم گوجرانوالہ، نوید بہاولپور، شرجیل ملتان کینٹ، محمد علی مظفر گڑھ، کاشف لاہور، ریحانہ ٹوبہ ٹیک سنگھ، محمد رفیع سمندری، عقیل بہاولنگر، عامر فیصل آباد، امان اللہ شاہپور، محمد انور فیصل آباد، ساجدہ مظفر گڑھ شکیل چنیوٹ، ارم رائے ونڈ، عابدہ بہاولنگر، عدنان سرگودھا، شمشاد، احسان فیصل آباد، نوید آزاد کشمیر، قیصر علی، محمد زبیر، محمد سرفراز ملتان، عنیزہ لاہور، آصف اوکاڑہ، رمضان، کاشف، اوکاڑہ، شازیہ اوکاڑہ، بلال لاہور، فرخ آزاد کشمیر، فرزانہ کراچی، یونس نارروال، محمد اللہ دتہ خانیوال، محمد یٰسین نارروال، عرفان فیصل آباد، غزالہ میانوالی، مصطفیٰ صوابی، شمیم واہنڈو، ارسلان، مظہر اللہ قصور، شوکت فیصل آباد، گوگا جھنگ، عبدہ فیصل آباد، سلمیٰ فیصل آباد، شفقیت قصور، فریحہ مظفر گڑھ، آمنہ، اسماء ساہیوال، سلطان مخدوم پورہ، مبشر حسن مخدوم پورہ، نوشابہ کچھ کھوہ، طاہرہ کچھ کھوہ، عمران فیصل آباد، طارق خانیوال، قیصر وحید، قاسم لاہور، نورین رائے ونڈ، عطیہ مدیحہ صبا ساہیوال، عبدالستار نواب شاہ، فیاض میرپور، فیاض مردان، عبدالحفیظ مخدوم پورہ، بابر شیخوپورہ، کامران کوئٹہ، طارق ٹانک، حسن ٹوبہ ٹیک سنگھ، راشد رحیم یار خان، محمد فاروق پیر محل، کاشف ساہیوال، محمد ثمر پاک پتن شریف، نصرت پاک پتن شریف، مرزا گجرات، مقدس پاک پتن شریف، نواز گمی، محمد عظیم، بلال اوکاڑہ، صبا راولپنڈی، مردان ٹانک، رضا خانیوال، صفدر سرگودھا، سلیم پاک پتن، فوزیہ پاک پتن، نسیم کراچی، فاخرہ کراچی، انعم کراچی، راشد ملکو ہانس، عابد ملکہ ہانس، آصف فیصل آباد، سہیل خاں فیصل آباد، آسیہ شیخوپورہ، جاوید ملتان، ناصر لاہور، بلال مانسہرہ، مصباح رحیم یار خان، محمد شعیب بکھر، غلام فرید کراچی، محمد طارق کوڑ سلام، محمد نعمان آزاد کشمیر، شمشاد لاہور، محمد مفیت لاہور، عبدالقدوس گوجرانوالہ، ملک ناہید نواز کوٹ محمد لقمان لاہور کینٹ، کاشف راجگڑھ لاہور، صباحت لاہور، سعدیہ حمید وزیر آباد، محمد رمضان فیروز وٹواں، جاوید سیالکوٹ، نواب شاہد، نبی بخش حاصل پورہ، الطاف حسین کرم پورہ، زعیم جاوید لاہور، عظمیٰ کچا کھوہ، محمد قیصر حافظ آباد، محمد ثاقب قصور، نوید احمد لاہور، طلعت چکوال، آسیہ گجرات، امجد خان گوجرہ، افتخار حسین گوجرانوالہ، محمد شاہد کسووال، عنایت، رنگ الٰہی قصور، فرزانہ لودھراں، نبیلہ خانیوال، جابر قصور، عبدالرحیم قصور، عامر سرگودھا، عبدالرحمان گوجرانوالہ، شادت آزاد کشمیر، نادیہ گوجرانوالہ، یاسر عبدالقادر اوکاڑہ، محمد ارشد ملتان چھاؤنی، عظمیٰ چنیوٹ، راجہ آزاد کشمیر، جاوید متان، بہادر ایبٹ آباد، جاوید ملتان، ادم انجم، کامران عائشہ، افشاں سارہ شہباز رشید راولپنڈی، ندیم حیدر چکوال، عمران سعید چکوال، شاہد میاں چنوں، ربیعہ لاہور، راجہ منگلا کینٹ، محمد حبیب لاہور، عرفان فتح جنگ، سعدیہ گوجرانوالہ، ظل سبحانی اسلام آباد، محمد حبیب الرحمان لاہور، رئیس کسووال، البراز آزاد کشمیر، محمد اویس وزیر آباد، شیخ رضاء فیصل آباد، علی رضاء میاں چنوں، محمد خالد شیخوپورہ، طارق خانیوال، محمد ناصر وہاڑی، میمونہ سیالکوٹ، اعجاز میاں چنوں، ساجد شوکت لاہور، اکرم ساہیوال، ثویب گوجرانوالہ، عمران گوجرانوالہ، شفیق احمد شیخوپورہ، آفتاب ملتان، صدیق گوجرانوالہ، عرفان گجرات، حنیف سیالکوٹ، ملک سیالکوٹ، طاہر چکوال، فرزانہ دیپالپور، کوثر سیالکوٹ، غیور حسین اور اوچشریف، جاوید بہاولپور، سید عمیر لاہور، افتخار گجرات، عرفان بہاولپور، محمد اسلم مقصود اختر، عمران ساہیوال، محمد شفقت ملتان چھاؤنی، محمد خلیل، محمد صادق بہاولپور، توقیر بہاولپور، رئیسہ گوجرانوالہ، شازیہ میرپور ہارون فاطمہ گوجرانوالہ، خضر عزیز ضلع اٹک، عابد خانیوال، محمد طاہر لاہور، رضوان سیالکوٹ، زاہد حسین لاہور، محمد رمضان فیصل آباد، مست فیصل آباد، شائستہ فیصل آباد، زاہد الیاس لاہور، گلزار کھاریاں، عنبرین سیالکوٹ، نعمت آزاد کشمیر، سعدیہ گوجرانوالہ، محمد شاہد رحیم یار خان، محمد عاشق عمران گلفام خانیوال، سید حسین بہاولپور، عائشہ راجن پور، مظہر اوکاڑہ، سہیل احمد کراچی، محمد عثمان راولپنڈی، مشتاق چشتی، محمد صابر بہاولپور، عمران چشتی اوکاڑہ، نادیہ اسلم سیالکوٹ، ظہور احمد رحیم یار خان، شاہین اختر آزاد کشمیر، عمران جیکب آباد، اشرف سندھ، عثمان اوڑکاہ، ساجدہ اوکاڑہ، مسعود ڈی جی خان، فیاض مردان، عمر سیالکوٹ، صابر بہاولپور، رانا عباس فیصل آباد، مشتاق بہاولپور، عبدالحق نواب شاہ، محمد اسماعیل نواب شاہ، اصغر سلطان پورہ، محمد عمر جھنگ، اقبال میانوالی، محمد زبیر جلالیہ اٹک، محمد طارق ڈی جی خان، راشد علی مانسہرہ، حمیرا ڈیرہ غازی خان، فہیم فرحان ڈی جی خان، عتیق آزاد کشمیر، نگہت کشمیر، حافظ عتیق گجرات، مسلم پورہ سیالکوٹ۔

انعام کیلئے تعاون **البدر پبلی کیشنز** اردو بازار لاہور

سارہ علی کا کالم

ایک دفعہ کا ذکر ہے

آج آپ کو ایک دلچسپ کہانی سناتی ہوں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شہر میں دو جڑواں بھائی رہا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ دونوں ہم عمر بھی تھے اور ہم شکل بھی تھے۔ جیسا کہ یورپ اور امریکہ میں رواج ہے کہ سکول کے بچے چھوٹے چھوٹے کام کرتے ہیں اور اپنی جیب خرچ کا خود ہی انتظام کر لیتے ہیں اسی طرح یہ دونوں بھائی پال شٹل اور سٹیون شٹل بھی صبح کے وقت گھروں میں اخبار تقسیم کیا کرتے تھے جس سے انہیں ہر ہفتے پچاس ڈالر مل جاتے تھے۔ وہ اخبار تقسیم کرنے کے لئے بائیسائیکلوں پر جایا کرتے تھے اور خالی وقت میں ریس کورس کا ایک چکر بھی لگا لیا کرتے تھے۔ انہیں ریس کھیلنے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی انہیں تو یہ شوق تھا کہ جب وہ اخباروں میں پڑھتے کہ فلاں شخص کا گھوڑا ریس میں جیت گیا اور اس نے ہزاروں ڈالر کما لئے تو ان کا بھی یہ جی چاہتا کہ وہ بھی ایک گھوڑا خریدیں جو ریس میں دوڑے۔

ان دونوں نے اپنے ماں باپ سے چھپا کر اپنی آمدنی جمع کرنی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ ان کے پاس دو ہزار ڈالر اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے ایک پائی بھی کسی اور چیز پر خرچ نہیں کی۔ نہ کیسٹ خریدے، نہ کپڑے، نہ جوتے یہاں تک کہ کوک اور آئس کریم بھی نہیں خریدی۔ انہوں نے ریس کورس میں ایک تجربہ کار آدمی سے مشورہ لیا اور دو ہزار ڈالر میں ایک ریس کا گھوڑا خرید لیا۔ اس گھوڑے کو انہوں نے ریس کورس کے پاس ایک اصطبل میں رکھوا دیا۔ اب انہیں ہر ہفتے اصطبل کا کرایہ دینے کے لئے بھی کمائی کرنی پڑتی تھی۔ مگر یہ سلسلہ زیادہ دیر نہیں چلا کیونکہ ان کا گھوڑا آئرس بھی کمائی کرنے لگا۔ پہلے تو آئرس کو ٹریننگ دی گئی۔ دونوں بھائی صبح سویرے اخبار بانٹنے کے بعد بارہ میل دور ریس کورس کے اصطبل میں بھی جاتے تھے پھر وہاں سے واپس آ کر منہ ہاتھ دھوتے اور سکول چلے جاتے۔ کچھ عرصہ بعد 16 مئی کو "آئرس" نے پہلی مرتبہ ریس میں حصہ لیا اور پہلی ہی دوڑ میں جیت گیا۔ خوشی کے مارے ان کا برا حال ہو گیا۔ اب یہ خوشخبری ان کے پیٹ میں نہیں سما سکتی تھی اس لئے انہوں نے اپنے ابو ٹونی کو بھی راز دار بنا لیا۔ اس طرح ان کی ممی کے سوا سارے خاندان کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی۔ آئرس کی ٹریننگ کے لئے جو خرچہ کرنا پڑتا تھا وہ جمع کرنے کے لئے دونوں بھائیوں نے شام کے اخبار بھی فروخت کرنے شروع کر دیئے۔ اللہ میاں نے بھی ان کی سن لی اور "آئرس" نے بھی ریسیں جیتنی شروع کر دیں۔ جب جیت کی رقم کافی زیادہ ہو گئی تو ان دونوں نے اپنی ممی کو بھی یہ بات بتا دی۔ یوں تو پال اور سٹیون دونوں ہی اس گھوڑے کے مالک ہیں مگر ریس کے لئے گھوڑا خریدنے کا خیال سب سے پہلے سٹیون کو سوجھا تھا۔ وہ اخبار میں پڑھتا رہتا تھا کہ ملکہ ایلزبتھ ریس کے گھوڑوں کی مالک ہیں اور ان کا فلاں گھوڑا ریس میں جیتا تو انہیں کتنی رقم ملی۔ اس طرح دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی وہ پڑھا کرتا تھا اور سوچتا تھا کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک دن وہ بھی ریس کے گھوڑوں کا مالک بن جائے۔ ان دونوں کے پاس ایک گھوڑا تو موجود ہے اور وہ ریس بھی جیت لیتا ہے مگر اب وہ سوچ رہے ہیں کہ انہیں اور بھی گھوڑے خریدنے چاہئیں۔ آجکل یہ فیملی انگلستان کے ایک قصبے ہیمپشائر میں رہتی ہے۔ نزدیک ہی بہت سے امیر لوگوں کے گھر بھی ہیں۔ یہ جڑواں بھائی سوچتے ہیں کہ ایک دن وہ بھی آئے گا جب وہ یہ معمولی گھر چھوڑ کر امیروں کے محلے میں گھر خرید لیں گے۔

ان دونوں کو ابھی تک ریس کے بارے میں زیادہ پتہ نہیں ہے۔ پال تو یونیورسٹی میں پڑھنا چاہتا ہے تاکہ ڈگری حاصل کر لئے مگر سٹیون ریس کے گھوڑوں کا ٹرینر بننا چاہتا ہے مگر ہائی سکول کی تعلیم ختم کرنے کے بعد۔ وہ ریس کے گھوڑوں کے لئے ایک اچھا سا اصطبل بنانے کا خواب بھی دیکھ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کا یہ خواب بھی پورا ہو جائے۔

کیوں بھئی! کیسی کہانی ہے؟ اور یہ بالکل سچی کہانی ہے۔ اب آپ یہ بتائیے کہ کیا آپ بھی محنت اور کام کاج کر کے اور اپنا جیب خرچ جمع کر کے کوئی ایسا کام کرنا چاہتے ہیں جو آپ کو بھی امیر بنا دے؟

لوگوں کو پیسہ کمانے میں بہت وقت لگتا ہے۔ سخت محنت کرتے ہیں تب کہیں جا کر پیسے

چارلی چیپلن اور عجائبگھر

والے بنتے ہیں۔ پھر لکھ پتی بننا تو اور بھی مشکل ہے۔ کروڑوں اربوں لوگ دنیا میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے کبھی ایک لاکھ کی شکل بھی نہیں دیکھی ہو گی۔ امریکہ میں دنیا بھر میں سب سے زیادہ لکھ پتی ہیں مگر یہ لوگ بھی کئی سال تک کوشش اور محنت کرنے کے بعد لکھ پتی بنتے ہیں۔ بہت سے تو بوڑھے ہو جاتے ہیں تب کہیں جا کر لکھ پتی کہلاتے ہیں۔ مگر ہم آپ کو ایک ایسے شخص کی کہانی سناتے ہیں جو گیارہ سال کی عمر میں لکھ پتی بن گیا تھا اور 21 سال کی عمر میں دیوالیہ بھی ہو گیا تھا۔ یعنی بے چارہ صرف دس سال تک ہی دولت کا مزہ چکھ سکا۔ یہ صاحب جیکی کوگان ہیں۔ جیکی 1914ء میں پیدا ہوا تھا وہ غریب ماں باپ کا بیٹا تھا۔ ابھی وہ بچہ ہی تھا کہ مشہور فلمی ہدایت کار اور مزاحیہ اداکار چارلی چیپلن کو اپنی ایک فلم کے لئے چھوٹے سے بچے کی ضرورت پیش آئی۔ اس نے ایک ڈرامے میں جیکی کو دیکھا اور اسے تلاش کرنے کے لئے آدمی بھجوا دیئے۔ بڑی مشکل سے جیکی صاحب کا پتہ چلا۔ چارلی چیپلن کی جس فلم میں جیکی نے کام کیا تھا اس کا نام تھا "دی کڈ" یعنی بچہ۔ یہ بہت دلچسپ فلم تھی۔ چارلی صاحب کھڑکیوں میں شیشے لگانے کا کام کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ساتھ اس یتیم بچے کو بھی لگا لیا ہے۔ چپکے سے بچہ پتھر مار کر کسی کھڑکی کا شیشہ توڑ کر غائب ہو جاتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد چارلی چیپلن صاحب "شیشہ

لگوالو..... شیشہ لگوالو" کی آواز لگاتے ہوئے پہنچ جاتے ہیں اور اس طرح انہیں کام مل جاتا ہے۔ یہ فلم بہت مزاحیہ تھی اور اتنی کامیاب ہوئی کہ دنیا بھر میں چارلی چپلن کے ساتھ جیکی کوگان کا نام بھی سب جان گئے۔ چارلی چپلن کو تو وہ پہلے ہی سے جانتے تھے مگر اب جیکی کے بھی پرستار بن گئے۔ بس پھر کیا تھا' جیکی صاحب کو دوسری فلموں میں بھی کام ملنے لگا اور گیارہ سال کی عمر تک وہ لکھ پتی ہو گئے۔ ان کا بینک بیلنس چالیس لاکھ ڈالر تھا۔ یہ بہت پرانے زمانے کی بات ہے۔ آج تو یہ رقم کروڑوں میں ہو گی۔

لیکن اب جیکی بے چارے کی بدنصیبی کی بھی سن لیجئے۔ جب اس نے "دی کڈ" میں کام کیا تو صرف چار سال کا تھا۔ بعد کی فلموں میں بھی وہ بہت چھوٹا تھا اس لئے اس کے ماں باپ اس کا معاوضہ وصول کیا کرتے تھے۔ جب جیکی بڑا ہوا اور اسے پیسے کی ضرورت پڑی تو یہ جان کر وہ حیران رہ گیا کہ اس دولت پر جیکی کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ ریاست کیلیفورنیا کے قانون کے تحت نابالغ بچوں کی تمام آمدنی بچان کے والدین کا حق ہوتا ہے۔ اس طرح جیکی غریب کو کچھ بھی نہ مل سکا۔ جب وہ 21 سال کا ہوا تو اس کے ڈیڈی مر گئے' اس کی ماں بہت ٹھاٹ باٹ سے شاندار گھر میں رہتی تھی مگر جیکی جس نے یہ سب دولت کمائی تھی کنگال تھا۔ بعد میں اس نے اور بھی فلموں میں کام کیا اور دولت کمائی مگر اس کے ماں باپ نے ایک پائی بھی نہیں دی۔ جب پیسے ختم ہو گئے اور فلم والوں نے اسے کام دینا بھی بند کر دیا تو جیکی نے نوکریاں تلاش کرنی شروع کر دیں مگر کسی نے اسے نہیں پوچھا۔ اس نے اپنے ایک دوست سے کہا "ایک وقت ایسا تھا جب ساری دنیا میرے قدموں میں جھکتی تھی مگر اب مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیتی ہے"۔ بعد میں اس نے ٹی وی کے ڈراموں اور مزاحیہ فلموں میں کام کرنا شروع کر دیا اور اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنے لگا۔ جب اس کی بیٹی سے کسی نے پوچھا کہ کیا تم بھی اپنے ڈیڈی کی طرح ایکٹریس بنو گی تو اس نے کہا "توبہ توبہ! مجھے تو معاف ہی رکھئے"۔ جیکی کوگان کی بیٹی بعد میں ائر ہوسٹس بن گئی۔ جیکی کوگان کا 1984ء میں انتقال ہو گیا تھا۔ جب وہ مرا تو گنجا' موٹا اور بیمار ہو چکا تھا۔ کوئی اسے دیکھ کر نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی خوبصورت بچہ ہے جسے "دی کڈ" میں دیکھنے کے لئے لوگ بے تاب رہا کرتے تھے۔ سچ کہا ہے بڑوں نے کہ وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا۔

معین اختر کی نصیحت

معین اختر پاکستان میں ٹیلی ویژن اور سٹیج کے بہت مشہور اور بہت اچھے اداکار ہیں۔ پروگراموں کی کمپیئرنگ بھی کرتے ہیں' لطیفے سناتے ہیں' فقرے بازی کرتے ہیں اور سب کو اپنی حرکتوں سے خوب ہنساتے ہیں۔ اللہ نے انہیں بہت عزت اور شہرت دی ہے۔ ان چیزوں کے ساتھ پیسہ بھی ہے۔ دیکھنے والے انہیں خوش قسمت سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ معین اختر صاحب کا تو بہت آسان کام ہے تھوڑے سے لطیفے سنائے' لوگوں کو ہنسایا اور گھر چلے گئے۔ مگر جناب لوگوں کو ہنسانا کوئی آسان کام تو نہیں ہے۔ اگر ہر کوئی لوگوں ہنسانے لگے تو پھر کامیڈین کی کیا ضرورت ہے بلکہ بہت سے کامیڈین بھی لوگوں کو نہیں ہنسا سکتے۔ تھوڑے دن پہلے ٹیلی ویژن کے پروگرام "بلاتکلف" میں معین اختر صاحب نظر آئے تو انہوں نے بہت اچھی اچھی باتیں کیں۔ اس سے پتہ چلا کہ وہ صرف کامیڈین ہی نہیں ہیں ایک عقلمند اور سمجھ دار آدمی بھی ہیں۔ انہوں نے ایک بات تو یہ بتائی کہ جب میں گھر سے نکلتا ہوں یا کسی پروگرام کے لئے جاتا ہوں تو اس موقع کے لحاظ سے نبی ﷺ نے جو دعائیں بتائی ہوئی ہیں ضرور پڑھتا ہوں۔ اللہ کو یاد کر کے میں اس کام کو شروع کرتا ہوں تو اللہ میاں کامیابی اور برکت بھی دیتے ہیں۔ دوسری کام کی بات انہوں نے یہ بتائی کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بس ایک بار کامیاب ہو گئے یا مشہور ہو گئے تو پھر محنت اور کام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ انہوں نے کہا کہ نام بھی تو کام کر کے ہی پیدا ہوتا ہے اور اگر ایک بار کسی کا نام ہو گیا تو پھر اسے اور زیادہ محنت اور لگن سے کام کرنا پڑتا ہے ورنہ نام بدنام ہو جاتا ہے اور کامیابی اس کی دوست نہیں رہتی۔ اسی لئے اب میں پہلے سے بھی زیادہ محنت کرتا ہوں اور اللہ میاں سے دعا کرتا رہتا ہوں کہ جو کامیابی مجھے دی ہے وہ کبھی واپس نہ لیجئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ خدا سے ڈرتے رہتے ہیں بلاوجہ شیخیاں نہیں مارتے کہ دیکھا میں کتنا قابل ہوں' کتنا اچھا ایکٹر ہوں۔ اس لئے کہ یہ سب چیزیں بھی تو اللہ کی ہی دین ہیں۔ معین اختر کی یہ باتیں ایسی ہیں جو آج کے بچوں کو یاد رکھنی چاہئیں تاکہ کل وہ بھی اپنے زمانے کے "معین اختر" بن سکیں۔

7 سالہ کرسٹینا اوناسس

شہزادہ البرٹ

بے حد امیر بچے

اس کی سالگرہ پارٹی اتنی شاندار تھی کہ بادشاہوں کی بھی نہ ہو گی۔ اس سالگرہ پارٹی پر پانچ لاکھ ڈالر خرچ ہوئے تھے۔ ایک ڈالر ہمارے 27 پاکستانی روپے کے برابر ہوتا ہے تو خود ہی اندازہ لگائیے کہ یہ پارٹی کتنی مہنگی ہو گی۔ بڑے بڑے لوگ' مشہور' پیسے والے' حکمراں بھی اس پارٹی میں مہمان تھے۔ مائیکل جیکسن بھی مہمانوں میں شامل تھا اور یہ اس امیر آدمی کی صرف نویں سالگرہ تھی۔ نوبرس کا بچہ اور اتنا امیر؟ اس کے پاس چھ محل ہیں' 75 ملازم ہر وقت خدمت کرنے کے لئے موجود رہتے ہیں۔ وہ ایک مرسڈیز کار میں سکول جاتا ہے جو خاص طور پر بنائی گئی ہے اور اس پر گولیوں کا اثر نہیں ہو سکتا۔ یہ نوبرس کا بچہ اتنا امیر ہے کہ بڑے بڑے امیر اس کے سامنے فقیر لگتے ہیں۔ اس بچے کا نام شہزادہ البرٹ ہے اور یہ دنیا کا سب سے امیر بچہ ہے' اس کے پاس دولت' جائیداد' کارخانے تو ہیں ہی مگر نقد پیسہ بھی اتنا زیادہ ہے کہ شاید بہت سے ملکوں کے خزانوں میں بھی نہ ہو گا۔ اس بچے کے پاس درجنوں مکان ہیں' کئی کارخانے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ وہ ایک بینک کا بھی مالک ہے۔

اس کی دو بہنیں بھی ہیں ایک گیارہ برس کی ہے اور دوسری کی عمر دس برس ہے مگر شہزادہ البرٹ اکیلا ہی ساری دولت کا وارث ہے۔ اس کی بہنوں کو اس میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ باپ کے مرنے پر اسے یہ سب کچھ خود بخود مل گیا ہے۔ اس نے یہ دولت حاصل کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں کیا' یہ تو سب بیٹھے بٹھائے اسے مل گئی ہے۔

شہزادہ البرٹ اکیلا امیر بچہ نہیں ہے اس کی طرح اور بھی بہت سے بچے ہیں جو بچپن ہی میں حد سے زیادہ امیر بن گئے ہیں۔ اوناسس کی سات سالہ نواسی کرسٹینا بھی کم امیر نہیں ہے اس کی دولت کا تو کوئی حساب ہی نہیں ہے اس کا تو جیب خرچ ہی پچیس لاکھ ڈالر سالانہ ہے۔ اس بچی کو بھی یہ سب کچھ اپنی ماں کے مرنے کے بعد خود بخود مل گیا ہے۔

انگلستان کا شہزادہ ولیم اور ہیری بھی بہت امیر ہیں۔ بڑے بھائی کی عمر صرف دس سال اور چھوٹے کی آٹھ سال ہے۔ یہ دونوں ملکہ ایلزبتھ کے پوتے ہیں۔ امیری صرف شہزادوں ہی کے حصے میں نہیں آئی ہالی وڈ کے "چائلڈ سٹار" بھی حد سے زیادہ امیر ہیں مگر ان بچوں نے یہ دولت کام کر کے کمائی ہے' انہیں بیٹھے بٹھائے نہیں مل گئی۔ بارہ سالہ ایکٹر میکالے فلموں میں کام کرنے کی وجہ سے کروڑ پتی بن چکا ہے۔ مونا کو کی شہزادی کیرولین کی چھ سال عمر کی بچی شعوار ایوٹ تو اتنی امیر ہے کہ اور چیزوں کے علاوہ ایک جزیرے کی بھی مالک ہے۔ یہ جزیرہ اسے پانچویں سالگرہ پر تحفے کے طور پر ملا تھا۔ سلطان برونائی کے بچے بھی بہت امیر ہیں۔ اسی طرح اردن کے شاہ حسین کے بچے بھی کسی سے کم نہیں ہیں۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ امیر بچے خوشیوں سے محروم ہیں۔ طرح طرح کی پریشانیاں انہیں گھیرے ہوئے ہیں۔ ان کی جان کو ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ بڑے ہو کر بھی وہ خوش رہ سکیں گے یا اور زیادہ پریشان ہو جائیں گے؟

مشورہ حاضر ہے

(ن بلوچ)

اس صفحے پر آپ کے دینی، سماجی، تعلیمی اور نفسیاتی مسائل پر مشورے دیئے جاتے ہیں۔ آپ بھی علیحدہ کاغذ پر ایک سوال لکھ کر بھیج سکتے ہیں۔ لفافے پر مشورہ حاضر ہے لکھیئے

ٹیوشن کی ضرورت سکول میں پڑھنے کے باوجود کیوں محسوس ہو؟

سوال۔ اساتذہ پہلے جیسا کیوں نہیں پڑھاتے؟ ہمارے والدین کہتے ہیں کہ ہمیں ٹیوشن کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی تھی اور ہمارے استاد اس خوبصورتی اور دل لگی سے پڑھاتے تھے کہ بات دل میں اترتی محسوس ہوتی تھی۔ اب ایسا کیوں نہیں ہیں؟ (عائشہ فصیح الدین، لاہور)

جواب۔ آپ کی بات درست ہے۔ وجہ اس کی یہ مادی دور ہے۔ مادی دور سے مراد یہ ہے کہ ہر اچھائی اور ہر برائی کو روپے پیسے سے تولا جاتا ہے ایثار، ہمدردی، احساس، احسان ان چیزوں کو بے فائدہ سمجھ لیا گیا ہے پہلے علم کو علم سمجھا جاتا تھا اب اسے پیسہ کمانے کا آلہ سمجھا جاتا ہے۔ معاشرہ استاد کی عزت کرتا تھا، کیونکہ وہ اس کے بچوں کو علم کے زیور سے نوازتا تھا۔ مگر اب یہ احساس ہے کہ استاد یہ سب کچھ مفت تو نہیں کرتا۔ حکومت یا ادارہ اسے تنخواہ دیتا ہے ادھر استاد یہ سمجھتا ہے کہ اس کی محنت کی بدولت بچے ڈاکٹر، انجینئر، افسر اور حکمران بنے ہیں لیکن اسکی وہی حالت کہ ٹوٹی چپل اور خستہ حال مکان، اسے اپنی عزت اور احترام بھی کم ہوتا نظر آیا۔ لوگ اگر اس کو ماسٹر صاحب کہتے ہیں تو ترس کھا کر اور بیچارہ سمجھ کر ورنہ دل سے تعظیم دولت اور مرتبے والے کی ہی کرتے ہیں۔ جب اس نے یہ معیار دیکھا تو وہ بھی دولت کمانے کی دوڑ میں شامل ہو گیا۔ انہی حالات نے اسے ٹیوشن کی ضرورت پیدا کرنے پر مجبور کیا اور تعلیم کو کاروبار بنانے کی راہ سجھائی۔

دراصل معاشرے کی کسی بھی برائی کی ذمہ داری ایک فریق پر نہیں ڈالی جا سکتی تمام معاشرہ اس کا ذمہ دار ہے ہر کوئی مادی دور اور مادی قدروں معیارات کو اپنا چکا ہے۔ کسی میں اتنی جرات نہیں کہ وہ اس روش کو بدلنے یا اسے ختم کرنے کی مشکل اور تکلیف دہ مہم کا آغاز کرے دیکھنا یہ ہے کہ آپ یعنی نوجوان لوگ اب کیا کرتے ہیں۔ اس بہاؤ میں بہہ جاتے ہیں یا ہمت دکھا مقابلے میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اگلی صف سے زبردستی پیچھے کر کے میری نماز خراب کر دی جاتی ہے

سوال۔ میری عمر چودہ سال ہے، میں نماز پڑھنے مسجد جاتا ہوں، مگر مجھے ہی دوسرے نمازی اگلی صف سے کھینچ کر پچھلی صف میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ جب پچھلی صف میں بھی لوگ آنے لگتے ہیں، تو کئی دفعہ دوسری صف سے پکڑ کر پیچھے کر دیتے ہیں۔ میں اعتراض کرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ تم ایک کونے میں بچوں کے درمیان کھڑا ہوا کرو۔ لیکن وہاں تو بہت چھوٹے بچے ہوتے ہیں، وہ ہنستے رہتے ہیں، یا شرارتیں کرتے رہتے ہیں۔ اب آپ ہی بتائیں کیا کروں؟

کیا گھر میں نماز نہ پڑھ لیا کروں؟ اور آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ میں نویں جماعت میں پڑھتا ہوں۔ اور نماز بہت سکون اور دھیان سے پڑھتا ہوں! (نعیم احمد، قصور)

جواب۔ آپ کا سوال پڑھ کر یوں محسوس ہوا جیسے میرے بچپن کی بات ہو۔ دراصل ہماری فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ ہے کہ پہلی صفوں میں بالغ ہی کھڑے ہوں، جبکہ بچے اور عورتیں علیحدہ کھڑی ہوں۔ لیکن صحیح مسئلہ یہ ہے کہ جو بچے ابھی سنجیدہ نہ ہوں، نماز میں ادھر ادھر دیکھتے ہوں، شرارتیں کرتے ہوں تو انہیں تو یقیناً ایک کونے میں کھڑا ہونا چاہیے۔ ایسے بچے دوسرے نمازیوں کی نماز بھی خراب کرتے ہیں۔ اور جو بڑے انہیں ساتھ لیکر جاتے ہیں، انہیں اس کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔ اب جہاں تک ایسے بچوں کا تعلق ہے، جن کی ابھی مونچھ داڑھی ہی نہیں آئی، لیکن وہ نماز میں توجہ، شوق اور وقت کی پابندی کے حوالے سے بہت سے داڑھی مونچھوں والوں سے بہت بہتر ہوتے ہیں۔ ان پر اس اصول کا ڈنڈا گھمانا ہے۔ مگر ہمارے کئی علماء کا المیہ یہ ہے کہ وہ ہر معاملے میں عقل کا استعمال کرتے ہیں لیکن دین کے معاملے میں وہ عقل کو معطل کر دیتے ہیں۔ اس لئے اگر آپ ان نمازیوں سے بحث کریں گے، جو آپ کی نماز خراب کرتے ہیں تو ہماری طرح ڈانٹ سنیں گے۔ لیکن اگر آپ کے امام مسجد اچھے عالم دین ہیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ اس مسئلے میں آپ کا ہی ساتھ دیں گے۔ باقی رہا گھر پر نماز پڑھنے کا معاملہ تو میں اس موضوع پر رسول اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث آپ کو سناتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تھا کہ جو لوگ بغیر کسی وجہ کے نماز گھر پڑھتے ہیں، میں ان کے گھر جلا دینا چاہتا ہوں۔ اس لئے صرف بیماری، خطرے اور گھر پر نہ ہونے کی صورت میں ہی مسجد سے غیر حاضر ہوا جا سکتا ہے۔ دوسری کوئی وجہ نہیں۔ ویسے بھی آپ نماز اللہ کی اطاعت کے لئے پڑھتے ہیں۔ لوگوں کے لئے نہیں اس لئے لوگوں کو اس اطاعت میں رکاوٹ بھی نہ بننے دیں۔ یہی استقامت ہے اور یہی صبر ہے!!

ٹائم ٹیبل پر عمل نہیں ہوتا

سوال۔ میں نے کئی بار اپنا ٹائم ٹیبل بنایا، لیکن اس پر عمل نہیں کر سکا۔ آپ ہی بتائیں کیا کروں؟ (عمر ارم، مصطفیٰ آباد، لاہور)

جواب۔ آپ ضرورت سے زیادہ مشکل ٹائم ٹیبل بناتے ہوں گے کہ اس پر عمل کرنا ممکن ہو، پھر آپ پر مایوسی طاری ہو جاتی ہو گی اور جیسے ہر شخص ناکام ہو جاتے ہوں گے۔ اس مسئلہ سے ہر کوئی دوچار ہوا ہے۔ یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہوتا۔ لیکن یہ پریشانی کی بات قطعاً نہیں۔ بس آپ ایسا کریں کہ ٹائم ٹیبل کو آسان بنا دیں۔ مثلاً اگر آپ نے چار گھنٹے مطالعہ کے رکھے ہیں تو تین گھنٹے کر دیں۔ [illegible] جب آپ دو گھنٹے کے ٹائم ٹیبل پر مسلسل طور پر عمل کرنے لگ جائیں تو پھر دوبارہ مطالعہ کے اوقات تین گھنٹے کر دیں۔ اس طرح آپ [illegible] ٹائم ٹیبل تک بھی پہنچ جائیں گے۔ جس پر آپ عمل کرنا چاہتے ہیں۔

پھول بڑا مقبول

○ ..... کیا حال چال ہے بھیا جی۔ جھوٹے منہ سہی پھول شو میں آنے کی دعوت ہی دے دیتے۔ مگر کہاں جی آپ کو تو صرف لاہور والوں سے محبت ہے یہ تو آپ نجانے کیسے دل پر پتھر رکھ کر میرے خط کا جواب دے دیتے ہیں۔

(طاہرہ عزیز ..... اٹک)

☆ ..... یہ بھی خوب رہی۔ اسے کہتے ہیں نیکی برباد گناہ لازم۔ ہم ایسے پروگراموں کی اتنی تفصیلی روداد آپ کو ان میں شامل کرنے کیلئے ہی تو شائع کرتے ہیں اور سچے دل سے کرتے ہیں پھر بھلا جھوٹے منہ دعوت کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔

○ ..... آپ کا رسالہ تمام شائع ہونے والے رسالوں سے بہتر جا رہا ہے اور انشاء اللہ تمام زندگی اسی طرح کامیابی سے چلتا رہے گا۔

(امتیاز حسین خاور)

○ ..... پھول سالنامہ بڑا خوبصورت تھا ایسا رسالہ نکالنے پر مبارکباد قبول کریں۔ میں نے بہت سے رسالوں میں معلومات کے سوالوں کے جواب مگر بروقت جواب بھیجنے کے باوجود قرعہ اندازی میں میرا نام نہیں آتا کیا میرے ساتھ ایسے ہی ناانصافی ہوتی رہے گی۔

(راؤ محمد شاہد اقبال بہادر)

☆ ..... یہ تو آپ کی قسمت ہے۔ اس میں ناانصافی کا ذکر کہاں سے آگیا۔

بسم اللہ سے ابتدا کرتی ہیں
سدا رہے پھول یہ دعا کرتی ہیں

○ ..... ڈیئر انکل آداب!

پہلی دفعہ پیارے پھول میں شامل ہو رہی ہیں۔ امید ہے حوصلہ افزائی ضرور کریں گے۔ پھول پڑھتے ہوئے ہمیں بہت عرصہ ہو گیا ہے لیکن خط لکھنے کا موقع آج ملا کیونکہ ہم پڑھائی میں مصروف رہتی ہیں۔ پھول رسالہ بالکل گلاب کے پھول کی طرح ہے۔ جب اس کو کھولتے ہیں۔ تو خوشبو کے جھونکے محسوس ہوتے ہیں۔ واقعی پھول کی تعریف جتنی کی جائے کم ہے۔ کہانیاں بہت اچھی تھیں۔

(غزالہ۔ عالیہ صدیق شیخ راولاکوٹ آزاد کشمیر)

○ ..... کیا بات ہے کیا آپ کی ہم ڈونگہ بونگہ والوں کے ساتھ کوئی ناراضگی ہے کہ آپ ہماری تحریر شائع نہیں کرتے اور میں یہ چوتھا خط لکھ رہا ہوں۔

(منصور اختر غوری۔ عمران غوری۔ محمد اکرام غوری)

☆ ..... آپ ہی بتائیے اس خط سے کیا شائع کریں حضور کچھ تفصیل لکھیں تو بات بھی ہے۔

○ ..... آپ کو اتنی امید کے ساتھ خط لکھتے ہیں کہ شاید آپ شائع کریں لیکن ہمارے راستے میں ردی کی ٹوکری ہوتی ہے وہ ہمارے خط ہڑپ کر جاتی ہے اس ردی کی ٹوکری کا بندوبست کرنا ہی پڑے گا نومبر کا پھول رسالہ بہت اچھا تھا اس میں کہانیاں بیڈ ٹائم سٹوری خزل کی تلاش اور دوسری بھی سب کہانیاں اچھی تھیں آپ میرا خط ضرور شائع کریں آپ کی مہربانی ہو گی۔ آپ کی بھتیجی نعمت۔

(نعمت میر حسین۔ باغ)

○ ..... نومبر کا پھول ملا۔ تو خوشی سے پاگل ہو گئے۔ مگر جب پورے رسالے میں اپنا نام تک نہ دیکھا تو ساری خوشی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی اور اس کی جگہ غصے نے لے لی۔ مجھے غصہ آپ پر نہیں آیا بلکہ ان ڈاکخانے والوں پر جنہوں نے آپ تک میرا خط نہیں پہنچایا۔

(برکت علی۔ ہزارہ۔ سانگھڑ)

☆ ..... غصے سے بچنے کا حل تو آسان ہے خط دو چار روز جلدی لکھ لیا کریں۔

انکل مجھے افسوس ہے کہ میرا خط آپ نے شائع نہیں کیا اس لئے اتنا خوبصورت رسالہ مجھے دو آنکھ کیا ایک آنکھ بھی نہ بھایا۔ بچوں کو آپ اتنی خوشیاں دیتے ہیں مجھے ایک خوشی بھی نہ دی۔ انکل آپ یقین کریں مجھے مہینے کے آغاز میں رونا پڑتا ہے۔ اب میں اس امید پر خط لکھ رہی ہوں کہ آپ میرا خط شائع کریں گے۔ لگتا ہے آپ کو میرے خطوط پسند نہیں آئے اس لئے آپ نے میرا ایک خط بھی شائع نہیں کیا۔ لیکن میں آسانی سے آپ کا پیچھا چھوڑنے والی نہیں ہوں جب تک آپ میرا خط شائع نہیں کریں گے میں آپ کو خط مسلسل لکھتی رہوں گی۔ انکل پورا خط نہ سہی ایک لائن ہی شائع کر دیں مگر کریں ضرور (آسیہ رباب جعفری۔ باغ کشمیر)

☆ کوثر اسلم نے گلگت سے بڑا مزے دار خط لکھا تھا مگر ایڈریس کے بغیر اب بھلا ہم انہیں جواب کیسے دیں۔ امید ہے اب تو گلگت میں پھول اور زیادہ آتے ہیں۔

☆ حافظ سمیعہ نعمت برنالہ کشمیر۔ بھئی گزری ہوئی سالگرہ مبارک ہو

☆ بلال احمد نے جہانگیرہ پشاور سے کہانی بھیجی ہے مگر صفحے کے دونوں جانب لکھ کر۔ اور وہ بھی چٹوں پر۔ ارے جناب اتنی بار لکھا ہے کہ ایسا کرنے سے کوئی چیز بھی چھاپنی ممکن نہیں ہوتی ..... نجانے لکھتے ہوئے کیوں بھول جاتے ہیں۔

○ ..... نومبر کا پھول بہت اچھا لگا خاص کر دیئے سے دیا جلے اور جویریہ نورین کا دادی جان والا انٹرویو بہت اچھا لگا لیکن ہم لوگ اور بیڈ ٹائم سٹوری بالکل اچھی نہیں تھی۔

(سدت جمیل حاصلپور)

○ ..... نومبر کا شمارہ 27 اکتوبر کو بک اسٹال پر دیکھا تو بہت حیران ہوئے۔ کیونکہ رسالہ پہلے 5 یا 6 تاریخ سے پہلے ملتا ہی نہیں تھا۔ شکر ہے جو آپ کو ہماری بے چینی کا اندازہ ہو گیا اور آپ سے مجھے ایک اور شکایت ہے وہ یہ کہ آپ نے شاید میرا خط شائع نہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے اگر آپ نے خط اس دفعہ شائع کر دیا تو ٹھیک ورنہ ..... اور نہ ..... ! پھر نہ کچھ ہو گی رہے گا۔ "خدا حافظ!"

(پرنس حافظ محمد مظہر لاشاری 'بہاول نگر)

○ ..... پیارے پھول کی شیدائی ہوں۔ لیکن اس میں ایک چیز ایسی ہے جو ناقابل برداشت ہے یعنی کہ یہ ماہنامہ ہے پلیز اس کو ہفت روزہ کر دیں دوسری بات یہ ہے کہ نومبر کے پھول میں انعام کے لئے سوالات مشکل تھے آپ سے گزارش ہے کہ سوالات کامن سینس کے پوچھا کریں جیسا کہ قبل کے رسالہ میں تھے۔ مزید چھوٹے چھوٹے بچوں کے انٹرویو کا سلسلہ شروع کیا جائے تاکہ ان میں آگے بڑھنے کی امنگ پیدا ہو سکے۔

(رضیہ اسلم۔ محلہ راجپوتانوالہ سیدالہ)

○ ..... ہم دونوں بہنیں پھول بہت شوق سے پڑھتی ہیں۔ 3 دسمبر کو میری (صائمہ اسلم) کی سالگرہ ہے پلیز خط شائع کر کے سالگرہ کی خوشی دوبالا کریں۔ نومبر کے پھول میں پھول شو سب سے زیادہ پسند آیا۔ انکل پھول کو دیکھ کر یہ شعر منہ سے نکل جاتا ہے۔

شہر کے آسماں پر تم چاند بن کر چمکو
جس باغ میں تم جاؤ پھول بن کر مہکو

(ارم اسلم۔ صائمہ اسلم۔ رائے ونڈ)

☆ ..... صائمہ رانی سالگرہ مبارک ہو اور تحفہ بھی۔

○ ..... میں آپ سے ناراض ہوں کیونکہ مجھے تین چار ماہ ہو گئے ہیں لطیفے اور اقوال زریں بھیجتے ہوئے لیکن آپ نے ایک لطیفہ تک شائع نہیں کیا میں ہر ماہ پھول رسالے میں خط لکھتا ہوں ارادہ تو میرا یہ تھا کہ اب آپ کو کبھی خط نہیں لکھوں گا مگر کیا کروں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں کیونکہ میں دو سال سے اس کا قاری ہوں اور تمام رسالے میں نے سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں۔ کیا آپ بچوں کی کوئی چیز نہیں شائع کرتے۔ میں چار ماہ سے آپ کو جو لطیفے بھیج رہا ہوں وہ بالکل نئے تھے حالانکہ اکتوبر میں جو لطیفے آپ نے شائع کئے وہ اکثر مجھے پتے تھے۔ اب نومبر کے مہینے میں آپ نے عذرا ناز کراچی۔ محمد طارق ڈی جی خان کے دو دو لطیفے شائع کئے اگر آپ انصاف سے کام لیتے تو ان کا ایک ایک لطیفہ شائع کرتے ان کی جگہ مجھ جیسوں کے دو لطیفے چھپ سکتے تھے۔

اکتوبر کے رسالے کے بعض صفحے کہیں کے کہیں تھے کہانیاں ڈھونڈنے میں دقت پیش آئی اور ایک بات آپ جو تصویروں کے اوپر کہانی لکھ دیتے ہیں وہ نہ لکھا کریں کیونکہ پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے ایک تو تصویر کے اتنے گہرے رنگ اوپر سے لکھائی کالے رنگ کی پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

(عمیر عالم۔ راولپنڈی)

○ ..... اس مرتبہ تو آپ نے حیران ہی کر دیا۔ پھول اس مرتبہ 26 تاریخ کو ہی آدھمکا۔ سرورق پر ایک ننھے منے "صاحب" ہاتھ میں اپنے سے بڑی گٹار کے ساتھ موجود تھے۔ اگلے صفحہ پر فرزانہ چیمہ کا کرنیں بکھیرتا ہوا کالم موجود تھا۔ آپ کا اداریہ کوئی خاص نہ تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے جان چھڑائی گئی ہو۔ "تصویریں بولتی ہیں" نیا سلسلہ بہت پسند آیا۔ تصویریں دیکھ کر آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ خیالوں کی وادی سے واپس آکر نگاہ ڈالی تو یاسمین رؤف صاحبہ وفادار دوست کے ساتھ دکھائی دیں۔ ان کے نازک دل کا خیال کرتے ہوئے یہ کہانی بے دلی سے پڑھی۔ پھول میں ہر مرتبہ اس موضوع پر کوئی نہ کوئی تحریر ہوتی ہے۔ کیا آپ کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی موضوع نہیں ہے؟ کہانی "ہم لوگ" نے بہت زیادہ متاثر کیا۔ ایسی تحریریں رسالے کی جان ہوتی ہیں۔ لہٰذا ایسی تحریروں کو ضرور شامل کیا جانا چاہئے۔ "دیئے سے دیا جلے" بھی پرانے موضوع کی نئی کہانی تھی۔ "چھوٹے لوگ" کا مرکزی خیال بہت زبردست تھا۔ اس چھوٹی تحریر نے دل پر بہت زیادہ اثر کیا۔ مصنف کو مبارکباد پہنچادیں۔ "ہیلو ہیلو" تقریباً نقل شدہ تھی۔ میری مراد یہ ہے کہ اس کا مرکزی خیال ایک اور رسالے کی کہانی سے لیا گیا تھا بس الفاظ کا ردوبدل کر دیا گیا تھا۔ علی سفیان آفاقی کا سفرنامہ واقعی زبردست ہے۔ اس کی تعریف کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔ آپ نقل شدہ کہانیاں شائع کر کے اپنے پھول سے رسالے کا معیار کم کر رہے ہیں۔ بہت افسوس کی بات ہے کہ اس مرتبہ کے شمارے میں بھی ایک نقل شدہ تحریر تھی۔ اس کا نام ہے "تعبیر"۔ یہ کہانی ماہنامہ آنکھ مچولی کے اگست 1992ء کے شمارے میں "تعبیر" ہی کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اس تحریر کے مصنف محمد طارق کو بلیک لسٹ کیا جائے۔ ثبوت ارسال ہے۔

"پھول کلینک" کافی مطمئن سلسلہ ہے۔ میری طرف سے ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کریں کہ انہوں نے ہم بچوں کے لئے وقت نکالا۔ نعیم بلوچ صاحب کی سلسلہ وار کہانی کا نیا حصہ کافی تبدیلی لئے ہوئے تھا جس سے کہانی کا حزن دوبالا ہو جاتا ہے۔

پھول شو کی تقریب کا آنکھوں دیکھا حال سارے رسالے کی جان تھا۔ تمام تصاویر پسند آئیں۔ سارہ علی کا کالم بھی خوب تھا۔ آپ کی بیڈ ٹائم سٹوری حقیقت پر مبنی نہ ہونے کے سبب بور تھی۔ اگر آپ بچوں کے مسائل پر قلم اٹھائیں تو بہتر ہو گا۔
(وحید عامر۔ بورے والا)

○ سرورق بہت ہی اچھا تھا میرے تمام دوستوں کو یہ رسالہ پسند ہے ان میں خاص طور پر قلب حسین عارف انور معظم علی ہیں۔ "پکنک" نظم نے بہت ہی مزہ دیا۔ کہانیوں میں خوش خلقی دو گھنٹے کی سزا یاب کا کالم پھول کلینک اداریہ ہیلو ہیلو وفادار دوست انٹرویو اور ڈاکٹر ایڈورڈ جیز آئیں اور بہت ہی مزہ آیا لطیفے بھی قابل ذکر تھے۔
(سلیم احمد۔ سندی فیض آباد)
☆ روایتی معلومات سے ہمارا پرہیز چل رہا ہے۔

○ پچھلے دنوں ہمیں ایک خوبصورت، دلکش اور پیاری پیاری عمارت میں جانے کا اتفاق ہوا ہم آپ کو اس کی سیر کی روداد سناتے ہیں۔ وہ 27 اکتوبر کی سہانی صبح تھی جب ہم اس پیاری سی عمارت کی سیر کو گئے عمارت کے دروازے پر ایک پیارا سا بچہ عینک لگائے اور ہاتھ میں گٹار پکڑے کھڑا تھا۔ ہمیں اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ مسکرا کر ہمیں راستہ دینے کیلئے پیچھے ہٹ گیا ہم نے بھی مسکراتے ہوئے اسے دیکھا دروازے میں داخل ہوئے تو عمارت کے مکینوں کے سربراہ کی پیاری سی تحریر لکھی تھی (اوریہ) وہ پڑھ کر ہم آگے بڑھے تو بڑا سا لکھا تھا "تصویریں بولتی ہیں" وہاں ہم نے عجیب و غریب تصویریں دیکھیں اور آگے بڑھے تو یاسمین رؤف ایک کہانی لئے بیٹھی تھیں انہوں نے اپنی کہانی "وفادار دوست" سنائی جو بہت پسند آئی آگے بڑھے تو شاہد اقبال بھی ایک اچھی سی کہانی "ہم لوگ" لئے تیار بیٹھے تھے ہمیں دیکھتے ہی وہ سنانے لگے یہ بھی بہت ہی پسند آئی اس کے بعد کتنے ہی عمارت کے مکین اپنی پیاری پیاری کہانیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ جاوید چودھری نے ہمیں ایک ادیب عارف انیس سے ملوایا ہم نے ان کی باتیں سنیں اور آگے بڑھے علی سفیان انکل نے ہمیں مزیدار سی سیر کی روداد سنائی ہمیں ایسے لگا جیسے ہم بھی وہاں موجود تھے پھر پھول کلینک کے ساتھ ڈاکٹر اظہر اے انور صاحب اور انکل نعیم بلوچ بیٹھے تھے۔ ان کی باتیں بھی بہت ہی پسند آئیں اور آگے گئے تو وہاں منظر ہی اور تھا۔ پیارے سے پھول شو کا آنکھوں دیکھا حال سنانے لگے۔ تقریب کی ہر چیز کے متعلق ہمیں تفصیل سے بتایا اور تصویریں بھی دکھائیں۔ ایک چھوٹی لڑکی جو عابدہ پروین کی نقل اتار رہی تھی بہت اچھی لگی۔ امجد اسلام امجد کا خوبصورت نغمہ بھی اچھا لگا۔ تھوڑا سا اور آگے بڑھے تو عمارت کے مکین بچے لطیفے اور عمارت کے بارے میں اپنے تاثرات بتانے کیلئے بے چین تھے۔ لطیفے سن کر ہمیں بہت ہنسی آئی جویریہ نے ہمیں اپنی دادی جان سے ملوایا۔ پھر سارہ باجی نے ہمیں زمانے بھر کی باتیں سنائیں۔ اس کے بعد ہم آگے بڑھے تو فوزیہ، طیب، سلمان، علی، ایم عابد، صائمہ، اسمٰعیل، رؤف، ظفر، نبیلہ، شبنم، رینا، عشرہ اور دو تین اور مکین بچوں نے ہمیں اپنے خصوصی کالم پڑھائے عنایت علی خان اور شاہد فیروز نے بہت پیاری نظمیں سنائیں پھر آخر میں ہم ایک کمرے میں گئے وہاں ایک بیڈ بچھا ہوا تھا اور اختر عباس بھائی اس بیڈ پر بیٹھے ہمیں کہانی سنانے لگے۔ بیڈ کو دیکھ کر ہمیں نیند آگئی لیکن ہم نے پوری کہانی سنی بہت ہی مزہ آیا۔ اس کے بعد ہم اس عمارت کے پچھلے دروازہ پر پہنچ گئے اشتہار دیکھا اور باہر نکل آئے۔
(عطیہ رحمٰن کھیالی۔ گوجرانوالہ)

○ آپ کو پھول کی سالگرہ مبارک ہو۔ میری طرف سے تمام سٹاف کو۔ آپ کی محنت کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے پھول کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ لطائف ذرا اچھے نہیں تھے۔ اول دو گھنٹے کی سزا، ہم لوگ۔ دوم قرض قرض اور ایسیا۔ سوم روپے سے دیا جلے۔
(خالد محمود فرخ راجن پور)

○ جوں ہی رسالہ ہاتھ میں آیا دل خوش ہو گیا فوراً سارا رسالہ پڑھ ڈالا۔ ہر چیز اپنی جگہ مکمل تھی۔ ماہنامہ پھول کی تقریب بہت اچھی لگی۔ ساری تصویریں بہت شان دار تھیں "ہم لوگ" وفادار دوست اور دو گھنٹے کی سزا سارہ باجی کی "زمانے بھر کی باتیں" بہت اچھی لگیں۔ میں نے پچھلے خط میں کہانی "احمقوں کی بستی" بھیجی تھی۔ لیکن لگتا ہے ردی کی ٹوکری بھسم کر گئی۔
(اروناقاروق۔ لاہور)
☆ اللہ آپ کا بھلا کرے خاصی سمجھدار ہیں۔ ماشاءاللہ۔

○ میں تیسری بار آپ کی محفل میں شریک ہو رہی ہوں۔ پہلی بار میں نے ایک کہانی بھیجی تھی جو چھپ نہ سکی۔ تاہم اس بات کا ذمہ دار میں آپ کو نہیں ٹھہراتا، کیونکہ غلطی میری ہی تھی۔ ایک تو وہ کہانی کچھ طویل تھی اور دوسرے میں نے اپنے خط میں اپنا پتہ نہیں لکھا تھا۔ یقیناً یہی بڑی وجہ تھی ورنہ آپ میرا دل نہ توڑتے۔ دوسری بار ایک نظم بھیجی۔ کئی دنوں تک جواب کا انتظار کرتا رہا۔ کل پھول ملا اس میں اپنی نظم اور خط کو نہ پا کر توہین کا احساس ہوا مگر کچھ دیر بعد ہی میرا اپنے سر پر جوتے کھانے کو بڑا دل چاہا جب میں نے دیکھا کہ خط تو میں نے پوسٹ ہی نہیں کیا اور نہ نظم۔ خیر اب نظم اور خط دونوں پوسٹ کروں گا۔ ہو سکتا ہے خود آپ کے دفتر آ کر اپنا کارنامہ آپ کے حوالے کروں۔ مگر ہو سکتا ہے وقت نہ ملے اور یا پھر آپ کا دفتر نہ ملے۔ تو اسے پوسٹ ہی کرنا پڑے۔ آپ کے دفتر آنے کے کیا اوقات ہیں؟ کیا جمعہ کے علاوہ بھی کسی دن آ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور یہ بھی بتائیں کہ جمعہ کے علاوہ کسی اور دن فون کرنے کی اجازت ہے بھی کہ نہیں؟
(ندیم سبحانی چودھری شاد باغ)
☆ سبحانی صاحب ایک آپ کیا بہت سے اور ساتھی بھی یہی کام کر کے گلے شکوے لے کر آتے ہیں۔ خیر ہمیں آپ سے ہمدردی ہے۔ جمعہ کے علاوہ جمعرات اور ہفتہ کو بھی 2 سے 5 بجے تک فون ہو سکتا ہے ملاقات ہو سکتی ہے۔

نومبر کا پھول خریدا پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ کہانیوں میں وفادار دوست، دیئے سے دیا جلا، چھوٹے لوگ، تعبیر، منزل کی تلاش، پھول شو، لیٹر بکس بیڈ ٹائم سٹوری اور لطیفے بہت زیادہ پسند آئے۔
(اقبال عمران اسحاق بلال سموکوٹ سلطان لیہ)

ہماری دعا ہے کہ آپ ہمیشہ کامیابیوں سے ہمکنار رہیں۔ اکتوبر کا شمارہ پڑھا۔ بیڈ ٹائم سٹوری، ہم لوگ اور لطائف بہت پسند آئے۔ ویسے تو پورا رسالہ ہی بہت پسند پسند آیا لیکن یہ کہانیاں زیادہ پسند آئیں۔
(عائشہ نثار چک 5 فیض ملتان)

میں اور بھی رسالے پڑھتا ہوں لیکن جب میں نے پھول پڑھنا شروع کیا ہے تو مجھے یہ رسالہ اتنا اچھا لگتا ہے کہ میں اسے باقاعدگی سے پڑھ رہا ہوں۔ نومبر کے شمارے میں جو کہانیاں پسند آئیں وہ یہ ہیں۔ دیئے سے دیا جلے، وفادار دوست، لیٹر بکس، قربانی۔ لطیفے بھی بہت اچھے تھے
(میر عدیل پرویز میر راحیل پرویز مظفر آباد آزاد کشمیر)

پھول (بہت ہی مقبول) وقت سے یعنی نومبر سے 4 روز پہلے ہی مل گیا جس کی وجہ سے اس کی خوشبو صاحبہ نے ہمیں زیادہ ہی متاثر کر دیا۔ اس شمارے میں "تصویریں بولتی ہیں، ہم لوگ، وفادار دوست، دیئے سے دیا، منزل کی تلاش، اور خاص طور پر "دو گھنٹے کی سزا" بہت پسند آئیں۔ (سید راشد حمید سرگودھا)

قسط وار ناول منزل کی تلاش تو بہت اچھا لگا۔ اور ہاں نومبر کا پھول بھی وقت سے پہلے مل گیا اس کا شکریہ (سائرہ صفدر ڈی جی خان)

○ میرا خط شائع ہوا بہت خوشی ہوئی۔ مگر جواب آپ نے بہت کڑوا تے دار دیا، کیا میرے خط میں غلطی بھی ہو آپ نے لکھا تھا کہ ایک بار پھر پڑھو۔ میں نے ایک بار نہیں 10 بار پڑھا مگر میرے دماغ میں کچھ سمجھ نہیں آیا کہ اس میں کیا غلطی ہے کہ جو مجھے نظر نہیں آئی اچھا اور یہ کیا مذاق ہے کہ مجھے سالنامہ کی ساری کہانیاں پسند نہیں آئیں مجھے پھول جہاں بھی ہو بہت اچھا لگتا ہے۔ (صدف نسیم۔ بادامی باغ)

سرورق بہت خوبصورت تھا اور تصویریں بولتی ہیں، وفادار دوست، ہم لوگ، منزل کی تلاش، لطیفہ کچھ یوں ہے بہت ہی اچھے تھے (ثاقب اقبال خان ساقی محلہ بلند خیل موچھ میانوالی)

میں آپ کو پہلی مرتبہ خط لکھ رہی ہوں حالانکہ رسالہ پورے دو سال سے پڑھ رہی ہوں۔ امید ہے کہ مایوس نہیں کریں گے۔ آپ کا رسالہ ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ ہر کہانی میں ایک سبق ہوتا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی آپ کے رسالے کے لئے کچھ نہ کچھ لکھا کروں گی (انوریہ الطاف مظفر آباد)

☆ لکھا کروں گی کا کیا مطلب نومبر کے پھول میں آپ کی لکھی ہوئی کہانی صفحہ 46 پر شائع ہوئی ہے۔ کیا نظر سے نہیں گزری؟ پھر اجازت لینے کی باتیں تو بس رسمی رسمی ہوتی ہیں ہم تو پہلے ہی بیشہ کھلے دل سے خوش آمدید کہتے ہیں

پھول کی دوسری سالگرہ کی تفصیل معہ تصاویر کے دیکھی تو آپ یقین کریں کہ بے اختیار دل چاہا کہ کاش ہم بھی اس میں شامل ہوتے مگر یہ سب خوابوں خیالوں کی باتیں ہیں کیونکہ مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا کہ پھول کا فنکشن ہو رہا ہے لیکن تصویریں دیکھ کر اور تفصیل پڑھ کر بہت خوشی ہوئی
(رفعت بتول محبوب احمد کچا کھوہ)
☆ پھول کے فنکشن انشاءاللہ آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ آپ روزنامہ نوائے وقت میں ہمارا اشتہار دیکھ کر آجایا کریں۔

آپ پھول کے ٹائٹل پر ان بچوں کی تصاویر بھی شائع کر دیں جو سارا دن ورک شاپوں پر رحم کرتے ہیں تو آپ کی مین نوازش ہو گی۔ میرے خط کا اصل مقصد صرف یہی بات آپ تک پہنچانا تھا۔ کہانی آپ چھاپیں نہ چھاپیں وہ آپ کی مرضی ہے مگر اس بات کی ضرور جائیں کیونکہ آخر وہ بھی اسی ملک کا حصہ ہیں۔ (الیاس نظامی رحمان پورہ)

○ پھول کا ہر ماہ بڑی بے چینی سے انتظار رہتا ہے ایڈیٹر بھیا سے گزارش ہے کہ پھول کو 15 دن کے بعد شائع کر دیا کریں تو بہت اچھا ہو گا اور ایک یہ کہ آپ قلمی دوستی کا کالم ضرور شائع کریں۔ (پرنس عامر محمود طاہر، رانا طاہر حامد۔ سکھ پور)

انکل صاحب ہم اپنا نام پھول بڑا مقبول میں نہ دیکھ کر بہت غصہ آیا مگر خیال آیا کہ اسلام میں غصہ پی جانا ثواب ہے تو میں دعا سمجھ کر پی گیا اور آپ نے اس دفعہ بھی پھول کوئز میں میرے شہر کی شہرت کی بجائے کسی اور شہر کی شہرت کر دی۔ آپ نے شکر گڑھ کی بجائے نارووال لکھ دیا اور آپ نے تو قسم کھا رکھی ہے کہ ہمارا نام تو کسی قرعہ اندازی میں نہیں نکلا کیونکہ یہ شہر بارڈر پر ہے۔ تو آپ سن لی ہم بھی ہار ماننے والے نہیں (ایس ایم آصف شکر گڑھ)

آپ نے پھول بڑا مقبول میں مجھے جگہ دی اور میرا خط شائع کر کے خود مجھے بھی گول گپے کی طرح پھلا دیا۔ آپ سے پچھلی دفعہ بھی عرض کیا تھا کہ ریبو کا انٹرویو شائع کریں اور پوسٹر بھی۔ امید ہے آپ ننھی بسن کی خواہش پوری کریں گے۔
☆ لیجئے پھر خوشی آ رہی ہے۔ مگر اب کے گول گپی نہیں بننا۔

بھیا ایک بات تو بتائیے نہ تو آپ میرے خط کا جواب دیتے ہیں اور نہ میری بھیجی ہوئی کوئی کہانی لطیفہ 'اقوال زریں وغیرہ شائع کرتے ہیں۔ کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو میری غلطی معاف کر دیں اس میں بھلا میری تحریروں کا کیا قصور (فرحت رشید حافظ آباد)

☆ بھئی فرحت رانی بات یہ ہے کہ ہم تو آپ ساتھیوں سمجھا سمجھا کر تنگ آنے والے ہیں کہ خط لکھیں یا کہانی اپنا پورا پتہ ساتھ ضرور لکھیں۔ اب یہی سوچا ہے کہ جس خط یا تحریر پہ نام و پتہ لکھنا بھولیں ہم اسے چھاپنا بھولیں گے۔ (پتہ چھاپنے کے لئے نہیں ہوتا..... ریکارڈ کے لئے ضروری ہوتا)

○..... اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے اور آپ جگ جگ جی کر ہمارے خط شائع کرتے رہیں۔ مجھے بہت خوشی ہوئی کہ میری بہن کا خط شائع ہو گیا بیچاری بڑی فکر مند تھیں کہ پتہ نہیں کیا ہو گا؟ خیر جی اس دفعہ کا بھی "پھول" پڑھا پڑھ کر دل خوش ہو گیا اور پتہ ہے پورا رسالہ پڑھنا پڑا تاکہ سب "صفحہ بتائیے انعام پائیے" مل سکیں۔ (عمارہ نسیم لاہور)

☆..... ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ چھوٹے شہروں میں بھی پھول کی ایسی ہی تقریبات منعقد کرائیں جیسی لاہور میں کرتے ہیں تاکہ چھوٹے شہروں کے بچوں کا ٹیلنٹ بھی کھل کر سامنے آئے۔ اور وہ بھی انعامات اور حوصلہ افزائی پا سکیں۔
(شکریہ)
(ثمرہ ندیم ارم اسلم گلنار لطیف رائے ونڈ)
تجویز تو بہت اچھی ہے مگر عمل کیلئے آپ میں سے ان ساتھیوں کو کچھ کام کرنا پڑے گا جو اپنے شہروں میں ایسی تقریبات کروانا چاہتے ہیں اچھے سکولز اور اداروں سے رابطہ کر کے تقریب کی تیاری جگہ مہمان وغیرہ طے کریں۔ پھر ہمیں بتلا دیں تاکہ مناسب تاریخ طے کر کے آپ کو بتلایا اور آیا جا سکے۔

☆..... پھول رسالہ ہم سب کو بہت ہی پسند ہے
پھول کی جتنی بھی تعریف کی جائے اتنی ہی کم ہے۔
کیونکہ پھول رسالے کا ہر شمارہ بلکہ اس کی ہر سطر لاجواب اور خوبصورت ہوتی ہے۔
"بیڈ ٹائم سٹوری" کی تازہ کہانی بہت پسند آئی۔
رانا عمر حیات کلیسی۔ رضا علی عابد
طارق سہیل "افتخار علی چک نمبر 107 فیصل آباد

☆..... فریحہ ابتسام صاحبہ کا "ایک خط" پڑھا بہت افسوس ہوا' محترمہ تنقید کے شوق میں پتا نہیں کیا کچھ لکھتی رہیں انہوں نے الزام لگایا ہے کہ میری تحریر وہ پہلے کئی بار پڑھ چکی ہیں اور یہ کہ یہ نقل شدہ ہے۔
کیا موصوفہ اپنا الزام ثابت کرنے کیلئے کوئی ثبوت پیش کریں تو آپ بیشک مجھے بلیک لسٹ کر دیں۔
میں ایسی گھٹیا حرکت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ نہ ہی مجھے غلط راستے سے نام چھپوانے کا شوق ہے۔ خدا کے فضل سے "پھول اور کلیاں" ملتان نوجوانوں کا صفحہ ملتان اور ہفت روز "انسانیت" وہاڑی میں میری دو درجن سے زائد تحاریر شائع ہو چکی ہیں بھائی جان! اگر وہ چوری کا الزام ثابت کرتیں ہیں تو میں ہر سزا کیلئے تیار ہوں ورنہ..... ان سے گزارش ہے کہ پہلے تو تولو پھر بولو"
ساجد حسین ساجد وہاڑی

☆..... میں دل کی گہرائیوں سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے "پھول" ارسال فرمایا "پھول" نے آپ کی ادارت اور عملے کی محنت کے سبب جو ترقی کی ہے وہ باعث حیرت ہے۔ اس رسالے کا انداز اور اس کے اندر مضامین اور سلسلے اردو صحافت میں نئے باب کھول دیے ہیں۔ ہمارے ہاں پشتو میں جب کسی کو دعا دی جاتی ہے تو کہتے ہیں۔
"گل شے خو عمر دو گل مہ شہ"
ترجمہ (اللہ) تجھے پھول جیسا کر دے لیکن تمہاری عمر پھول جتنی نہ ہو۔ میں آپ کے "پھول" کے لئے یہی دعا دھراؤں گا ٹھہریئے ذرا وضاحت ہو جائے کہ پھول چاہے کتنا بھی خوب صورت ہو اس کی عمر بہرحال کم ہوتی ہے آپ کا ماہنامہ "پھول" اس اصول سے مستثنیٰ ہے کاغذ جو ہوا!
نیک خواہشات اور دعائیں آپ کا بھائی (فخر الاسلام پشاور)

☆..... پیارے بھیا ایک بات اور ہے وہ یہ کہ ہمارے جمعہ کے روز ایکسچینج بند ہوتی ہے۔ یوں میں فون کر کے آپ سے شکوہ و شکایت نہیں کر سکتی۔ خط تو آپ بس پڑھ کر رکھ دیتے ہیں آپ بتائیں کہ کیا کسی اور روز فون نہیں کر سکتی۔ شائلہ رسول چک 256/ پھلور ضلع ٹوبہ

☆ آپ ایسا کریں ہفتے کو 2 سے 5 بجے تک فون کر لیا کریں۔ ہم سارے شکوے شکایتیں سن لیں گے۔

پھول نے دل باغ باغ کر دیا
خط لکھنے پر مجبور کر دیا

☆..... میں ان دنوں چھٹی جماعت میں پڑھ رہا ہوں ماہنامہ پھول پڑھا جس کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔
پھول ہے گلاب کا ذرا خوشبو تو لیجئے
خط ہے غریب کا ذرا شائع تو کر دیجئے
سلیم احمد

☆..... سوال ہے کہ آپ کے پاس تقریباً خطوط کتابیں ہر مہینے؟ ایک بات اور کہ اگر ہم ٹائیٹل کیلئے کوئی خوبصورت تصویر بھیجیں تو کیا آپ چھاپیں گے؟ اور اگر ہم خود کوئی تصویر بنا کر دیں تو کیا اس کو رسالے میں جگہ ملے گی۔ بھیا میرے سوال تو کافی ہیں لیکن جواب چھوٹے ہوں گے۔

ایک بات اور میرے دوست جو کہ جہلم میں رہتی ہے پھول کو بڑا پسند کرتی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ پھول دو رسالہ ہے جس کی ہم بچوں کو واقعی ضرورت تھی ہمارا اپنا رسالہ ہے۔ اس کا نام عاصمہ ہے اور اپنے سکول کی ہیڈ گرل ہے۔

اب ایک ضروری بات جس مقصد کیلئے خط لکھ رہی ہوں آپ کو تو معلوم ہے میرا نام پچھلے رسالے میں تھا مگر ایک بات ہے تین لڑکوں نے قلمی دوستی کیلئے خط لکھا ہے جو کہ ہمارے گھر میں کسی کو پسند نہیں آیا ہے میری آپ سے درخواست ہے کہ اس بات پر غور کریں کیا یہ اچھی بات ہے کہ کوئی کسی کو یوں قلمی دوستی کے لئے اجازت کے بغیر خط لکھے ہو سکتا ہے میرے علاوہ اور بھی بہنوں کو خط لکھا گیا ہو۔ اصولاً ایسا نہیں ہونا چاہئے خط صرف اسے لکھا جاتا ہے جو قلمی دوستی کا خواہش مند ہو اور اس حوالے سے اپنا تعارف کروائے اور نام چھپوائے۔ (آپ کی بہن غلط ہے لاہور

☆..... میں آپ کا رسالہ دو سال سے پڑھ رہی ہوں آپ وقت ضائع کرنے کیلئے فضول قسم کی کہانیاں چھاپ دیتے ہیں آپ نے تو صرف ایک پھول کو ٹرخا دیا ہوتا ہے جب کہ تعلیم و تربیت میں عالمی آزمائش کے ساتھ ساتھ سائنس کی بھی بہت سی باتیں لکھی گئی ہیں۔ آپ اس رسالے میں نہ تو قرآنی کہانی چھاپتے ہیں نہ سنہری چڑیا کی باتیں اور سائنس کی باتیں اسی وجہ سے آپ کا رسالہ بالکل ہی بے کار رسالہ ہے آپ اپنے رسالے کو ٹھیک کریں ورنہ میں یہ رسالہ پڑھنا چھوڑ دوں گی۔
(فاطمہ صوفی) بھاولپور ششم

ڈئر سسٹر سارہ
سلام خلوص!
نومبر کے پھول میں پہلے اداریہ پڑھا۔ آپکی تحریریں ہمیشہ دل موہ لینے والی ہوتی ہیں۔ زمانے بھر کی باتوں میں آپ نے ایک انگلش بچی ازمینا کے بارے میں پوچھا ہے کہ آیا وہ بدقسمت ہے یا خوش قسمت میں نہیں جانتی کہ آپکی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ صرف اتنا کہوں گی اگر کوئی شخص دولت مند ہو اور اسکے پاس دنیا کی ہر آسائش موجود ہو مگر اپنے پیار کرنے والے کی کمی ہو تو ہم اسے خوش قسمت ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ دولت ظاہری چمک تو عطا کر دیتی ہے مگر باطنی نور دولت سے دور رہتا ہے۔ نبیلہ شفیق ۔ خانیوال

○..... پھول بڑا مقبول "کالم" میں توسیع کرنے پر شکریہ۔ "وفادار" دوست اور "ہم لوگ" نے بڑا متاثر کیا آپ سے درخواست ہے کہ کوئز سلسلے کے درست جوابات بھی شائع کیا کریں اور براہ کرم کوئی ایسا راستہ بتا دیں جس کے ذریعے ہمارا خط ردی کی ٹوکری سے بچ کر پھول میں پہنچ جائے۔ محمد فیصل مشتاق دہاڑی روڈ حاصل پور ضلع بہاولپور

☆..... لیجئے خط آپ کا ردی کی ٹوکری سے بچ گیا ہے۔ کیونکہ 1۔ صفحے کے ایک جانب لکھا ہوا تھا' 2۔ کاپی کے ورق پر تھا' 3۔ اور خالی تعریف کی بجائے آپ کی رائے لئے ہوئے تھا۔ یہی راستہ ہے خط چھپوانے کا۔ جتنا تفصیلی اور صاف ستھرا خط ہو گا اتنا ہی اسکا شائع ہونا یقینی ہو گا۔

○..... آپ نے تو میرے خط کی پوری کھال ادھیڑ دی چلو تھوڑی ادھیڑتے تو کوئی بات نہ تھی۔ وہ خط بھی کوئی شائع کرنے کا تھا۔ سب بہن بھائیوں نے مذاق اڑایا۔ بھئی بات ہے صاف مجھ سے سنجیدہ خط بالکل نہیں لکھے جاتے۔ اب مثال کے طور پر کیا میں ایسے سنجیدہ خط لکھا کروں "کہ انکل رات کے بارہ بجکر پانچ منٹ ہو رہے ہیں چھت پر اکیلی ایک عدد ٹوٹی ہوئی کرسی پر بیٹھی ہوئی چاند کی چودہ تاریخ ہے اور چاند منہ پھاڑے کھڑا ہے۔ ہاتھ میں (میرے) پھول (رسالہ) ہے اور چاند کی روشنی میں پڑھ رہی ہوں کیونکہ لائٹ جو گئی ہوئی ہے۔ میرے بھائی کہتے ہیں انکل یعنی آپ کو اس خط میں پتا نہیں کیا نظر آ گیا حالانکہ پھول کی تعریف بھی نہیں تھی شاید انکل نیند میں ہوں گے جو شائع ہو گیا۔ شبانہ عزیز۔ ڈی جی خاں

○..... انکل کیا یہ نوکری دس پندرہ دن میں بھر جاتی ہے تو کیا آپ اسے فروخت کر کے بہت سا منافع کماتے ہیں۔ انکل آپکو ماہنامہ "پھول" کی دوسری سالگرہ پر لاکھوں ڈھیر ساری خوشیاں مبارک ہوں۔ انکل آپ نے تو پھول شو میں دھوم مچا دی۔ منصور اختر۔ ٹبہ سلطان پور

☆..... منصور میاں پہلے تو یہ سنئے کہ ہماری نوکری صاحبہ 15 دن بعد نہیں دن میں پانچ مرتبہ بھرتی اور خالی ہوتی ہیں۔ منافع ہم نوکری سے نہیں نوکری میں نہ جانے والی تحریروں سے کماتے ہیں۔ آپ کو پڑھا کر۔ دکھا کر۔ خوشیاں بانٹ کر اچھا منافع ہے نا!

○..... صفحہ بتائیے اور انعام پائیے نے تو ہمیں سارے ماہنامے میں چکراؤ ڈالا۔ ویسے صفحہ بتائیے کا ایک جملہ مختلف سا تھا۔ عمران مجمنو مظفر گڑھ

☆..... بھئی ایک آدھ لفظ کا فرق ہو تو پریشان مت ہو جایا کریں۔

○..... مزاج کیسے ہیں آپکے۔ جی..... اچھے ہیں چلو خوشی ہوئی۔ آپ ٹھیک ہیں تو ہم بھی ٹھیک ہیں۔ اب یہ خط آپکے پاس موجود ہے آپکی مرضی چاہے پاس کر دیں یا ردی صاحبہ کی ٹوکری میں پہنچا دیں۔ محمد ارشد حبیب قادری۔ ملتان چھاؤنی

○..... تمام لکھنے والوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ وہ اتنی اچھی اچھی

کہانیاں اور نظمیں میرے پیارے رسالے کیلئے لکھتے ہیں۔ محمد توقیر رضا راٹا

○..... ہم لوگ' پڑھی کہانی تو اچھی تھی لیکن موضوع بہت پرانا۔ منزل کی تلاش بھی خاص نہیں تھی۔ جبکہ دیئے سے دیا جلے۔ بیڈ ٹائم سٹوری اور سارہ علی کا کالم اچھا لگا۔ اکتوبر کے شمارے میں سارہ عرفان کا "دادی جان کا انٹرویو" کوئی خاص نہیں تھا لیکن اس دفعہ کے شمارے میں جویریا نورین کا دادی جان سے انٹرویو بیحد زیادہ پسند آیا۔ عمران علی 'لالہ موسیٰ

○..... کہانیوں میں وفادار دوست 'منزل کی تلاش پسند آئیں۔ پھول شو پڑھ کر تو بہت مزہ آیا۔ محمد عرفان یوسف۔ اسلام آباد

○..... میں ڈنڈہ اٹھا کر "پھول" کے دفتر آ رہا تھا کہ میرے چھوٹے بھائی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا "چھوڑیں بھائی جان ایک مرتبہ اور معاف کر دیں۔ اگر آئندہ خط شائع نہ کریں تو میں نہ روکوں گا" لگتا ہے آپ نے سالنامے کی ساری کسر اس نومبر کے شمارے میں نکال لی ہے کیونکہ پورے رسالے میں صرف "56" صفحات اتنا پتلا رسالہ دیکھ کر پڑھنے کو بھی جی نہیں کر رہا تھا اور کہانیوں میں "بیڈ ٹائم سٹوری" "وفادار دوست" "دیئے سے دیا" اور سارہ علی کا کالم بیحد پسند آیا۔ راشد رضا قائم خانی۔ نوکوٹ سندھ

○..... میں نے حال ہی میں ہونے والی "پھول" کی دوسری سالگرہ میں شرکت کی۔ انعام نے اس خوشی کو چار چاند لگا دیئے۔ میں "پھول" کی انتظامیہ کو بھی مبارکباد دیتا ہوں جنہوں نے اس پروقار تقریب کا اہتمام کیا۔ جب میں نے سپیکر قومی اسمبلی جناب گوہر ایوب سے انعام وصول کیا تھا وہ لمحات میری زندگی کے چند انتہائی خوبصورت لمحات میں سے ایک تھے جن پر بجا طور پر میں فخر کر سکتا ہوں۔ حقیقت میں میری یہ پہلی اتنی بڑی شخصیت سے ملاقات تھی۔ میں آپ کا بھی تہہ دل سے مشکور ہوں کہ آپ نے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور مجھے انعام کے قابل سمجھا۔ محمد کاشف اوکاڑہ

○..... پھول شو تو واقعی داد اور تحسین کا مستحق ہے۔ تالیاں..... مبارک ہو۔ بھیا جان۔ اگر میں بھی کچھ لکھوں تو کیا پھول رسالے کی زینت بن سکے گا؟ صابرہ عزیز رحیلانوالی

☆..... کیا اب بھی پوچھنے کی ضرورت ہے!

○..... عمران خان کا پوسٹر دیجئے گا! جبران جمشید ملتان

☆..... عمران خان کا پوسٹر تو ہم پہلے ہی شائع کر چکے ہیں۔

○..... بھیا جلدی سے فیصل آباد کی طرف ٹرپ کا بھی پروگرام بنائیے۔ آپ کو یاد نہیں کچھ عرصہ قبل آپ نے اعلان کیا تھا مگر ابھی تک کچھ بھی نہیں۔ افسوس (یہ میرا تکیہ کلام نہیں) کہ آزاد کشمیر کی قیصرہ امین اور صائمہ امین نے شاید مجھ پر بھروسہ نہیں کیا ورنہ وہ لازمی پھول کی معرفت جواب دیتیں۔ خیر ان کی مرضی مگر میں پیارے کشمیر کی پیاری لڑکیوں کو اپنے ساتھ دوستی کیلئے خوش آمدید کہتی ہوں۔ صائمہ دلاور بھائی۔ جھم رہ سٹی

☆..... ہم انشاء اللہ دسمبر کے پہلے ہفتے فیصل آباد آنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ نور میں شامل ہونے کی خواہش ہو تو فوراً نام پتے اور فون نمبر کے ساتھ رابطہ کیجئے۔

○..... سرورق بہت خوبصورت تھا۔ اداریہ پڑھ کر مطالعہ شروع کیا تو پورا شمارہ پڑھ کر ہی دم لیا۔ کہانیاں وفادار دوست 'ہم لوگ' تعبیر' دو گھنٹے کی سزا بہت اچھی تھیں۔ قسط وار ناول 'منزل کی تلاش پڑھ کر تیسری قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ محمد ارشد بہاولنگر

○..... مائی ڈیئر نمکین چاچو جان! خطوں کی بازیابی چاہی لیکن شومئی قسمت یا کہ ڈاکیا حضرات کی مہربانی سے ہمیں "دربار" میں شمولیت نہیں ملتی ہے۔ لیکن میرے نمکین چچو اب کی بار ہم نے نمک بھرے خط سے دربار پھول بڑا مقبول میں حاضری کا شرف چاہتے ہیں۔ عظمیٰ اسلم کچھ کھوہ

☆..... حاضری قبول کی جاتی ہے بھتیجی۔

○..... میں کرکٹ کی بہت شوقین ہوں۔ مہربانی فرما کر آپ ہر دفعہ رسالے میں کسی نہ کسی کھلاڑی کا انٹرویو ضرور شائع کریں اس دفعہ رسالے میں کسی کھلاڑی کا انٹرویو نہ پا کر بہت دکھ ہوا ہے۔ آسیہ اسلم منگووال غربی ضلع گجرات

○..... مجھے رسالہ پڑھنے کا قطعی شوق نہیں تھا۔ لیکن اس مرتبہ جب میں اپنی کزن کے پاس آئی تو پھول کا پیارا سا سرورق دیکھ کر میرا دل بھی چاہا کہ میں اسے پڑھوں۔ میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ کوئی رسالہ پڑھا ہے اور وہ بھی اتنا پیارا سا پھول۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ اتنا خوبصورت رسالہ پاکستان میں ہمارے لئے شائع ہوتا ہے۔ عمارہ اسلم۔ جھم رہ سٹی

○..... دو تحریریں بھیج چکا ہوں' جن میں ایک بھی شائع نہیں ہوئی۔ آپ کے رسالے کا بڑی شدت سے انتظار رہتا ہے لیکن جب رسالہ آتا ہے اور اس میں میری کوئی تحریر شامل نہیں ہوتی تو مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ راشد الیاس نیو سمن آباد لاہور

☆..... راشد میاں! ہمیں آپ سے ہمدردی ہے وہ اس لئے کہ ہمارا بھی جی چاہتا ہے کہ سب تحریریں شائع ہو جائیں مگر کیا کریں ابھی پہلے موصول ہونے والوں کی باری نہیں آتی کہ نیا ڈھیر لگ جاتا ہے۔ اس لئے انتظار تو کرنا پڑے گا۔ مگر خوش دلی سے۔ مایوسی کو تو کبھی قریب آنے بلکہ بیٹھنے ہی نہ دیں.....

○..... دادی کا انٹرویو لگتا ہے کہ جویریا کی اپنی تخلیق ہے۔ بہرحال مجموعی طور پر بہت ہی اچھا رسالہ تھا۔ رسالہ وقت سے پہلے بھیجنے پر خصوصی مبارکباد قبول کریں۔ پھول شو بھی بہت ہی اچھا تھا۔ احمد کفیل بھٹہ۔ مہر پور چوک

○..... بیڈ ٹائم سٹوری کی تصویریں بہت پسند ہیں۔ سارہ علی کا کالم ہر دفعہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ انکل 'پھول میں کئی صفحوں پر رنگ کر دیا جاتا ہے جس سے پڑھنے میں مشکل ہوتی ہے۔ سعدیہ حمید۔ فرح وزیر آباد

☆..... انشاء اللہ آئندہ یہ مشکل نہیں ہوگی۔

○..... "پھول بڑا مقبول" اس سلسلے کا نام تبدیل کر دیجئے کیونکہ یہ اپنے منہ میاں مٹھو بننا ہے۔ زاہدہ فضل الحق ملتان

☆..... ساتھیوں سے رائے لے لیتے ہیں۔ جی جناب آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟ ویسے پھول کی مقبولیت اتنا بڑا سچ ہے بھلا سچی بات کا اظہار اپنے منہ میاں مٹھو بننا کیسے ہو گیا!

○..... کچھ کہانیاں تو بالکل پرانے آئیڈیے کی تھیں جنہیں پڑھ پڑھ کے تھک چکے ہیں جیسا کہ اس ماہ رسالے میں "قربانی" اور "چنوں نے توبہ کی" وغیرہ۔ فرزانہ 'تنزیلہ' عثمان الٰہی۔ گوجرانوالہ

☆..... ارے جناب ہماری بھی توبہ۔ جو آئندہ کبھی پرانے آئیڈیے کی کہانی چھاپنے کا سوچیں بھی!

○..... یہ تو بتائیے کہ یہ نوکری آپ کب بچیں گے۔ میں بذات خود اسے خریدنے کیلئے تیار ہوں کیونکہ سارے بہن بھائی جو پھول پڑھتے ہیں اس سے بدظن ہیں۔ میمونہ وحید سیالکوٹ

☆..... یہ خط بڑی مشکل سے نوکری سے بچایا ہے۔ چٹ پہ لکھتی ہیں اور پھر توقع رکھتی ہیں کہ شائع بھی ہو۔ اسے آخری رعایت سمجھیں آئندہ آپ نے یا کسی اور ساتھی نے کاغذ کی چٹ بنا کر مکمل پتا لکھے بغیر خط لکھا تو جناب خط پڑھے بغیر سیدھا نوکری کے پیٹ میں جائے گا۔ اللہ اللہ خیر سلا!

○..... آپ نے میرے گاؤں کا نام غلط شائع کیا۔ محمد شفیق اعظم۔ ملوکہ اوگی

☆..... شفیق میاں اس بار آپ نے خط بھی صاف صاف لکھا ہے اور نام بھی..... اس لئے درست پڑھے اور شائع ہو رہے ہیں۔

○..... یہ آپ نے کیا رٹ لگا رکھی ہے کہ عمران خان کا پوسٹر پہلے بھی شائع کر چکے ہیں۔ ہمیں اس طرح کا پوسٹر نہیں بلکہ پورٹریٹ کی بجائے پکچر چاہئے بمعہ انٹرویو اور آٹوگراف۔ اوکے۔ پھول بڑا مقبول میں شملا افروز کا خط پڑھا تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ جو لوگ جوابات بھیجتے ہیں انہیں یہ بھی پتا ہوتا ہے کہ یہ جواب درست ہیں یا غلط۔ مجھے تو احساس ہونے لگا ہے کہ پھول کو خط لکھنے کا مقصد پھول میں نام شائع کروانا ہوتا جا رہا ہے اپنی رائے یا پسند ناپسند کا اظہار کرنا نہیں۔ عجیب لوگ ہوتے ہیں وہ جو رسالے میں نام شائع ہو جانے پہ اتنا خوش ہوتے ہیں کہ رسالہ لے کر پوری دنیا کو دکھانے چل پڑتے ہیں۔ میرا نام تو کئی رسالوں میں شائع ہو چکا ہے میں نے تو کبھی اپنی امی کو بھی نہیں بتایا اور نہ ہی ایڈیٹر کے نام خط میں یہ کبھی لکھا کہ انکل میں اتنے خط لکھ چکی ہوں مگر سب ردی کی نوکری کھا گئی۔ اب یہ خط ضرور شائع کریں ورنہ میں رسالہ پڑھنا چھوڑ دوں گی وغیرہ۔ میں تو خط میں صرف رائے لکھتی ہوں کہ مجھے کیا پسند ہے یا نہیں۔ ویسے شملا آپ یہ بھی تو سوچیں کہ جب رسالے میں پورے دو تین صفحے محض ناموں سے بھرے ہوئے ہوں تو آپکو گفت نہیں ہوتی۔ اس کا آخر فائدہ کیا ہوتا ہے؟ اگر آپکو میرے رائے پسند نہیں تو آپ پلیز اسے نہ پڑھیں مگر ایسی بات میرے لئے ناقابل برداشت ہے "میرے پاس شملا کا ایڈریس نہیں ہے اس لئے یہ خط میں پھول کو لکھ رہی ہوں کہ وہ یہ بات ان تک پہنچا دیں پلیز۔ پھول کا سرورق ہی اتنا پیارا ہے کہ بک سٹال پر دور سے لٹکا ہوا ہی دیکھ کر پہچان گئی کہ یہ پھول ہی ہے۔ مجھے ایسے ہی سرورق اچھے لگتے ہیں۔ اداریے میں آپ نے بہت ہی اچھی بات بتائی ہے ویسے کیا واقعی آپکو اتنا اچھا بچہ ملا ہے یا یہ آپ ہی کی تحریر ہے۔ جس رسالے میں نظمیں اور مضمون ہوں وہ میرا پسندیدہ رسالہ ہوتا ہے۔ پھول بے شک اس میدان میں باقی رسالوں کی نسبت سست ہے مگر جب بھی کوئی نظم یا مضمون ہوتا ہے بہت ہی اچھا ہوتا ہے۔ اس لئے اس دفعہ بھی مضمون اور نظمیں انتہائی خوبصورت تھیں۔ مجھے سارہ علی کا کالم خاص طور پر بیحد پسند ہے۔ ہما جبیں مظفر گڑھ

☆..... ہما اتنا اچھا لکھتی ہیں آپ۔ کہانیوں اور مضامین پر بھی طبع آزمائی کریں اور وہاں تاپور اکمل لکھا کریں۔

○..... فرض قرض اور انیسیا اور تعبیر بہت پسند آئیں۔ تصویریں بولتی ہیں۔ بیڈ ٹائم سٹوری اور سارہ علی کے کالم کی تو کوئی بات ہی نہیں۔ کیونکہ ان کی تعریف سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ سجاد حیدر بھٹی شاہ صدر دین

○..... سرورق بہت خوبصورت تھا۔ میں نے آپکا رسالہ پھول دوسری بار پڑھا تو بہت مزا آیا۔ رفعت نصرت میاں چنوں

○..... میں نے لاتعداد خط لکھے لیکن آپ نے ایک خط بھی شائع نہیں کیا۔ میں ہر ماہ تقریباً 25 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے رسالہ لینے جاتا ہوں کیا آپ مجھے اپنے پھول میں شامل نہیں کرنا چاہتے۔ محمد صفدر جمال کانٹریوال

شہید

ہما کنول مظفر گڑھ

احمد علی اپنی ماں اور بہن سے دعائیں لے کر اپنے گھر سے رخصت ہوا۔ اور اب اس کا رخ پہاڑوں کے اس پار گھنے درختوں کے جھنڈ کی طرف تھا۔ گھنے جھنڈ کو عبور کرنے کے بعد وہ اس خفیہ غار کے دہانے پر پہنچ گیا۔ غار میں اسکے چند ساتھی اسکا انتظار کر رہے تھے۔ جب وہ غار کے اندر داخل ہوا تو اسکے ہیڈ نے اسے کہا احمد علی تم نے بہت دیر کر دی ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ وہ کل سے اپنے ہیڈ کوارٹر میں موجود ہیں اور اب وہ اپنی کارروائی شروع کرنے میں دیر نہیں کریں گے۔ کیونکہ وہ چند دن پہلے تباہ ہونے والے ہیڈ کوارٹر کے نقصانات کی وجہ سے شدید غصے میں ہیں۔ اب وہ کشمیریوں پر بھوکے بھیڑیئے کی طرح حملہ کریں گے۔ لہٰذا ہمیں اپنے کام میں ذرا بھی دیر نہیں کرنی چاہئے۔ پھر اس کے ہیڈ نے تھیلا پکڑاتے ہوئے کہا۔ اس میں بم، وائرلیس سیٹ اور پستولوں کی جوڑی ہے۔ جس میں پوری گولیاں موجود ہیں۔ پھر ہیڈ نے میز پر بڑا سا نقشہ پھیلا دیا جو انکے خوبصورت وطن کشمیر کا تھا۔ اور شہر سری نگر پر انگلی رکھ کر احمد علی کی منزل کی نشاندھی کرنے لگا۔ اتنے میں گل شیر قہوہ بنا لایا۔ ایک تو بہت ٹھنڈ بہت تھی اس لئے قہوہ ضروری تھا۔ دوسرے یہ انکا دستور تھا۔ کہ جو بھی مجاہد محاذ پر جاتا تھا اس کے ساتھ بیٹھ کر قہوہ پیتے تھے۔ کیونکہ انہیں ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا۔ کہ شاید وہ اپنے اس ساتھی سے پھر نہ مل پائیں۔ ہیڈ نے احمد علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تمہیں اپنی کارروائی ایک گھنٹہ میں ضرور مکمل کرنی ہوگی۔ تم جاؤ ہم تمہاری کامیابی کی دعا کریں گے۔

احمد علی وہاں سے رخصت ہوا۔ اور اب اس کے قدم ہیڈ کوارٹر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہ کوئی عام ہیڈ کوارٹر تھا۔ بلکہ یہ سری نگر میں بھارتیوں کا بے حد اہم ہیڈ کوارٹر تھا۔ کل ہی پچاس ٹرکوں پر مشتمل قافلہ دو ہزار کے قریب بھارتی فوجی جدید اسلحہ سے لیس یہاں پہنچے تھے۔ اور ایک دن آرام کرنے کے لئے اس ہیڈ کوراٹر میں موجود تھے۔ آج انہوں نے بھوکے بھیڑیوں کی طرح کشمیریوں پر ٹوٹ پڑنا تھا۔ اچانک جب احمد علی آہٹ کی وجہ سے چونکا تو اس نے دیکھا کہ ایک کشمیری مسلمان بچہ ایک پرندے کو پکڑے ہوئے ہے۔ اور پرندہ اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہا ہے۔ احمد علی نے بچے کو پیار سے سمجھایا کہ غلامی کتنی بڑی لعنت ہے۔ اور یہ پرندہ آزاد ہونا چاہتا ہے جس طرح تم اور تمہارے بزرگ آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں اور آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ بچے نے پرندے کو آزاد کر دیا۔ اور وہ آگے چل پڑا راستے میں چلتے ہوئے اسے یکایک خیال آیا کہ اگر بھارتیوں نے اسے پکڑ لیا تو یہ نہ صرف اسکے اور اسکے ساتھیوں کے لئے بلکہ اسکی ماں اور بہن کے لئے بھی خطرناک ہوگا۔ بھارتی ان پر کتنے مظالم ڈھائیں گے۔ اسے معلوم تھا کہ اب بھی بھارتی اسے ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کیونکہ یہ بھارتیوں کے لئے بے حد اہم ہے اور اسکی گرفتاری انکے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ اس نے کئی بار بھارتیوں پر حملہ کر کے انہیں بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اب اسکے سامنے ایک بھارتی چوکی تھی جو اسے واضح دکھائی دے رہی تھی۔ اور چوکی پر موجود دو فوجی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کی وجہ سے اونگھ رہے تھے۔ بھارتیوں کی یہ کوتاہی اسکے لئے بے حد اہم ثابت ہوئی۔ اور وہ دبے قدموں تیزی سے چوکی پار کرتا ہوا نکل گیا۔ جب آدمی تنہا ہوتا ہے تو خیالات اسے گھیر لیتے ہیں احمد علی کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اسے یاد آیا کہ اسکی ماں نے اسے کتنے پیار سے رخصت کیا تھا اور اسکے لئے شہادت اور کامیابی کی تمنا کی تھی۔ احمد علی اپنی منزل کی طرف چلا جا رہا تھا اور اپنے کام کے منصوبے بنا رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ہیڈ کوارٹر کارخ مشرق کی طرف ہے اور اسکی پچھلی دیوار کسی قلعے کی دیوار کی طرح بڑی اور مضبوط ہے۔ اس پر چڑھنا کتنا مشکل ہے لیکن یہ مشکل اسکے لئے کچھ نہیں کیونکہ وہ تو جان کی بازی لگانے کو بھی تیار تھا۔ آخر وہ ایک کشمیری حریت پسند تھا۔ اچانک اسے ایک فوجی ٹرک کے گزرنے کی آواز آئی۔ وہ ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا۔ ٹرک میں موجود فوجیوں کی باتوں سے اسے معلوم ہوا کہ ہیڈ کوارٹر میں اس وقت اہم ترین شخصیات موجود ہیں۔ تو اسکی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ وہ بھی تو یہی چاہتا تھا۔ جب ٹرک کافی دور جا چکا تو وہ درخت کی اوٹ سے نکل آیا۔ اب تھوڑے ہی فاصلے پر دوسری اور اہم چوکی موجود تھی۔ یہ ہیڈ کوارٹر سے کافی قریب تھی وہ کافی ہوشیاری سے چل رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس چوکی پر فوجیوں کی تعداد بھی زیادہ ہوگی۔ اور وہ اکیلا ان سب کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ لہٰذا اس نے فوراً ایک فیصلہ کیا اور قریب ہی ایک پہاڑی کے عقب میں بڑھنے لگا۔ وہ اسی پہاڑی کے اوٹ سے ہو کر ہیڈ کوارٹر کی جنوب مغربی سمت پہنچ سکتا تھا اسے کونے میں ایک فوجی کھڑا دکھائی دیا۔ اس نے پیچھے سے فوجی کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کا گلا دبا دیا۔ لیکن ایک مشکل یہ تھی کہ ہیڈ کوارٹر کے اونچے ستون پر سے ایک لیزر لائٹ خطرے کی نشاندھی کے لئے چاروں طرف گھوم رہی تھی اگر وہ اس پر پڑ جاتی تو بہت ہی مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔ لہٰذا وہ جلدی جلدی دیوار عبور کرنے لگا۔ سامنے اسے ٹرک کھڑے نظر آئے وہ ٹرکوں کو نیچے سے گزرتا گیا تاکہ وہ لائٹ سے بچ سکے۔ ایک طرف اسے کمرے کی پچھلی دیوار پر کھڑکی نظر آئی جس سے وہ کمرے کے اندر کود گیا۔ اب وہ لیزر لائٹ سے محفوظ تھا۔ کمرے میں کوئی موجود نہ تھا البتہ اسلحے کی پیٹاں دیوار کے ساتھ لگی ہوئی تھیں اسے اندازہ ہو گیا کہ زیادہ تر اسلحہ اسی کمرے میں موجود ہے۔ اس نے بم کی تاروں کو کمرے میں پھیلانا شروع کر دیا۔ اب وہ تاریں پھیلاتا ہوا ہال کمرے کے قریب پہنچ گیا جہاں سے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس نے جھانک کر کمرے میں دیکھا تو تقریباً دو سو کے قریب فوجی کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک فوجی انہیں ایک نقشے کے ذریعے کچھ ہدایات دے رہا تھا یہ یقیناً کسی بستی پر حملہ کرنے والے تھے۔ وہ تیزی سے پہلے کمرے کی طرف مڑ گیا۔ اس نے بم پر صرف پانچ منٹ کا وقت سیٹ کیا اور تیزی سے جیسے آیا تھا واپس مڑ گیا۔ اور ٹرکوں کے نیچے سے گزرنے لگا لیکن اسی وقت ایک بھارتی فوجی نے اسے دیکھ لیا۔ اور مشین گن کی گولیاں اسکے جسم میں پیوست ہو گئیں۔

پانچ منٹ کے بعد پورا ہیڈ کوارٹر ہل کر رہ گیا۔ دھماکوں پر دھماکوں کی آوازیں کافی دور تک سنائی دے رہی تھیں۔ اور بھارتی تیزی سے جہنم رسید ہو رہے۔ لیکن اس عظیم مجاہد اور شہید کی روح جنت کی بلندیوں کی طرف محو پرواز تھی اور فضا میں فرشتوں کی یہ آواز گونج رہی تھی۔

"اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے تم انہیں مردہ مت کہو۔ وہ زندہ ہیں مگر تم انکی زندگی کا شعور نہیں رکھتے!"

کیا خوب ہیں

وہ یاد جو اللہ کی ہو
وہ ذکر جو خدا تعالیٰ کا ہو
وہ لمحات جو جنت کے ضامن بنیں
وہ وقت جو عبادت الٰہی میں گزرے
وہ انسان جو راہ حق پر گامزن رہے
وہ ذہن جو آخرت سنوارنے میں مدد دیں
وہ دولت جو خدا کی راہ میں استعمال ہو
وہ قربانی جو خدا کی راہ میں دی جائے
وہ زبان جو ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرے
وہ وقت جو مظلوم کی مدد میں گزرے
وہ ہونٹ جو مظلوم کی مدد میں گزرے
وہ ہونٹ جو خوش اخلاقی کے الفاظ ادا کرے
وہ ہاتھ جو اچھی باتیں لکھیں
وہ قدم جو ملک کی فلاح و بہبود کے لئے اٹھیں۔
وہ بازو جو ملک کی حفاظت کے لئے تیار رہیں۔
وہ محبت جو اپنے پیارے وطن سے ہو۔
وہ منصوبہ جو اسلام کی اشاعت کے لئے بنے
وہ تلوار جو دشمن کے خلاف اٹھائی جائے۔
وہ علم جو دوسروں تک پہنچایا جائے۔
وہ جنگ جو اسلام کے دشمنوں سے کی جائے۔
وہ کام جس سے دوسروں کی بھلائی ہو۔
وہ ہدایات جن سے سبق حاصل ہو۔
وہ دل جس میں دوسروں کے لئے ہمدردی ہو۔

فرحت حکیم رشید حافظ آباد

صفحہ بتایئے انعام پایئے!

یہ رہے وہ صفحات جو آپ نے اس شمارے میں ڈھونڈنے ہیں

(1) ہاں بات تو عجیب ہے
(2) صبح کا نور ابھی پھیلا نہیں تھا
(3) تم کیوں پٹ لیتے ہو
(4) یہ تعلیم بہت اعلیٰ چیز ہے
(5) آپ بھی تفسیر پڑھتے ہیں نا!

آپ کے جواب ہمیں 12 دسمبر تک تو ضرور مل جانے چاہئیں

زندگی کیا ہے؟

1۔ زندگی ایک محبت ہے' اس سے لطف اٹھاؤ۔
2۔ زندگی ایک خوبصورتی ہے' اس کی قدر کرو
3۔ زندگی ایک کوشش ہے' اس کو قبول کرو۔
4۔ زندگی ایک جرات ہے' اس کا سامنا کرو۔
5۔ زندگی ایک چیلنج ہے' اس کو قبول کرو۔
6۔ زندگی ایک غم ہے' اس پر قابو پاؤ۔
7۔ زندگی ایک فرض ہے' اس کو پورا کرو۔

محمد اختر سردار کسووال

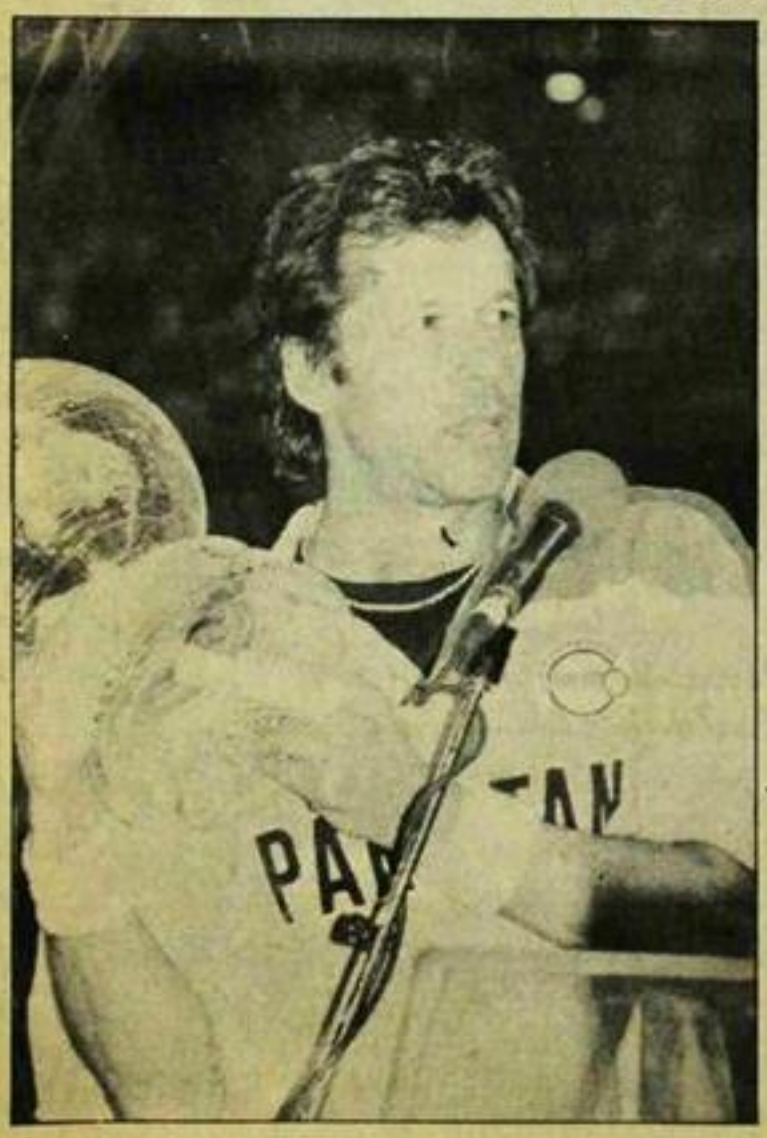

پیارے بچو!

شوکت خانم میموریل کینسر ہسپتال

میں عطیات دے کر عمران خان کو
اپنے نیک مقصد میں کامیاب کرائیں۔

نیک تمناؤں کے ساتھ

نسیم سینما کورنگی کراچی
انڈیشنڈ

ٹیلیفونک سالم

ایک ایسا منفرد اور منفرد سلسلہ ہے، جسے رسائل کی دنیا میں پہلی بار متعارف کروایا گیا آپ بھی ہر جمعے کو 2 سے 5 بجے تک فون 54 - 367551 پر فون کر کے ایڈیٹر بھیا سے براہ راست باتیں کر سکتے ہیں۔ اپنے لطائف، اقوال اور تبصرے لکھوا سکتے ہیں کہ ان سب کا چھپنا یقینی ہوتا ہے.....

ٹیلی فونک سالم کی بڑی دھوم سنی تھی۔ سوچا ذرا کالم میں شریک ہو کر دیکھیں۔ جی یہ ٹیلی فون تھا شفیق انور کا..... بڑی دور سے۔ ضلع بہاولنگر کے شہر چشتیاں سے۔ بتانے لگے ابھی ملتان یونیورسٹی سے ایم اے کا امتحان دے کر آیا ہوں۔ کئی ماہ سے پھول دیکھ رہا تھا۔ اچھا لگ رہا تھا۔ اسی لئے فون کیا کہ شاباش بھی دوں اور خوشی کا اظہار بھی کروں۔

نوید اعجاز نے لاہور سے فون کیا اور فوراً وضاحت کی انکل میں لڑکا ہوں نام سے لڑکی مت سمجھئے اور دوسری کلاس میں پڑھتا ہوں۔ ہم نے کہا پڑھتے کیا ہوں گے نام کی وضاحت ہی کرتے رہتے ہوں گے۔ اس پہ نوید میاں مسکرائے۔ ہمارے پاس وڈیو ٹیلی فون ہوتا تو ان کی مسکراہٹ بھی دیکھ لیتے۔ نوید میاں کو پھول میں ٹینا میا اور دو گھنٹے کی سزا جیسی کہانیاں زیادہ پسند آتی ہیں۔

نوشین کا فون آیا گجرات سے۔ انہوں نے اتنی تیزی سے بات اور فرمائش کی جتنی تیزی سے گجرات کے پنکھے چلتے ہیں۔ کہنے لگیں انکل پھول کوئز میں سوال آسان آسان دیا کریں۔ ہم نے حامی بھر لی پھر ان کی، سمن ثمرینہ مغل نے بات کی اور کہا کہ میری نظم کیوں نہیں چھاپی۔ ہم نے جواباً کہا بھئی ثمرینہ رانی نظموں سے ہماری "لگتی" ہے۔ وہ تو اس "لگتی" کا مطلب سمجھ گئی تھیں آپ بھی سمجھے!

عامر فیاض نے فصور سے بات کی۔ کہنے لگے بہت رسالوں سے بہتر ہے پھول۔ اپنے دوست افتخار کو بھی پڑھاتا ہوں۔ یہ دونوں اسلامیہ ہائی سکول میں پڑھتے ہیں۔

عادل اکرام نے ٹاؤن شپ لاہور سے بات کی۔ انہیں پھول شو بہت اچھا لگا تھا۔ اس کی مبارک دے رہے تھے کہ خود بھی وہاں موجود تھے۔ اچھی کہانی پہ انعام بھی حاصل کیا تھا انہوں نے.....

محمد عدنان مغل نے گجرات سے بات کی یہ تین سال کے ہیں۔ تین جملوں میں بات کی۔ کہنے لگے آپ کے کتنے بچے؟ ہماری تو ہنسی چھوٹ گئی اور پوچھا بیٹے آپ کو کیا دلچسپی..... جس نے انہیں سوال بتایا تھا اس سے جواب پوچھنے چلے گئے اور فون بند ہو گیا۔

عائشہ نے بیگم کوٹ لاہور سے فون کیا۔ ان کے ساتھ بازغہ بھی تھیں۔ یہ پانچویں میں اور وہ آٹھویں میں پڑھتی ہیں۔ بتانے لگیں کہ پھول ہمیں ہی نہیں امی کو بھی پسند ہے۔ روزرات کو بیڈ ٹائم سٹوری پڑھ کر چھوٹے بہن بھائیوں کو سناتی ہیں۔

سعد بن صادق جناح پبلک سکول میں پڑھتے ہیں۔ انہوں نے سائنسی مضامین چھاپنے کی فرمائش کی۔ چندا ایسے مضامین تو آپ کی نصابی کتابوں میں بہت ہوتے ہیں۔ صائمہ نے بھی یہی فرمائش کی۔

عرفان میاں نے بوائے ہاسٹل سے فون کیا اور لطیفہ سنایا۔ لطیفے کے لئے اس بار جگہ کم ہے ورنہ آپ کو بھی سناتے۔

سائرہ فاروقی نے امینہ پارک سے فون کیا۔ یہ چھٹی میں پڑھتی ہیں ایک پہیلی لکھوائی تھی وہ اب پڑھی نہیں جا رہی۔ انہیں لطائف اور کہانیاں پسند آئی تھیں۔ یہ ہم لکھ دیتے ہیں۔

حنا تفہیم نے لاہور گرائمر سے فون کیا تو ہمیں قرآن پاک کی بڑی پیاری تفسیر "تفہیم القرآن" یاد آئی۔ آپ بھی تفسیر پڑھتے ہیں نا۔ قرآن پاک سمجھنے کے لئے اور عمل کرنے کے لئے بہت مفید ہے۔ حنا کو پھول کلینک بہت پسند ہے۔ ارے ہاں حنا بتا رہی تھی کہ ان کے گھر ایک موٹے سے انکل آتے ہیں۔ وہ آ کے فوراً پھول ہی پڑھتے بلکہ مانگتے ہیں (موٹے انکل آپ نے یہ فون پڑھا تو ناراض مت ہوئیے۔ حنا کو آپ کا نام ہی نہیں آتا تھا)

منیب افتخار نے سرگودھا سے فون کیا۔ یہ تین ماہ سے پھول کے قاری ہیں۔ منیب نے لطیفہ سنایا کہ ماں نے بیٹے سے کہا روٹی کھالو۔ وہ بولا ابو کے ساتھ کھاؤں گا۔ ماں نے گھورا کیا ابو سالن ہیں جو ان کے ساتھ کھاؤ گے۔

تحریم گل ڈی پی ایس میں پڑھتی ہیں۔ کلاس ہے چھٹی۔ یہ فون ارشد نے سنا اور بعد میں بتایا کہ تحریم ہماری بڑی تعریف کر رہی تھی۔ ہم نے ریمبو کی طرح بالوں کو پھونک سے اڑانے کی کوشش کی مگر وہاں بال نہ تھے پھونک سیدھی ہوا میں نکل گئی۔ (اب تک واپس نہیں آئی) سنا ہے کہ تحریم کو عاقب جاوید کے پوسٹر کے پیچھے گیم چھپانا اچھا نہیں لگا۔ ویسے سچی بات ہے اچھا ہمیں بھی نہیں لگا۔ دونوں الگ الگ چھپنے تھے مگر پریس والوں نے غلطی سے ایسا کر دیا..... سوری۔

قیصر میاں نے علامہ اقبال ٹاؤن سے فون کیا۔ یہ نہم میں پڑھتے ہیں۔ پوچھنے لگے میرے نام کا کیا بنا۔ ہم نے کہا جناب پھول پڑھیں۔ نام بھی مل جائے گا۔

ارجمند نگین کا فون ماڈل ٹاؤن سے آیا۔ ہم نے پوچھا بھئی بڑے دنوں بعد یاد آیا فون کرنا..... کہنے لگیں اتنی چیزیں بھیجی ہیں کوئی نہیں چھپی۔ ہم نے تسلی دلائی کہ اتنی چیزیں چھپی ہیں انہیں اپنی ہی سمجھیں۔ ارجمند کو "ہیلو ہیلو" کی باتیں اچھی لگیں ان کی رائے تھی کہ بالکل حقیقت ہے۔ ارجمند نے تعبیر پہ تم وغیرہ کا اظہار کیا البتہ کلینک کے نئے پن اور ڈاکٹر صاحب کے انداز تحریر کی بہت تعریف کی۔ (ویسے یہ ہے بھی سچ) بیڈ ٹائم کے بارے میں کہنے لگیں ہر بار نئے سے نئے موضوع پہ ہوتی ہے (ہم نے دل میں سوچا تبھی کبھی کو پسند بھی نہیں آتی)

اعجاز علی کھوسہ نے ضلع جیکب آباد تھل سے فون کیا ان کے ساتھ علی نواز بھی تھے ہم نے سلام دعا کیا تو شرما کے فون کسی اور دوست کے حوالے کر دیا۔ یہ عرفان اور عباس تھے۔ عرفان بتانے لگے کہ شہباز شرما گیا ہے۔ صرف سندھی آتی ہے اسے۔ ہم نے کما حال چال پوچھنے والی سندھی تو ہمیں بھی آتی ہے۔ ان سے بات تو کروائیں۔ عرفان نے بتایا کہ پرے ہو کر بیٹھے ہیں شرما شرما کے برا حال کر لیا ہے۔

عابدہ نے سمن آباد سے فون کیا۔ کنوئیں میں پانی، پانی میں بیل، بیل پہ پھول..... جواب لالٹین تھا..... ہم نے بوجھ لیا (ماشاءاللہ) انہوں نے بھی پھول کی تازگی اور نئے پن کی تعریف کی۔

نمیرہ ارم رہتی چکوال میں ہیں۔ ان دنوں لاہور میں ہیں (غالباً پڑھائی کے لئے) انہوں نے سالنامہ کا شکریہ ادا کیا یا شاید کوئی چیز شائع کرنے کا۔ جلدی میں تھیں۔ اس لئے ہم بھی تفصیل لکھ نہیں سکے۔ بہرحال نمیرہ کی کامیابی کے لئے دعاگو ہیں۔

تحریم گل نے لاہور سے پھول عدالت میں آنے کی خواہش کا اظہار کیا پھر کہنے لگیں امی تو پھول پڑھنے پہ بھی پابندی لگاتی ہیں۔ ہم نے سوچا امی تو بڑی مہربان سے چیز ہوتی ہے۔ کوئی اور وجہ ہو گی۔ اس لئے ان کی امی سے فون پہ ہی بات کی۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے ٹیسٹ تھے۔ اس لئے پھول چھپا دیا تھا۔ پھر انہوں نے ہم سے وعدہ کیا کہ آئندہ تحریم کو پھول کے پروگراموں میں بھی لایا کریں گی۔

سعدیہ ثمر نے سکیم موڑ لاہور سے فون کیا۔ انہیں پھول کی کہانیاں بہت پسند ہیں۔

صائمہ صدف چھٹی میں پڑھتی ہیں سکول ہے پی این ٹی۔ انہوں نے شان ریما کا لطیفہ سنایا۔ ہم نے کہا مینا اچھا نہیں لگا۔ آپ نے کس سے سنا۔ بولیں ایک دوست نے سنایا تھا۔ آپ چھاپ دیں کچھ نہیں ہوتا۔ چندا اگر ہم سب کچھ چھاپ دیں تو پھر پھول تو رہے گا خوشبو میں کمی ہو جائے گی نا!

ہارون الرشید نے سمن آباد سے فون کیا۔ ساتویں میں پڑھتے ہیں انہیں پھول کلب کا ممبر بننے کا شوق ہے۔ ہم نے انہیں بتایا کہ لاہور میں رہنے والے بچوں کو جو پھول کلب کا ممبر بننا چاہیں۔ مہینے میں ایک بار جمعہ کے روز دفتر آنا ہوتا ہے۔ لاہور کے باہر والے ساتھی اپنا پتہ اور فون نمبر بھیجیں الگ سے تاکہ انہیں ممکن ہو تو پروگراموں کی اطلاع دی جا سکے۔ ویسے ہم نے جو بھی پروگرام کرنا ہو نوائے وقت میں اس کی خبر یا اشتہار ضرور آتا ہے۔

آمنہ طارق نے بتایا کہ اس ماہ جیب خرچ ختم ہو گیا تھا۔ پھول نہیں خرید سکی۔ ہم نے کہا آئندہ سے پھول جیب خرچ ختم ہونے سے پہلے مارکیٹ میں آ جایا کرے گا۔ آپ بھی کیا یاد کریں گی۔

سلمان مظہر نے گلشن رادی سے فون پر بتایا کہ ان کا خصوصی کالم چھپ گیا۔ سو فیصد خوشی ہوئی توقع نہیں تھی۔ ہم نے کہا ہم تو ایسے ہی توقع کے خلاف کام کر کے پھول بچوں کو خوش کرتے ہیں۔ سلمان کی رائے تھی کہ پھول کی کہانیاں بہت اچھی اور منتخب ہوتی ہیں۔

سائرہ رفیق دسویں میں پڑھتی ہیں۔ انہوں نے منصورہ ملتان روڈ سے فون کیا اور بڑے خوبصورت اقوال زریں سنائے۔ ایک قول آپ بھی سنیئے۔ جب تم اپنے رب کی بنائی ہوئی چیزوں کو استعمال کرتے ہو تو اس کی کہی ہوئی باتوں پہ بھی عمل کرو۔

عائشہ ممتاز چھٹی جماعت میں پڑھتی ہیں۔ سنٹرل ماڈل سکول میں کہنے لگیں۔ استاد نے شاگرد سے پوچھا تم شہد کی مکھی سے کیا سیکھتے ہو۔ شاگرد مسکرایا اور بولا جو چھیڑے اسے ڈنگ مارو۔

پشاور سے امینہ کا فون آیا۔ گڑیا خوش آمدید امینہ نے لطیفہ سنایا کہ سردیوں کے دن سے برف باری کے باعث سڑک پہ پھسلن تھی۔ ایک بڑھیا نے کسی مسافر کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر سڑک پار کر لی کچھ دور ایک اور ڈھلوان دیکھ کر مسافر سے بولی بیٹا وہاں جا کر ڈر لگے تو میرا سہارا پھر لے لینا۔

رسالپور سے شائستہ اور مبصرہ کا فون آیا۔ دونوں کلاس نہم میں پڑھتی ہیں۔ انہیں پھول اور کہانیاں پسند ہیں۔ یہ فون رمان نے سنا تھا۔ اس لئے کیا کیا باتیں ہوئیں ہم بتا نہیں سکتے۔

آمنہ سیکرٹ ہارٹ سکول کی طالبہ ہیں۔ انہیں عاقب جاوید کا ایڈریس اور فون نمبر چاہئے تھا۔ عاقب ان دنوں ملک سے باہر ہے اور ہمیں پتہ بتائے بلکہ ملے بغیر گیا تھا۔ ہم نے بھی پتہ نہیں بتایا۔

دانش جاوید نے شاہ جمال سے فون کیا۔ انہیں پھول بڑا مقبول اور بیڈ ٹائم سٹوری دونوں پسند ہیں۔ یہ اپنے دوستوں علی اور زاہد کو بھی پھول کے قاری بنا چکے ہیں۔ ہم نے دانش کو بتایا کہ آئندہ سے ہم سب سے اچھا خط لکھنے والے بچے کو بھی انعام دیا کریں گے۔ ایسا تفصیلی اور ہنستا مسکراتا ہوا خط جسے پڑھ کر سارا پھول بھی نظروں میں گھوم جائے اور تنقید و تبصرہ بھی ہو جائے..... کیوں جناب لکھتے ہوئے آپ بھی یہ بات ذہن میں رکھیے اور ہاں جو ساتھی اپنا ایڈریس شائع نہ کروانا چاہا کریں وہ خط کے شروع میں ایڈریس لکھیں۔ یوں ہمیں یاد رہے گا کہ اسے بالکل شائع نہ کرنا۔

عمران اور عباس نے تھل ضلع جیکب آباد سے فون پہ بتایا کہ ان کا کوئی دوست نہیں اس لئے پھول سے پکی دوستی کر لی ہے۔ انہیں پھول شو اس لئے پسند نہیں آیا کہ وہ خود اس میں نہیں تھے۔

شاہد بھٹہ نے کوٹ ادو سے فون کیا یہ گورنمنٹ ہائی سکول گورمانی میں کلاس نہم کے طالب علم ہیں۔ انہیں پھول بھی پسند ہے اور اس کے کالم بھی..... کیونکہ ہر کہانی اور کالم نئی نئی معلومات لئے ہوتا ہے۔

آصفہ نے کوٹ رادھا کشن سے فون کیا۔ کہنے لگیں کہ پہلے خط لکھنے کا ارادہ تھا پھر ردی کی ٹوکری کی بھوک کا خیال آیا تو ٹیلی فون کو محفوظ خیال کیا..... ہم نے فون کرنے اور پھول پڑھنے کا شکریہ ادا کیا۔

عنیزہ نصیر نے غازی روڈ لاہور سے یاد کیا۔ انہوں نے بتایا کہ پہلی بار پھول پڑھا۔ پسند آیا اب لکھنا بھی چاہتی ہوں ہم نے کہا شوق سے لکھئے..... اور یاد رکھئے کہ کہانی فل سکیپ کے 4 × 5 صفحوں سے لمبی کبھی نہ

تحفہ وطن

یہ بستی، یہ وادی، یہ ندی کے دھارے
یہ دلکش مناظر، حسین پیارے پیارے
یہ سرسبز پرچم یہ چاند اور تارے
ہوئے جن سے روشن وطن کے نظارے
افق پر شفق نے بکھیرا ہے سونا
یہاں رشک فردوس ہے کونا کونا
یہ رنگین پھولوں کا دلکش تبسم
یہ بہتی ہوئی ندیوں کا ترنم
زمرد کی وادی ہمارا وطن ہے
ہم اس کی بہاریں، یہ اپنا چمن ہے

محمد حیات خان نیازی

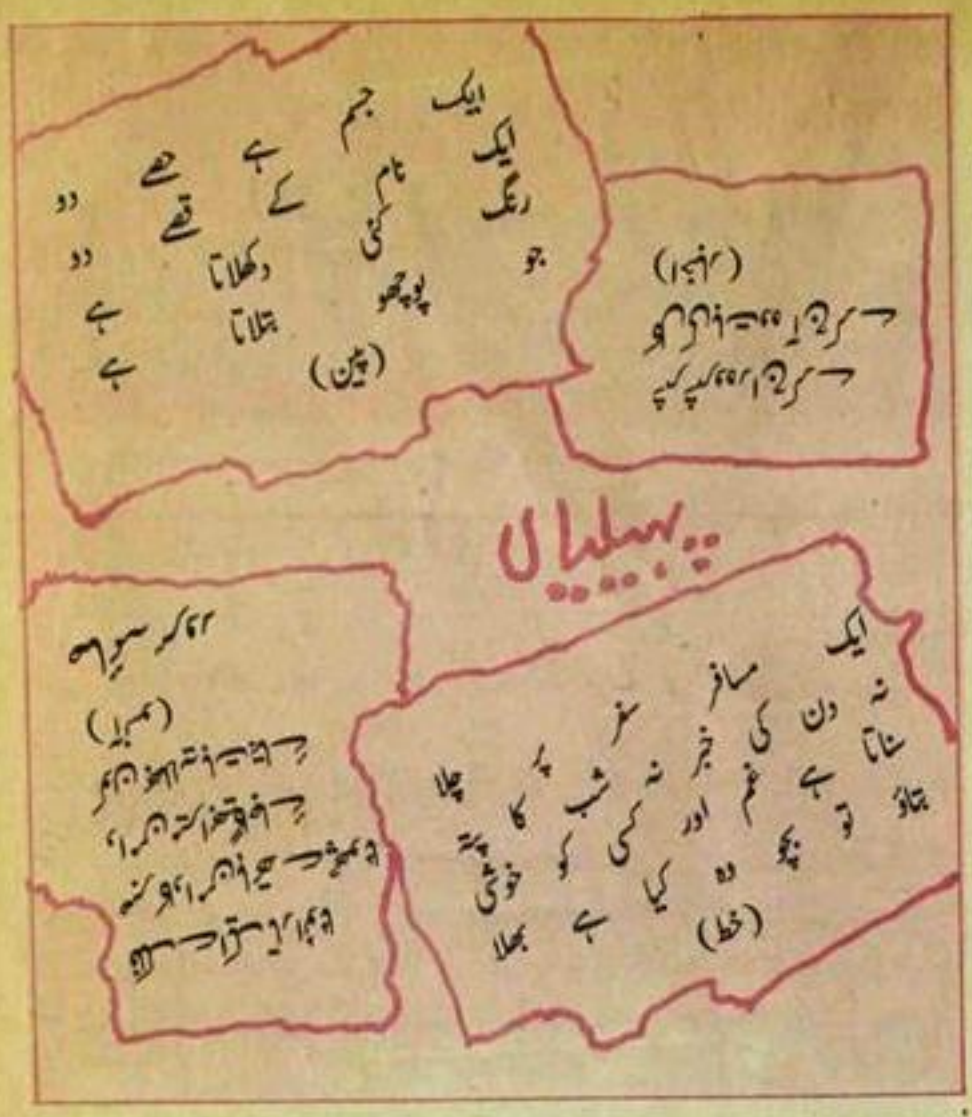
پہیلیاں
ایک جسم ہے دو حصے دو قصے دو ہے
جو رنگ نام کئی دکھاتا بتاتا
پوچھو (پین)
ایک مسافر سفر پہ چلا
نہ دن کی خبر نہ شب کا پتہ
بتاؤ تو ہے غم اور کسی کو خوشی
پچھ وہ کیا ہے بھلا
(خط)

ہیپی آف دی میچ

نا بولڈ ہوا نا کیچ میں ہوں مین آف دی میچ
مارے دکے چوکے چھکے رہ گئے سارے بکے بکے
کر کے بولر کی پٹائی ڈبل سنچری میں نے بنائی
ہر بال کیا ڈسپیچ نا بولڈ ہوا نا کیچ
میں ہوں مین آف دی میچ
ہر اک بال کو میں نے پیٹا اک اک کر کے رن گھسیٹا
کرتا گر اسکور میں زیرو بنتا کیسے میں ہیرو
رہا میں وکٹوں سے اٹیچ نا بولڈ ہوا نا کیچ
میں ہوں مین آف دی میچ

بسم اللہ خان پٹھان سکردو

ہو۔ بہتر ہے کہ ایک دو ماہ کوئی ساتھی بھی کہانی نہ بھیجے تاکہ جو پہلے سے ہمارے پاس ہیں وہ چھپ جائیں۔

نادیہ احمد نے شاد باغ سے فون پہ دعا دی کہ اللہ کرے آپ ہمیشہ ترقی کی منزلیں طے کرتے رہیں۔ ہم نے شکریے کے ساتھ آمین کہا۔ نادیہ کو بیڈ ٹائم سٹوری' پھول کوئز بہت پسند ہیں۔ صفحہ بتائیے کے صفحے ڈھونڈنے انہیں بڑا مزہ آتا ہے۔

کرن مختار نے مزنگ لاہور سے فون کیا۔ یہ آٹھویں میں پڑھتی ہیں۔ انہیں پھول کی کہانیاں اس لئے پسند ہیں کہ بڑی معلوماتی اور اصلاحی ہوتی ہیں۔

ثانیہ سعید نے فون کیا مگر بات نہ ہو سکی کیونکہ فون بار بار کٹ جاتا رہا۔

خرم صادق نے دوست کالونی سے فون کیا۔ اس پھول کی تصویریں پسند نہیں آئی تھیں۔ ہم نے رمان سے بات کروادی تاکہ اپنا گلہ اور مشورہ براہ راست کہہ سکیں۔

صفیہ دسویں میں پڑھتی ہیں۔ ان کا فون حافظ آباد سے آیا۔ انہوں نے بڑے ادبی پیرائے میں پھول کی تعریف کی جس سے لگا یہ لکھ بھی اچھا سکتی ہیں۔

عدنان اسد اللہ نے کراچی سے فون کیا۔ ناز' سوہنی بھی اس کے ساتھ تھے۔ یہ لوگ آٹھویں' نویں اور دسویں میں پڑھتے ہیں۔ اتنی محبت سے فون کرنے کا شکریہ۔ باتیں اس لئے نہیں لکھ سکتے کہ فون ہماری غیر موجودگی میں رمان نے سنا تھا..... اور باتیں وہ بھول چکی ہیں۔

بھلکڑ کہیں کی۔

سعدیہ مسعود چوبرجی سکول میں نہم کی طالبہ ہیں۔ ان کے ساتھ بھائی خرم مسعود بھی بیٹھے تھے۔ وہ پاک ایجل سکول گلشن راوی میں پڑھتے ہیں۔ ان کی فرمائش تھی کہ اشتیاق احمد کا ناول شائع کریں۔

سائرہ نیر نے میانی سرگودھا سے فون کیا۔ یہ چھٹی کی طالبہ ہیں۔ ان کے ساتھ عابد مخدوم بھی تھے۔ انہوں نے علامہ اقبال کا شعر سنایا۔ نہیں ہے تر انشیں قصر سلطانی کے گنبد پر..... پھر عابد نے لطیفہ سنایا۔ ہم نے کہا لطیفہ لگتا ہے دھکے سے بنایا گیا ہے۔ بولا باجی دھکے جو دے رہی ہیں۔

سائرہ نے پروین شاکر کا شعر بھی سنایا۔

کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی
اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی

عاصم متین نے علامہ اقبال ٹاؤن سے فون کیا۔ یہ ساتویں کے طالب علم ہیں۔ بھائیوں کی ٹیلی فون پہ کھینچا تانی ہو رہی تھی۔ بات لگتا ہے اگلے ماہ ہو سکے گی۔

ساحر فاطمہ کا فون آیا۔ جگہ کا انہوں نے بتایا ہی نہیں ان کی فرمائش ہے کہ میرے چھوٹے بھائی توفیق الرحمان نماز پڑھنے گئے ہوئے ہیں ان کا نام ضرور چھاپ دیں۔

اور جناب یہ آخری ٹیلی فون ابھی ابھی موصول ہوا ہے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے ہاسٹل وارڈن ڈاکٹر اکرم صاحب کے صاحبزادے محمد احمد کا..... بولے ٹیلیفونک کالم کی تو کیا بات ہے۔ ویسے ان کے لطیفے کی بھی کیا بات ہے۔ سنیئے بلکہ پڑھئے اور مزہ اٹھائیے۔ دو دوست شکار پہ گئے ایک کی نظر کمزور تھی۔ اس نے گولی چلا کر پوچھا جس جانور پہ میں نے گولی چلائی ہے اس کا نام توتا نا۔ دوسرا بولا اس معصوم جانور کا نام درخت ہے۔

پھولوں نے مزارِ اقبالؒ پر پھول چڑھائے

رپورٹ: شبر علی چنگیزی ○ تصاویر: سید اختر علی

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

جی ہاں پھول بچوں آپ نے ٹھیک پہچانا یہ شعر ہمارے عظیم رہنما شاعر مشرق علامہ اقبال کا ہے۔ آپ نو نومبر 1877ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے اور بڑے ہو کر قوم کے عظیم سپوت ثابت ہوئے۔ آپ نے آج سے باسٹھ سال پہلے ایک ایسے ملک کا خواب دیکھا جہاں مسلمان آزاد ہوں اور ایک اللہ اس کے رسولؐ اور قرآن پاک کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ ان کا یہ خواب 14۔ اگست 1947ء کو پاکستان کی صورت میں پورا ہوا۔ آپ اپنے خواب کی تعبیر تک تو زندہ نہ رہ سکے۔ مگر اپنے شاہینوں کے لئے آزاد فضاؤں کا تحفہ چھوڑ گئے۔ یہ سب باتیں کہنے کا موقعہ مجھے اس پر مسرت دن نے دیا جب ایڈیٹر بھیا نے ننھے منے پھول بچوں کے ہمراہ اپنے عظیم رہنما کے 115 ویں یوم ولادت کے موقع پر ان کے مزار پر حاضری اور پھول چڑھانے کا پروگرام بنایا۔ جس میں شرکت کیلئے میں صبح ٹھیک 15-9 بجے پھول کے دفتر پہنچ گیا۔ ابھی میں استقبالیہ تک ہی پہنچا تھا کہ پیچھے سے احسن لطیف بھی آ پہنچے۔ ہم دونوں نے انکل یعنی ایڈیٹر بھیا کا پتہ کیا۔ وہاں گورنمنٹ مسلم ہائی سکول سے آئے ہوئے دو بچے سہیل اور عرفان بھی بیٹھے تھے۔

ایڈیٹر بھیا سے ملاقات ہوئی تو ہاتھ ملائے احسن نے کہا انکل آپ کہاں غائب تھے۔ جس پر انکل نے بے ساختہ جواب دیا "بھئی اب کہاں غائب ہیں آپ کے سامنے تو موجود ہوں"۔

انکل نے مجھے اور احسن کو آنے والے پھول بچوں کے استقبال کیلئے کھڑا کیا اور اوپر چلے گئے۔ ذرا سی دیر کے لئے نظر ادھر ہوئی تو احسن بھی غائب تھا بہرحال میں مہمانوں کا انتظار کرنے لگا پہلے علامہ اقبال پبلک سکول کی بچیاں اپنی ٹیچر کے ہمراہ "یلو کیب" میں دفتر پہنچیں تو نہایت خوش نظر آ رہی تھیں۔ لفٹ میں سوار ہوتے وقت بھی کئی بچوں کی ہنسی چھوٹ رہی تھی۔ انہیں ایوان وقت بٹھا کر جیسے ہی میں نیچے اترا سامنے ایک سوزوکی پک اپ کھڑی نظر آئی۔ جس میں سے لاہور سکول (یہ جیل روڈ پر واقع ہے) کے بچے جو سکول یونیفارم میں ملبوس تھے۔ پھول لئے نیچے اتر رہے تھے۔ جو انہیں مزار اقبال پر چڑھانے تھے۔ نجف آئیڈیل سکول (قلعہ گوجر سنگھ) کے 15، 16 بچے اپنی پیاری یونیفارم میں آتے دکھائی دیئے۔ ہمیں بچوں کی پھول سے محبت کا اندازہ اس بات سے بھی ہو گیا۔ وقار خالق بھی اپنے ابو کے ساتھ آئے وقار خالق کو تو آپ جانتے ہی ہیں نا۔ پیارے پیارے نغمے اور خوبصورت آواز کے لئے مشہور ہیں۔ ٹی وی پر بھی اکثر و بیشتر دیکھتے رہتے ہوں گے۔ نوائے وقت کے دفتر میں رونق سی چھا گئی۔

اتنے میں دو بچے اپنی امی کے ہمراہ آتے دکھائی دیئے۔ ننھی منی سی عنبر سرخ شرٹ میں بڑی پیاری لگ رہی تھی۔ ہم نے پیار سے گال پر چٹکی بھری جس پر اس نے منہ بنا لیا۔ وقت ساڑھے نو کا تھا مگر اب دس بج رہے تھے اور ابھی تک مہمان بچوں کے آنے کا سلسلہ جاری تھا۔ بچوں کی تعداد کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ سیکورٹی پر موجود افراد ہم سے کہنے لگے بھئی ایوان وقت میں اتنی جگہ نہیں ہے بیٹھنے کیلئے ہم چپ ہو رہے۔

اتنے میں سوزوکی کار میں تین پیارے بچے مریم، کنزا اور عمر پہنچے۔ یہ شملہ ہل سے آئے تھے۔ ان کے ابو بختیار احمد لاہور ٹی وی میں پروگرام منیجر ہیں۔ یہ حال ہی میں جرمنی سے لوٹے ہیں۔ انہیں پھول بے حد پسند ہے۔

سب بچے آ چکے تو نکلنے کا پروگرام بنا۔ دفتر سے نکلتے وقت ایڈیٹر بھیا نے سیڑھیوں کے پاس بچوں کو جمع کیا۔ ان کی لائن بنوائی تصویر کھنچواتے وقت بچے سنجیدہ کھڑے تھے۔ جس پر انکل نے کہا "بھئی تھوڑا مسکرا دیں ایسے سنجیدہ کھڑے ہیں جیسے کسی سکول ٹیچر نے ڈانٹا ہو"۔ ہماری ہنسی چھوٹ گئی۔ وہیں علامہ اقبال پبلک سکول کی ٹیچر نجمہ انور سے بات ہوئی تو بتانے لگیں کہ ہمارے سکول نے ماہنامہ پھول لگوایا ہوا ہے اور روزانہ چھٹی سے پہلے فری پریڈ میں اس کی کہانیاں بچوں کو سنائی جاتی ہیں۔ یہ سن کر میں خوش ہو گیا۔ تصویر کھنچوانے کے بعد بچے چار گاڑیوں میں سوار ہونے لگے۔ ایڈیٹر بھیا ایک ایک بچے کو ہدایات دے رہے تھے۔ مجھے، زاہد اور دوسرے بچوں کو بشریٰ رحمٰن کی مرسڈیز جیپ میں جگہ ملی۔ ابھی ہم چلنے والے تھے کہ اچانک ایڈیٹر بھیا بھی دروازے کھولتے ہوئے ہمارے ساتھ آ بیٹھے۔ جس پر بچوں نے خوشی سے کہا "ارے ایڈیٹر بھیا ہمارے ساتھ بیٹھے ہیں"۔

ارشد، احسن اور علی کو لاہور سکول کی وین میں جگہ ملی۔ بعد میں پتہ چلا کہ جناب سارے راستے لاہور سکول ٹیم سے بیت بازی اور نغموں کے مقابلے کرتے رہے۔ نتیجہ کیا نکلا یہ نہیں معلوم۔ راستے میں ہم

مال روڈ پر ایک سٹور سے جوس اور سوئٹس لینے رک گئے۔ بھٹی پھولوں کی تواضع بھی تو کرنی تھی۔ - جیپ کی پچھلی نشستوں پر وقار خالق تھے۔ وہ ہماری درخواست پر گانے لگے

پھول کو دیکھ کر پھول جیسے بچے پھول جائیں
میرے سنگ سنگ آؤ یہ نغمہ سب گائیں

اللہ تعالیٰ نے وقار کی آواز میں ایک خاص مٹھاس پیدا کی ہے۔ وہ ایک گانا ختم کرتا تو انکل دوسرے کی فرمائش کر دیتے۔ ہم سب تالیاں بجا کر اسے داد دیتے۔ نوائے وقت کے چیف فوٹو گرافر سید اختر علی صاحب بھی ہمارے ساتھ بیٹھے تھے۔ راستے بھر وہ ٹریفک کے رش اور اس سے پیدا ہونے والی مشکلات سے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ ہمارا سفر پچیس منٹ کا ثابت ہوا۔

مزار اقبال پہنچ کر جیسے ہی ہم نیچے اترے ہمارے کانوں سے نیوی بینڈ کی آوازیں ٹکرانے لگیں۔ مزار اقبال پر ایک عجیب سادگی اور تقدس کی سی فضاء تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ علامہ اقبال کو فوت ہوئے بھی 54 سال ہو گئے ہیں مگر ان کی خدمات کے باعث نسل در نسل ان کی عظمت تسلیم کی جاتی ہے۔ بڑے کام کرنے والے اور سیدھی راہ پر چلنے والوں کو یہ قدرت کی طرف سے انعام ملتا ہے۔

مزار اقبال کے دروازے کے قریب پہنچ کر ایڈیٹر بھیا نے ایک نوکری سے پھولوں کی چادر نکالی اور چار بچوں کو اس کے کونے تھما دیئے۔ بچے پھولوں کی چادر پکڑے آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتے۔ ایڈیٹر بھیا اور بشریٰ رحمٰن کے ساتھ مزار اقبال میں داخل ہوئے۔ ایڈیٹر بھیا، بشریٰ رحمٰن، راحیل امجد اور محمد علی نے مل کر پھولوں کی چادر چڑھائی۔ اس موقع پر ایڈیٹر بھیا نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ اپنے عظیم رہنما محترم علامہ اقبال کیلئے فاتحہ کیجئے اور دعا کریں کہ اللہ ان کے درجات اور بلند فرمائے اور اپنے لئے دعا کیجئے اور اپنے پاکستان کیلئے بھی کہ اللہ ہمارے پیارے ملک کو ہر آفت سے محفوظ رکھے۔ کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ کیمرہ مین بدستور اپنے کام میں مصروف تھے۔

پھول بچے اپنے محترم شاعر کے مزار پر پھول چڑھا چکے فاتحہ خوانی ہو چکی تو ہم سب باہر نکلے۔

سامنے حضوری باغ ہے۔ ایڈیٹر بھیا نے جلدی جلدی ادھر ادھر کا چکر لگایا اور ایک سایہ دار جگہ تلاش کر کے سبھی کو وہاں بلوالیا۔ اب ارشد اور احسن کے ذمے جوس تقسیم کرنا تھا۔ جوس تقسیم ہوئے تو معلوم ہوا کہ 6 بچے ابھی رہتے ہیں۔ ایک صاحب جوس فروخت کر رہے تھے ان سے ٹھنڈے ٹھنڈے جوس خریدے گئے۔ بچوں کے جمع ہونے پر بشریٰ رحمٰن، ایڈیٹر بھیا کے ہمراہ ان کی مختلف تصاویر بنائی (جو آپ پھول میں دیکھیں گے) ایک پیاری سی بچی جو پیچھے چھپنے کی کوشش کرتی نظر آرہی تھی۔ ایڈیٹر بھیا پکڑ کے آگے لے آئے۔

بچے جوس پی رہے تھے۔ خوش گپیاں ہو رہی تھیں کہ اچانک ایڈیٹر بھیا بولے اب آپ سب تازہ دم ہو چکے ہیں۔ تو ایک چھوٹی سی باقاعدہ نشست ہی کر لیتے ہیں تاکہ محترمہ بشریٰ رحمٰن کی باتیں سنی جاسکیں۔ سعادت نے تلاوت کی۔ ایک بچے یحییٰ نے کلام اقبال سنایا پھر وقار خالق نے علامہ اقبال سے متعلق ایک خصوصی ترانہ سنایا (بعد میں وقار کے ابو نے بتایا کہ رات 10 بجے ایڈیٹر بھیا نے ان کے گھر فون کر کے ترانہ تیار کرنے کا کہا تھا۔ تب وقار سو رہا تھا۔ خالق صاحب نے پہلے ترانہ لکھا پھر بیٹے کو بیدار کروا کے یاد کروایا) انہیں اس ترانے پر بہت داد ملی۔

اب ایڈیٹر بھیا نے اونچی آواز میں (تاکہ سب بچے سن سکیں) کہنا شروع کیا۔

پیارے پھول ساتھیو! آپ جانتے ہیں پھول کی طرف سے ہم مختلف پروگرام کرتے ہیں تاکہ آپ سب کو شرکت کا موقع ملے۔ آج اس اہم جگہ پر ایک اہم شخصیت بھی ہمارے ساتھ ہیں یعنی بشریٰ رحمٰن صاحبہ یہ ناول نگار، کالم نگار، دانشور اور کچھ کچھ سیاستدان بھی ہیں۔ اس پر سبھی بچے ہنس پڑے۔

ایڈیٹر بھیا نے مزید کہا کہ وہ آج مہمان خصوصی بھی ہیں۔ پس منظر میں بینڈ بھی بج رہا تھا۔ اسی پر کہنے لگے۔ مہمان خصوصی کیلئے خصوصی استقبالیہ دھن کے ساتھ دعوت خطاب جس پر ایک بار پھر سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

اب بشریٰ رحمٰن نے بات کا آغاز کیا۔

"پیارے بچوں ایڈیٹر بھیا نے ابھی میرا تعارف کرایا ہے۔ کیا آپ مجھے جانتے ہیں۔ سب بچوں نے جی میں جواب دیا (بڑے بھائی بچوں کی آواز کچھ زیادہ ہی تھی) اچھا تو یہ بتاؤ کہ ناول نگار کیا ہوتا ہے؟"۔

ایک قدرے صحتمند بچے نے کہا "جو ناول لکھتے ہیں"۔

"اچھا ناول میں کیا ہوتا ہے؟"۔

"کچھ زیادہ نہیں معلوم"۔ یہ کہہ کر وہ چپ ہوا تو بچے ہنسنے لگے۔ کچھ ننھے پھول ابھی تک ٹافیاں کھانے میں مصروف تھے۔

"بچوں یہ بتاؤ کیا آپ کو یہاں آنا اچھا لگا"۔

"جی"... بچے ایک ساتھ بولے۔

یہ بتاؤ آپ نے علامہ اقبال کی نظمیں پڑھیں ہیں۔ جن میں وہ شاہین کا ذکر کرتے ہیں۔ میرے پیارے بچوں میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ وہ "شاہین" آپ ہی ثابت ہو سکتے ہیں اور آج علامہ اقبال بہت خوش ہوتے ہونگے کہ ان کے "شاہین" آج انہیں سلام کرنے آئے ہیں۔

ابھی ایک چھوٹے بچے (وقار خالق) نے نظم سنائی کہ اقبال دا شاہین بن کے دکھاوا گا۔ آپ کو تو پتہ ہے کہ اقبال کا شاہین کیا ہے۔ پانچویں چھٹی کی نصاب کی کتابوں میں اس کے بارے میں لکھا ہے۔ جب امتحان آتے ہیں تو آپ خوب زور زور سے رٹے لگاتے ہیں۔ آپ 9 نومبر

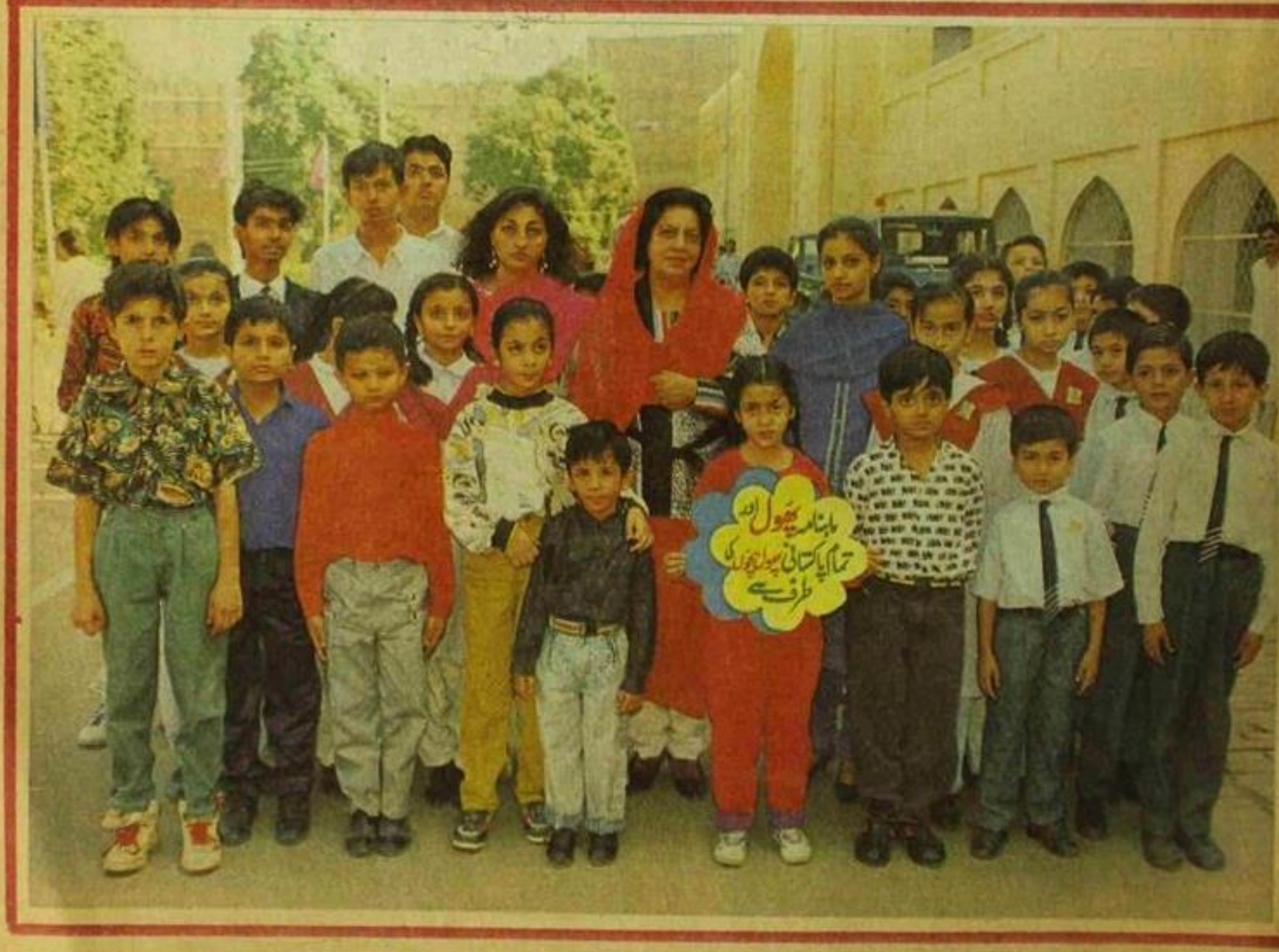

کو پیدا ہوئے آپ نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ سے حاصل کی آپ شروع سے ہی ذہین تھے۔ آپ نے سوئی ہوئی مسلمان قوم کو بیدار کیا۔ اب میرا بیٹا جب یہ سب کچھ پڑھتا ہے تو مجھ سے پوچھتا ہے۔ امی انہوں نے اور کیا کہا۔ یا پھر آپ سب بچے اپنی امیوں سے پوچھتے ہیں۔ "آخر علامہ اقبال میں کیا بات تھی کہ پوری دنیا میں ان کا نام ہے۔ آپ کیا تھے"۔

انہوں نے پوچھا "وہ شاعر تھے۔ ایک بچہ بول پڑا۔ شاعر تو اور بھی بہت تھے مگر وہ کیوں نہیں اتنا مشہور ہوئے اور بھی بہت سے بزرگ گذرے انہیں وہ مقام حاصل نہ ہوا جو علامہ اقبال کو حاصل ہوا ہے کہ کبھی کوئی غیر ملکی سربراہ بھی پاکستان آتا ہے تو علامہ اقبالؒ کے مزار پر ضرور آتا ہے۔

اس لئے کہ انہوں نے اپنی مسلمان قوم کو خواب غفلت سے بیدار کیا۔ تصور پاکستان پیش کیا۔ آپ بتائیں کہ آج ہم خواب غفلت میں ہیں یا جاگ رہے ہیں۔

"جی قوم جاگ رہی ہے"۔ بچے یک زبان ہو کر بولے۔ ساتھ ہی بینڈ جن کی ریہرسل ہو رہی تھی بج اٹھتا ہے۔ آپ نے کبھی اس قدر مزیدار خطاب نہیں سنا ہو گا۔ جن میں ساتھ ساتھ بینڈ باجا بھی بجایا جا رہا ہو۔ ایڈیٹر بھیا کہنے سے نہ چوکے اور بچے پھر ہنسنے لگے۔ اچھا بچوں محسن کے کہتے ہیں۔ بشریٰ صاحبہ مسکرائیں محسن اسے کہتے ہیں جس نے آپ پر احسان کیا ہو۔

ہمارے سب سے بڑے محسن خدا تعالیٰ ہیں۔ جس نے ہمیں اتنا خوبصورت آزاد ملک عطا کیا۔ پھر حضورؐ ہیں آپ نے اپنی امت پر احسان کیا اور پھر قوم میں بڑے بڑے لوگ آئے جو مسلمانوں پر احسان کرتے تھے۔ قرآن کے بعد والدین کے احسان ہیں بچوں پر اور تمہیں اپنے محسنوں کو یاد رکھنا چاہئے۔ انشاء اللہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ آپ میں سے بہت سے بچے اور بچیاں بڑے مرتبے پر پہنچ جائیں گے اور پھر جب آپ اقبال کے مزار پر آئیں گے تو آپ ضرور یاد رکھئے گا کہ ایک دفعہ ہم بشریٰ رحمٰن کے ساتھ ادھر آئے تھے اور انہوں نے ہمیں یہ کہا تھا۔ آپ آج ہی سے اپنے دل میں اقبال کا شاہین بننے کا تہیہ کر لیں کہ بڑا آدمی بنوں گا۔ اقبال کے شاہین جیسا۔ آپ اخبار پڑھتے یا ٹی وی پر سی این این تو ضرور دیکھتے ہونگے۔ امریکہ کے نئے صدر کا انتخاب ہوا ہے۔ بل کلنٹن جب وہ سترہ سال کا تھا میں نے اخبار میں پڑھا ہے کہ ایک دفعہ سکول کے ساتھیوں کے ساتھ وہائٹ ہاؤس میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اس وقت جان ایف کینیڈی صدر تھے۔ جب ان سے ہاتھ ملایا تو سوچنے لگا کہ مجھے بھی صدر بننا چاہئے اور ماں کو گھر آ کر وہ تصویر دکھائی جس میں کینیڈی سے ہاتھ ملا رہا تھا اور کہا کہ ایک دن میں صدر ضرور بنوں گا۔

آپ اچھے اور مضبوط ارادے رکھیں اور جو بننا ہے اس کے بارے میں سوچتے رہیں۔ محنت کریں گے تو ایک دن آپ بھی بڑے آدمی بن جائیں گے۔ علامہ اقبال نے پاکستان کا مقصد دیا۔ پاکستان بننے سے پہلے ہندو مسلمانوں سے اتنی نفرت کرتے تھے کہ اگر کوئی مسلمان ہندو کو لگ جاتا تو وہ کہتا کہ میں ناپاک ہو گیا ہوں۔ وہاں مسلمانوں کو ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ اسی لئے ایک ایسی حکومت ہونی چاہئے جہاں مسلمان اپنی سوچ اپنے مذہب اور اپنے طور طریقے کے مطابق زندگی گذار سکیں ایسی حکومت قائم ہو جہاں آزادی ہو۔ آپ نے خواب پیش کیا جس کی تعبیر قائداعظم کو پسند آئی۔ دیکھیں علامہ اقبال سے میرا خون کا رشتہ تو نہیں ہے مگر پھر بھی ہم سب انہیں یاد رکھتے ہیں اور ہمیشہ سلام کرنے آتے ہیں۔ اے ہمارے محترم شاعر آپ تو غلام پیدا ہوئے تھے مگر اپنے شاہینوں کے لئے آزاد فضاؤں کا تحفہ چھوڑ گئے۔ اللہ آپ کو اپنی رحمت کا سایہ بخشے۔ بچوں دنیا میں سب سے بڑی چیز آزادی ہے۔ اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اس دنیا میں اپنے دل میں ولولہ جواں رکھیں۔ شاہین کی طرح بلند رہیں کیونکہ جب شاہین اڑتا ہے تو چھوٹی موٹی چیزوں کو خاطر میں نہیں لاتا وہ پہاڑوں پر بسیرا کرتا ہے۔ اس لئے جب بھی کوئی کام کرنے کیلئے انھیں تو شاہین بن کر انھیں اور پوری دنیا پر چھا جائیں۔ آپ نے اقبال کا شاہین بننا ہے تاکہ ہم کہہ سکیں "علامہ جی آپ کے شاہین اس طرح کے ہوتے ہیں"۔ میری دعا ہے کہ آپ بہت بلند کردار ہوں اور اللہ کرے میری قوم کے بچے شاہین بن جائیں۔

تقریر بہت خوبصورت تھی۔ ایڈیٹر بھیا نے کہنا شروع کیا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ محترمہ بشریٰ رحمٰن اتنے خوبصورت انداز میں بچوں سے خطاب کریں گی۔ میرا نہیں خیال کہ آپ کی باتیں بچوں کے دلوں میں اتر نہ گئیں ہوں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ آئیں اور بچوں کو اتنی اچھی اور خوبصورت باتیں بتائیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے نشست کے اختتام کا اعلان اور شاہی قلعے کے گیٹ کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔ جہاں بعد میں تصاویر بنائی گئیں۔

واپسی پر جیپ میں بیٹھا میں سوچ رہا تھا کہ پھول نے پاکستانی بچوں کی طرف سے قومی شاعر کے مزار پر پھول چڑھا کر جس محبت کا اظہار کیا ہے اور ہلکے پھلکے انداز میں بچوں سے جتنی پیاری باتیں کی گئیں ہیں۔ ان کی مہک بہت دنوں تک میرے ساتھ رہے گی۔

خدا بھی خوش ہو گا

سردیاں آ گئی ہیں امی جان نہ وہ گرمی، نہ وہ ہے برف کی شان
اب ضرورت نہیں ہے اے سی کی چھا رہی ہے بہار سردی کی
گرم کپڑے پہن لئے ہم نے رنگ سردی میں بھر دیئے ہم نے
ہم غریبوں کو گرم کپڑے دیں ان کو خوش کر کے کچھ دعائیں لیں
کوئی جیکٹ کوئی رضائی دیں گرم کمبل دیں، چارپائی دیں
ہم غریبوں کا بھی کچھ خیال کریں دور ان کا بھی کچھ ملال کریں
گرم کپڑا نہیں ہے ان کے پاس رہتے ہیں وہ بہت اداس اداس
کچھ غریبوں کی بھی مدد کریں ان کے دل میں بھی ہم خوشی بھر دیں
کیسے ننگے بدن وہ رہتے ہیں ظلم سردی کا جاں پر سہتے ہیں
نیکیاں یہ بتاتی ہیں ہم کو پیار کرنا سکھاتی ہیں ہم کو
زندگی کے چلن یہ بتلائیں خود بھی نہیں، انہیں بھی پہنائیں
دیکھو چھوٹا بڑا بھی خوش ہو گا
وہ ہیں خوش تو خدا بھی خوش ہو گا

(سلمان احمد - دی نیو سکول لاہور)

دریا ہمارے

ریاض الرحمٰن ساغر

بہت پیارے پیارے ہیں دریا ہمارے
ہرے ان سے ہیں کھیت اور باغ سارے
ہمیں زندگی دیتا ہے ان کا پانی
یہ بہتے رہیں جو کنارے کنارے
مگر جب کبھی بھی بپھر جاتے ہیں یہ
کناروں سے باہر بکھر جاتے ہیں یہ
تو نقصان فصلوں کا جانوں کا کر کے
مچا کر تباہی اتر جاتے ہیں یہ
پریشان ہوتے ہیں دہقاں بچارے
وہ ٹوٹے گھروں کو بناتے ہیں پھر سے
وہ کھیتوں میں فصلیں اگاتے ہیں پھر سے
بھلا کر وہ دریا کی نادانیوں کو
گلے پانیوں کو لگاتے ہیں پھر سے
یہی دھارے بن جاتے ہیں پھر سہارے

بجھارت

کبھی آپ نے سوچا ہے؟
آخر یہ ہوا کیا ہے؟
سانس اس میں سب لیتے ہیں
اس میں بھی مزہ کیا ہے؟..... کبھی آپ نے سوچا ہے؟
لہرا کے جب چلتی ہے
کلی ہر ایک مچلتی ہے
بند اگر ہو جائے تو
سب کی جان نکلتی ہے
سانسوں کی غذا کیا ہے؟..... کبھی آپ نے سوچا ہے؟
ہر جاں کی ہے جان اس میں
ہے اللہ کی شان اس میں
دیتی ہے یہ آکسیجن
زندہ ہے جہان اس میں
آخر یہ خلا کیا ہے؟..... کبھی آپ نے سوچا ہے؟
خالی یہ ہوا سے ہے
اوپر یہ فضا سے ہے
دھرتی کی کشش سے دور
الگ تھلگ دنیا سے ہے
سوچو ذرا خدا کیا ہے..... کبھی آپ نے سوچا ہے؟

بچے کی آنکھ سے

کلوزاپ

چند لمحے تو آپ حیرت سے دیکھتے رہے ہوں گے کہ یہ ہے کیا؟ ارے بھائی یہ ہم ہیں الو صاحب..... اور یہ ہماری آنکھ کا کلوزاپ ہے..... ہم خوبصورت ہوں نہ ہوں تصویر خوبصورت ہے

آزادی کالمحہ

ہمیں آپ کچھوے کے نام سے جانتے ہیں۔ ست رفتاری کیلئے ہمارا نام ایسے ہی بدنام نہیں ہے۔ اب آپ خود دیکھیں۔ یہ سندربن کی ایک نرسری ہے جہاں ہماری پرورش کی جاتی ہے۔ یہ وہ لمحہ ہے جب ہمیں آزادی ملنے والی ہے" نرسری سے کھلے پانی میں چھوڑا جانے والا ہے اور سستی کا عالم یہ ہے کہ ہمارے بہت سے ساتھیوں نے نیچے سے ملنے کی کوشش بھی نہیں کی.....

پچر پلانٹ

پچر پلانٹ کا نام تو شاید آپ نے سن رکھا ہو آج دیکھ بھی لیں۔ کیا صراحی دار گردنیں ہیں ہماری۔ ویسے دور سے حضرت سانپ سے بھی شکل ملتی محسوس ہوتی ہے..... مگر ایسے بھی خطرناک نہیں کہ ہمارا نام بدل دیا جاتا..... کیلیفورنیا میں ہمارا گھر ہے..... یعنی نرسری..... وہیں یہ تصویر اتاری گئی

اللہ یہ نزاکت

تتلیاں دیکھتے ہیں جتنی خوبصورت ہوتی ہیں اتنی نازک بھی ہوتی ہیں۔ تصویر سے جو نزاکت ظاہر ہو رہی ہے اسی پر کہتے ہیں اللہ یہ

ہرنوٹا شہر میں

اختر عباس

گھر کا لان جتنا بڑا ہے اللہ کا شکر ہے گھر والوں کا دل بھی اتنا ہی بڑا ہے۔ مسلم ٹاؤن میں واقع یہ خوبصورت کوٹھی کئی کنال میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ کوٹھی پرویز صاحب نے کب بنائی اور کیسے بنائی نہ تو میں نے کبھی پرویز صاحب سے پوچھا اور نہ انہوں نے کبھی بتایا۔ بھلا وہ بتاتے بھی کیسے ؟ ایسے لوگ تو اپنے دوستوں عزیزوں کو کچھ نہیں بتاتے۔ میں تو پھر ان کا پالتو ہرن ہوں۔

میں اپنے آپ کو ہرن کہہ کر اتنا خوش ہوں جتنا کسی بچے کو جوان کہہ کر بلایا جائے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ اصولاً آپ مجھے ہرنوٹا کہہ سکتے ہیں کیونکہ ہرن کے بچے کو اسی نام سے پکارتے ہیں ہے نا آپ کیلئے نیا لفظ۔

میری عمر کتنی ہے یہ تو مجھے بھی علم نہیں اصل میں دوسروں کی عمر کا حساب کتاب یا عورتیں رکھتی ہیں یا پرانے بڑے بوڑھے۔ اب ان دونوں کو بھلا میری عمر کے کم زیادہ ہونے سے کیا فرق پڑے گا۔ لیکن مجھے بہت فرق پڑا ہے۔ جب میں اس کوٹھی میں آیا تو ایسے تھا جیسے ان دھلا کپڑا۔ چند ماہ پہلے تک مجھے صرف دو چیزوں کا علم تھا۔ روشنی اور بھوک..... میں اپنی امی کیساتھ چولستان میں گھوما کرتا تھا۔ بھوک لگتی تو دودھ پی لیتا یا پھر کوئی نرم کونپل ہوتی تو میری امی مجھے بلا لیتی۔ جوں جوں بھوک ختم ہوتی توں توں روشنی بھی ختم ہونے لگتی۔ میں سمجھ جاتا کہ اب آرام کا وقت آگیا ہے۔ امی کوئی گھنی جھاڑی ڈھونڈ لیتیں اور ہم اس کے پاس ٹھنڈی ریت پہ آرام سے سو جاتے۔

وہ بھی ایک ایسی ہی رات تھی میں اپنی ماں کے پیٹ پر سر رکھے سو رہا تھا جب اچانک شور سے میری آنکھ کھلی۔ ہمارے چاروں طرف روشنی تھی۔ مگر یہ روشنی وہ والی نہیں تھی جس میں سارا صحرا نظر آتا تھا بلکہ وہ تو صرف ہم ماں بیٹا تھے اور روشنی کا گول ہالہ جو ہمیں گھیرے ہوئے تھے اللہ جانے میری امی کو کیا سوجھی اس نے مجھے اس قدر زور سے دھکا دیا کہ میں کتنے ہی قدم دور جا گرا اگلے ہی لمحے وہ خود بھی میرے پیچھے

کھڑی تھیں مجھ سے بولیں بیٹے ہماری زندگی خطرے میں ہے بھاگو..... اس وقت تو میں بلا سوچے سمجھے بھاگ پڑا مگر آج سوچتا ہوں اگر میں نہ بھاگتا اور اپنی امی سے سوال و جواب شروع کر دیتا دلائل مانگتا وجہ پوچھتا جیسے آج کل بچے پوچھتے ہیں کہ کیوں بھاگوں..... کدھر کو بھاگوں کتنی دور اور کتنی دیر بھاگوں تو یہ باتیں سنانے کو زندہ نہ بچتا۔

روشنی سے بچنے کیلئے جب ہم دونوں بھاگے تو روشنی بھی ایک خوفناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ ہمارے پیچھے بھاگی۔ وہ تو مجھے بعد میں پتا چلا کہ وہ روشنی جیپ کے آگے لگی ہوئی بڑی لائٹوں سے نکل رہی تھی۔ اور وہ آواز روشنی کی نہیں جیپ کے انجن کی تھی۔ جو بڑی تیز رفتاری سے ہمارے پیچھے آ رہی تھی۔ ہم کب تک بھاگتے رہے اور کتنی دیر بھاگتے رہے۔ کچھ کہنا مشکل ہے بس اتنا یاد ہے دل دھلا دینے والی گولیوں کی آوازیں بار بار آ رہی تھیں ہم لوگ تو ویسے بھی چھوٹے دل والے مشہور ہیں۔ بھاگتے بھاگتے ریت کے ایک ٹیلے کو جب ہم عبور کرنے والے تھے تو میری امی کی چیخ نکل گئی۔ میں نے خوف کے مارے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا..... البتہ پوچھا ضرور کہ کیا ہوا ہے۔

امی نے کہا بیٹے کچھ بھی نہیں ہم اسی ٹیلے کے نیچے ایک بڑی سی جھاڑی میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ پھر آہستہ آہستہ جیپ کی آواز دور چلی گئی۔ اللہ نے ان شکاریوں سے ہماری زندگیاں بچالی تھیں۔ وہ شکاری ہماری طرف سے مایوس ہو کر کسی اور ہرن کو شکار کرنے کے لئے جا چکے تھے۔ ہرن کے شکار کیلئے یہ لوگ بالعموم یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ جیپ کے چلے جانے کے کچھ ہی دیر بعد مجھے یوں لگا جیسے میری امی کسی تکلیف میں ہیں۔ میں نے بڑی بے تابی سے ان کے گرد چکر لگایا تو پتا چلا کہ میرا خیال درست تھا ان کی پچھلی ٹانگ پہ گولی لگ چکی تھی اور وہاں سے خون تیزی سے نکل رہا تھا۔ ماں کا حوصلہ دیکھیں کہ مجھے پریشانی سے بچانے کیلئے اپنی تکلیف کا ذکر تک نہیں کیا۔

یہ تو مجھے بعد میں پتا چلا کہ شہر میں گولی کا علاج ہوتا ہے مگر اس بے آب و گیاہ صحرا میں ایسی سہولت کہاں ملتی میری امی بھی ایک دانا اور عقلمند ثابت ہوئیں کہنے لگیں بیٹے مرنا تو ایک دن سب نے ہے کیوں یہاں پڑے پڑے جان دیں۔ چلو زندگی تلاش کرتے ہیں۔ پہلے تو

میں ان کا مطلب نہیں سمجھا مگر پھر اللہ کا نام لیکر ہم دونوں آہستہ آہستہ چلنے لگے میری تو معلومات اور تجربہ عمر کی طرح ہی چھوٹا تھا امی نے چولستان میں بے شمار جگہیں دیکھی ہوئی تھیں صبح کا نور ابھی پھیلا نہیں تھا جب ہم ایک جوہڑ کے کنارے پہنچے پانی پیا اور تازہ دم ہونے کے لئے ایک طرف بیٹھ گئے۔ نجانے کتنی دیر گزری رات بھر کے جاگے ہوئے تھے آنکھ لگ گئی۔ اچانک جو آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکا میرے پاس بیٹھا ہے اور امی کے زخم پہ کوئی کپڑا رکھ رہا ہے۔

کوئی اور موقعہ ہوتا تو میں کب کا بھاگ چکا ہوتا۔ مگر امی کی بیماری اور اس لڑکے کی تیمارداری مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ ایک انسان نے تکلیف دی دوسرا اسے دور کر رہا ہے۔ وہ تو اب سمجھ میں آئی کہ یہی اللہ کا نظام ہے۔ اس لڑکے نے بڑے پیار سے میری طرف دیکھا اور سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ مجھے جھرجھری سی آئی مگر پی گیا کہیں کہے نا کہ بڑا نخریلا ہے۔ یہ تو شہر آکر پتا چلا کہ لوگ سمجھتے ہیں جتنے نخرے دکھاؤ قدر اور اہمیت بڑھتی ہے۔ حلانکہ..... خیر چھوڑیں اس بات کو ورنہ انسانوں کی طرح اصل بات درمیان میں ہی رہ جائے گی۔ یہاں اتنا عرصہ رہ کر یہی دیکھا ہے کہ کوئی بندہ اپنی اس بات کو مکمل نہیں کرتا جسے شروع کرتا ہے بات سے بات نکالنے کے شوق میں آخر تک اصل بات ہی بھول جاتے ہیں۔

اس لڑکے نے مجھے گود میں اٹھانے کی کوشش کی تو میں نے فوراً اپنی امی کی طرف دیکھا کہ جیسا اشارہ ہو ویسا عمل کروں ویسے بھاگنے کیلئے بالکل تیار تھا گود میں اٹھانے سے گدگدی بھی ہو رہی تھی۔ میں نے غور کیا تو میری امی کی بند ہوتی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ نہ روک سکتی تھیں نہ ساتھ جا سکتی تھیں۔ انہوں نے دیکھتے دیکھتے آنکھیں بند کر لیں۔ تب خیال تھا تھک کر سو گئی ہیں۔ انہوں نے سونے سے پہلے

اس لڑکے کو جس نظر سے دیکھا وہ مجھے آج تک نہیں بھولی۔ اس میں پیار تھا التجا تھی۔

اس لڑکے کے ساتھ کئی فرلانگ کے سفر کے بعد میں گاؤں کے قریب واقع ایک ڈیرے پر پہنچا وہاں اس نے مجھے ایک کچے کمرے میں چھوڑ دیا۔ تھوڑی دیر بعد پیالے میں دودھ لایا۔ میں نے بھوک اور پیاس کے مارے تیز تیز چاٹنا شروع کیا تو وہ ہنسنے لگا۔ مجھے بڑا افسوس ہوا بعد میں تو میں نے کئی بار دعوتوں میں دیکھا کہ اکثر انسان بھی کھانے پینے میں ایسے ہی جلدی کرتے ہیں جیسے گھر سے صدا کے بھوکے آئے ہوں۔

اس لڑکے کا نام عبداللہ تھا وہ ایک غریب مزارع کا بیٹا تھا۔ مگر میرا بڑا ہی خیال رکھتا تھا۔ ہر وقت پیار کرتا اور کھلاتا پلاتا رہتا اب تو پڑھے لکھے انسانوں میں بھی پیار کے اظہار کا واحد طریقہ یہی رہ گیا ہے

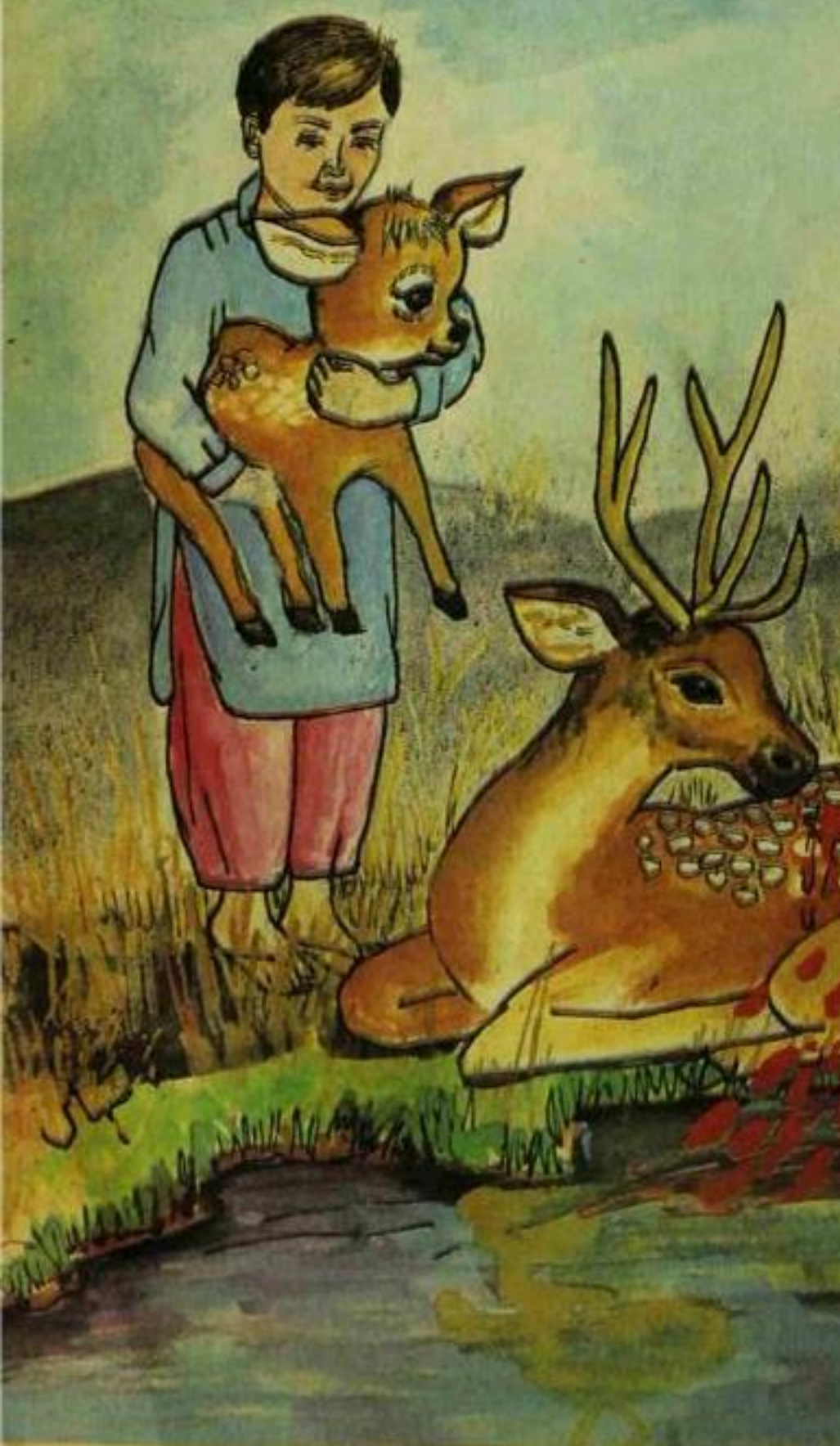

کہ دعوتیں کھلاؤ، شربت پلاؤ جو یہ نہ کرے لوگ اس پہ شک کرتے ہیں۔

کچھ دن بعد ان کے گھر ایک کار آئی پتا چلا کہ وہ زمینوں کے مالک پرویز صاحب ہیں عبداللہ نے انہیں میرے بارے میں بتایا وہ بہت خوش ہوئے عبداللہ کو شاباش دی۔ اور پھر مجھے اور عبداللہ کو کار میں بٹھا کر شہر لے آئے۔ اب میں کافی عرصے سے یہاں رہتا ہوں کوٹھی کے کھلے لان کی طرح میرا ذہن بھی کھل گیا ہے۔ میں اکثر بہت کچھ سوچتا رہتا ہوں۔ عبداللہ کو بھی اسی گھر میں نوکری مل گئی تھی وہ میرا نگران اور محافظ بھی ہے اور دوست بھی..... وہ میرے پاس بیٹھ کر ڈھیروں باتیں کرتا ہے تبھی تو میں آپ کو فر فر اتنی باتیں سنا رہا ہوں۔

ایک دن کہنے لگا تم نے سبک تگین کا نام سنا ہے پھر خود ہی بولا بھلا تم نے کیسے سنا ہو گا۔ میں نے تو کتاب میں پڑھا تھا تاریخ کی کتاب تھی اب تو لوگ تاریخ پڑھتے ہی نہیں فلمیں دیکھتے اور تاریخ کو خراب ہوتے دیکھتے رہتے ہیں۔

ہاں تو عبداللہ بتا رہا تھا کہ ایک بار شکار کرتے ہوئے سبک تگین نے ایک ہرنی کے بچے کو پکڑ لیا اس وقت وہ بخارا اور سمرقند کے بادشاہ الپ تگین کا غلام تھا۔ ہرنی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی خاصی دور جا کر اچانک اس کی نظر ہرنی پر پڑی تو فوراً رک گیا ہرنی کی آنکھوں میں کوئی خاص التجا تھی دل میں اللہ نے ایسا رحم ڈالا کہ اس نے بچے کو چھوڑ دیا اور خالی ہاتھ واپس آ گیا ہرنی اور بچہ خوشی خوشی واپس چلے گئے۔ سبک تگین کہا کرتا تھا کہ میں غلام سے بادشاہ بنا ہوں تو اس معصوم ہرنی کی دعا سے جس کے بچے کو میں نے چھوڑا تھا۔

عبداللہ میرے سر پر پیار سے ہاتھ پھیر کر کہا کرتا تھا کہ میں بھی شاید ایک ہرنی کی دعا سے اتنے بڑے شہر میں ہوں۔ اچھا کھاتا ہوں، اچھا پہنتا ہوں۔ ملک کا بادشاہ نہیں بنا مگر کچے کوٹھے سے پکی کوٹھی میں تو آ گیا ہوں۔ صرف اس لئے کہ ایک زخمی ہرنی پر رحم کھایا اس کے پٹی کی اور اس کے غیر محفوظ بچے کو لا کر تحفظ، محبت اور گھر دیا۔

مجھے اس کی بات سے اتفاق ہے کیونکہ میری امی تھی ہی ایسی دوسروں کا بھلا چاہنے والی دعا دینے والی مجھے یقین ہے انہوں نے گولی مارنے والے ظالم کو بھی بد دعا نہیں دی ہو گی..... ہم جانور لوگ بد دعا دیتے ہی نہیں نجانے انسانوں میں یہ وبا اتنی عام کیوں ہے۔

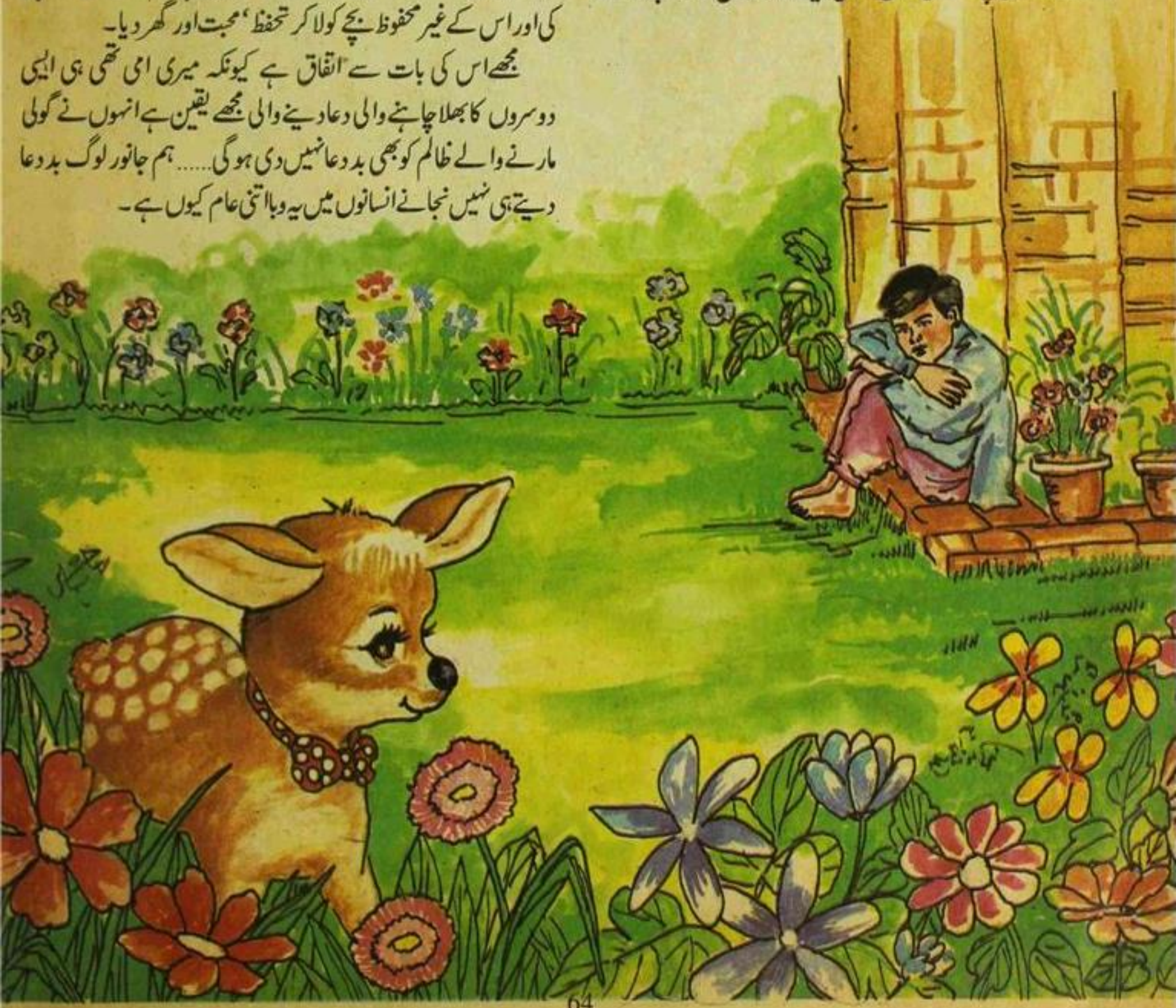

SUPER CRISP

Snacks for all seasons

مزے مزے کے چپس، دال مونگ پی نٹس نمکو مکس اور آب بادام بھی

محفظِ صحت کے بین الاقوامی

معیار کے مطابق

ہر طرح کی ملاوٹ سے پاک

WINNER OF MERIT
EXPORT TROPHY

EVERNEW CONCEPTS